



CONTRIBUTION OF BABUR AND HUMAYUN TOWARDS PERSIAN LITERATURE

ABSTRACT

THESIS

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

PERSIAN

BY

MISS RANA KHURSHEED

Under the Supervision of

PROF. AZARMI DUKHT SAFAVI

**DEPARTMENT OF PERSIAN
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)**

1996

T- 4985

Title : Contribution of Babur and Humayun towards Persian Literature.

**Supervisor : Prof. Azarmi Dukht Safavi
Department of Persian
Aligarh Muslim University
Aligarh.**

A B S T R A C T

For nearly eight hundred years, Persian Language and literature has been an integral part of Indian life and culture. With the establishment of Mughal empire by Babur in 1526 A.D., Persian prose and poetry grew in every dimension and made in roads in all branches. Both Babur and Humayun were great patrons of art, poetry and literature and had contributed a great deal for the promotion of Persian language and literature in India.

The object of the present research work, being submitted for the award of Ph.D. is to assess and analyse the contribution of these two great Mughal kings to Persian literature. The thesis consists of an introduction and five chapters:

The first chapter deals with the political and cultural conditions of Babur's time. It was deemed necessary to present a brief critical background of that particular period so as to familiarise the reader with the chief intellectual and cultural trends prevalent during Babur's reign.

The second chapter describes in detail, Babur's role as a great patron of literature and gives information about his Turkish/Persian poetry and the Tuzuk-i-Babari, an Important source of history.

In the third chapter, a brief account of the social and political scene in India is given at the time of Humayun.

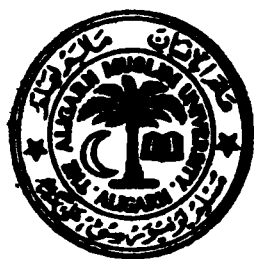
The fourth chapter is devoted to critically analyse Humayun's own contribution to Persian poetry. The manuscripts of Humayun's Persian Diwan, available at Khuda Bukhsh library, Patna, has been compared with its printed edition (Edited by Dr. Hadi Hasan).

The last and the fifth chapter has been divided into two parts: First part deals with some important scholars and writers of the period of both Babur and Humayun, (e.g. Ibrahim-Bin-Jarir, Mirza Haider Dughlat, Johar Aftabchi, Yusufi etc), giving their biographical details, introducing their important works and analysing their literary value. The second part is devoted to poets. It provides a brief biographical sketch of some important poets, like Atashi Qandhari, Junoobi Badakhshani, Jamali Dehlavi, Mir Owaisi, Qasim Kahi, Khankhanan Bairam Khan etc. A critical appreciation of their poetry is also provided.

The main thrust of all the five chapters is to assess and establish the importance of the periods of these two Mughal emperors in promoting the cause of Persian literature in India.

A detailed bibliography is appended at the end.

R. Khursheed.
(MISS. RANA KHURSHEED)
Department of Persian
Aligarh Muslim University
Aligarh.



سهم بابر و همایون

در
ادبیات فارسی

مقاله برای دکتر

تقدیم کننده
رئیس خورشید

تحت نظارت
پروفسور آزرمی دخت صفوی

بخش فارسی
دانشگاه اسلامی علیگر
علیگر
۱۹۹۶ء



T4985



Dr. Azarmi Dukht Safawi

Department of Persian
U. M. P., Aligarh
Tel: 48821 Ext. 353

TO WHOM IT MAY CONCERN

This is to certify that Ms. Rana Khursheed, has worked under my supervision and the present research work entitled **"CONTRIBUTION OF BABUR AND HUMAYUN TOWARDS PERSIAN LITERATURE"** is an original research work submitted for the award of Ph.D.



(Dr. Azarmi Dukht Safawi)
Professor
Department of Persian

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ط (البقرة ۲۶۹)
جسے حکمت و دانائی عطا ہوئی اسے بہت بڑی بھلائی مل گئی ۔

انشاء

مادرِ مہربان
اور
پدرِ شفیق
کے نام



کتابخانه رضا رامپور، اترپردیش

فهرست

مقدمه

- باب اول: نظری بروصنیت سیاسی واجتماعی هند در
عهد بابر ۱- ۳۲
- باب دوم: سیم بابر در ادبیات فارسی ۳۳-۶۷
- باب سوم: نظری بروصنیت سیاسی واجتماعی هند
در عهد هالیون ۶۸-۹۳
- باب چهارم: سیم هالیون در ادبیات فارسی ۹۴-۱۳۵
- باب پنجم: ادبار و شعرای هند در عهد های
بابر و هالیون
- فصل اول: ادبار ۱۳۶-۱۹۲
- فصل دوم: شعراء ۱۹۳-۲۷۴
- کتابیات: ۲۷۵-۲۸۲

مقدمه

مقدمہ

تحقیق اور جستجو ابتدائی آفرینش سے اذہان انسان میں کسی نہ کسی انداز میں رونما ہوتی رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں عہد طفلی ہی سے ایک بچے کے ذہن میں کیا کیا کیوں اور کیسے؟ اس قبیل کے بے شمار سوال گھوما کرتے ہیں۔ جیسے اس کا شعور بالغ تر اور اس کی فکر مستحکم تر ہوتی جاتی ہے وہ ہر نئی بات جاننے کے لئے زیادہ سے زیادہ بے چین ہو جاتا ہے اور وہ اپنی فکری صلاحیتوں کو تحقیق و جستجو میں صرف کرتا ہے۔

آج کے موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں کوئی سمندر کی ٹھانٹیں مارتے پانی پر راستہ بناتا ہے، کوئی ہواؤں کے رخ مقرر کر کے آسمانوں کی سیر کرتا ہے۔ کوئی سورج چاند کے ذریعے وقت کا حساب طے کرتا ہے۔ الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں انسانی فکر ایک نئی کھوج ایک نئی راہ کی طرف گامزن ہے۔ آج انسان کے ذیل آیت کریمہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) ”ہم نے زمین آسمان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔“ سچ کر دکھایا ہے۔ اپنی کوشش اور تلاش کے ذریعے تمام زمین اور آسمان پر اپنی فتح کا جھنڈا بلند کر لیا ہے۔

تحقیق کے صد ہا وسیع میدان ہیں جس کو مختلف اذہان انسانی اپنی دلچسپی اور فکر کے نتیجے میں پسند کرتے ہیں۔ کسی کو سائنس سے شوق ہے تو کسی کو ادب سے دلچسپی۔ غرض ہر ایک فکر ایک نئی جستجو میں لگی ہوئی ہے۔ دیگر موضوعات سے ہر طرف اگر صرف میدان ادب پر ہی نگاہ ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق ادب نے اپنی فکر سے صفحہ ہای ادب پر بشمار در شاہوار یکسرے ہیں ان کی بے لوث کاوش و جستجو کے نتیجے میں پردہ گم شدہ سے ہزار ہا نامعلوم حقائق آشکار ہوتے ہیں۔ تحقیق راہ تحقیق وہ راہ ہے کہ ایک کے بعد دوسرا اس راہ کا راہی بن جاتا ہے۔

گازندہ حاضر نے اس منزل تحقیق پر ابتدائی قدم رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل عنوان کے تحت دکترا کی سند کے لئے اپنا مقالہ پیش کیا ہے۔ جو محترمہ پروفیسر آرمیدخت صفوی صاحبہ کی زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچا ہے :

”عنوان“ سہم بابر و صالیون در ادبیات فارسی “

ب

جیسا کہ ہم جانتے ہیں فارسی زبان و ادب کی جڑیں نہ صرف مغلوں کے ورود کے ساتھ ہندوستان میں پے گیر ہوئیں بلکہ ان کی آمد سے پہلے بھی سرزمین ہند کے علمی و ادبی ماحول پر فارسی شعر و ادب کے واضح نقوش نظر آتے ہیں۔

فارسی زبان محمود غزنوی کیساتھ جو نہ صرف خود صاحب علم بلکہ علم پرور بھی تھا، ہندوستان میں داخل ہوئی امرتوج خیز یہ ہے کہ یہ خارجی زبان اتنی تیزی سے ریشہ گیر ہوئی کہ داخلی زبان بن گئی۔ یہاں کے سلاطین حکماں اور وزراء کی علم دوستی، ادب نوازی، سرپرستی اور تشویق کے نتیجے میں فارسی زبان و ادب نے جو فروغ پایا وہ اسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

محمود غزنوی کے بعد غلام، غلج، تغلق اور لودھی حکماں سلطنت ہند پر یکے بعد دیگرے جلوہ افروز ہوتے رہے۔ یہ حکماں وقت ایک امور حکمرانی انجام دینے میں مصروف رہتے اور دوسری طرف علم و ادب کو فروغ دیتے اور صاحبان علم و ادب کی سرپرستی بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ فارسی زبان و ادب کی ترقی و نشوونما کے لحاظ سے مغل دور ہندوستان کا درخشاں ترین و تابناک ترین دور ہے، بالفاظ دیگر عہد مغلیہ میں اس مخصوص خارجی زبان نے جو عروج و بلندی حاصل کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کیوں کہ ایک طرف مغل بادشاہوں اور شاہی خاندانوں کی فیاضی، علم دوستی، سخن سنجی اور معارف پروری اور دوسری طرف ایران کی صفوی حکمرانوں کی حوصلہ شکن روش نے ہزاروں اہل علم کو ہندوستان کی طرف آنے پر مجبور کر دیا۔ انعامات، اکرامات اور نوازشات کی خواہش نے ان کے حوصلوں کو بلند کر دیا تھا۔

بقول ڈاکٹر نبی ہادیؒ:

”یہاں پہنچے بغیر ایرانی سخنور اپنے کو کمال کی سند سے محروم سمجھتے تھے۔“

صاحب مآثر رحیمی کی اصطلاح میںؒ:

۱۔ مغلوں کے ملک الشعراء پر و فیسربنی ہادی۔ ص۔ ۱۲۔ الہ آباد۔ ۱۹۷۶ء

۲۔ مآثر رحیمی۔ عبدالباقی بہاؤندی۔ (بجوالہ مغلوں کے ملک الشعراء ص۔ ۱۲)

پ

و ذہانت کا مالک تھا اس کی شخصیت بیک وقت گوناگوں اوصاف اور قابلیت کا منبع تھی۔ وہ بلند پایہ شاعر، ادیب اور سخن شناس و علم پرور تھا۔ فارسی و عربی کے علاوہ ترکی زبان پر قدرت حاصل تھی۔

بابر بادشاہ کی طرح اس کا جانشین فرزند ارجمند نصیر الدین محمد ہمایوں بھی صاحب علم و فضل تھا۔ وہ ایک بلند مرتبہ شاعر اور ماہر علم ریاضی و ہیت تھا۔ اگرچہ اس کی تمام زندگی میدانِ کارزار اور خانگی معاملات کو درست کرنے میں گزری مگر فرصت کے اوقات میں شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھتا تھا۔

بابر اور ہمایوں کی طرح جلال الدین محمد اکبر بھی علم و ادب کا شیدائی و دلدادہ تھا۔ اس کے زمانے میں فارسی زبان اور شعر و ادب بام عروج پر پہنچا اکبر کو علم و فن سے جو خاص لگاؤ و مناسبت تھی اس کا اندازہ ان ادبی محفلوں سے ہوتا ہے جو اس کے دربار کی زینت تھیں۔ جہاں ہر فن کے ارباب کمال جمع ہو کر مختلف مسائل پر بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ اکبر خود بھی ان اہل علم و فکر کی صحبتوں سے بہرہ ور ہوتا تھا یہی وجہ ہے اس کی سرپرستی و علم نوازی کے سبب اس کا عہد علمی و ادبی حیثیت سے جگمگا اٹھا۔

ہندوستان میں مغلوں کے ورود کے ساتھ اذہان انسانی میں فکری تبدیلی بھی رونما ہو رہی تھی ایک طرف ایک نئے وسیع العرض ملک کی فتح کا جوش، کامرانی اور امیدوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہیں دوسری طرف نیا ماحول و کلچر، نئی تہذیب و تمدن سے آشنائی ہو رہی تھی۔ زبان، افکار اور فرہنگوں کے اس ادغام اور امتزاج کا ایک اہم ادبی نتیجہ اور رونما ہوا۔ یعنی کلاسیکی سبک کو نظر انداز کر کے ادبا اور شعراء نے ایک نیا طرز اختیار کیا جو بعد میں ”سبک ہندی“ کے نام سے معروف ہوا۔ ”سبک ہندی“ کی نمایاں خصوصیات میں خیال بندی، مضمون آفرینی، نازک خیالی، دقیق معانی دور از فہم خیالات، پیچیدگی عبارت، نادر اور بے مثل تشبیہات و استعارات شامل ہیں۔

مندرجہ بالا کوائف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغل دور ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کی ترقی کے لحاظ سے اہم ترین دور ہے فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مغل دور میں تخلیق ہونے والے فارسی ادب کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ زیر نظر مقالہ اس سلسلے میں راقم کی ایک حقیر کوشش ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مغل خاندان کے ان دو معارف پرور بادشاہوں یعنی بابر اور ہمایوں کے زمانے میں تخلیق ہونے

ت

”ایران کے مستندان نہ زکار سب کے سب ہندوستان میں جمع ہو گئے تھے۔“

یہی وہ زمانہ تھا جب سرزمین ہند کا چمن اعلیٰ علم و فن کی زمزمہ سنجیوں سے گونج رہا تھا۔ مغل دور نے ایک فرہنگی اور تہذیبی ادارے کی حیثیت حاصل کر لی تھی وہ آج جس کا منبع ایران کی سرزمین سے پھوٹا تھا۔ سرزمین ہند کو سرسبز و شاداب کر گیا اس تمام مدت میں مختلف بادشاہوں اور سربراہان ملک کے درباروں میں بیشمار شاعروں اور نثر نگاروں نے فارسی زبان میں طبع آزمائی کی اور اس مخصوص زبان کو ایران کے حدود سے باہر نکال کر ہندوستان میں کچھ اس طرح رائج کر دیا کہ گویا تمام فارسی زبان و ادب سے آشنا ہو گیا۔ صدیوں پر مشتمل فارسی شعر و ادب کا یہ سرمایہ ہندوستان کی لازوال مشترکہ تہذیب اور فرہنگ کی مثال بن گیا۔

مغل دور میں ہندوستان نے فارسی کے ایسے ایسے شعراء اور ادبا پیدا کئے جس کا جواب ایران میں بھی مشکل سے نظر آتا ہے۔ صدیوں تک فارسی سرکاری زبان رہی۔ ہندوستان کے علمی و ادبی ماحول پر فارسی زبان و ادب کچھ اس طرح چھایا کہ نہ صرف مرکزی ہندوستان کی حکومت بلکہ علاقائی حکومتوں اور شاہی خاندان کے درباروں میں بے شمار فارسی ادیب اور شاعر اپنی ہنرمائی کرتے رہے اور علم و ادب کا ایسا بے بہا ذخیرہ چھوڑا جو لائق ستائش ہے۔

فنون لطیفہ کے علاوہ سائنسی علوم اور تہذیب و تمدن کو فروغ دینے کے لئے ان سربراہان ملک نے گہری دلچسپی اور شغف کا ثبوت دیا ہے۔ اہم کتابیں لکھی گئیں دوسری زبانوں کی کتابوں کے فارسی زبان میں تراجم ہوئے جس سے ان کی ذہانت اور دانشمندی کا واضح ثبوت نظر آتا ہے۔ حقیقتاً اس کی خاص وجہ بھی یہی تھی کہ مغل خود شعر و ادب کا پختہ شعور رکھتے تھے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ مغل بادشاہوں، حکمرانوں اور امیروں نے اپنے عہد کی فضا کو سنوارنے اہل شعر و سخن کے ذوق کی رہنمائی کرنے اور ان کو پروان چڑھانے میں جو خدمات انجام دیں اور جس قدر انہماک اور التفات کا ثبوت دیا وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

خاندان مغلیہ کا موسیس ظہیر الدین محمد بابر خود زبردست صاحبِ علم و قلم گذرا ہے۔ وہ غیر معمولی صلاحیت

والے فارسی ادب پر بہت زیادہ کام منظر عام پر نہیں آیا۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے جس طرح ادباء، علما اور شعراء کی تشویق اور سرپرستی کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس مقالے میں ہم نے ان دونوں کے ادوار کی سیاسی و اجتماعی صورت حال کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے ان ادباء و شعراء کا ذکر کیا ہے جو اس دور سے متعلق تھے، خود بابر اور مہالیوں کی ادبی خدمات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔

جیسا کہ قبل اذکرہ کیا گیا زیر نظر مقالہ نہ صرف ان مخصوص حکمرانوں یعنی بابر و مہالیوں کی سیاسی کشمکش اور آؤرشوں کے ساتھ ان کے علمی و ادبی ذوق و شوق پر مبنی ہے اور ساتھ ہی ان ادباء و شعراء کا بھی تذکرہ ہے جو مستقل یا غیر مستقل طور پر دونوں درباروں یا اس نمائندہ دور سے وابستہ رہے ہیں۔

مقالہ حاضر پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول۔ نظری بروصنیت سیاسی و اجتماعی ہند در عہد بابر: کسی بھی ادب کا جائزہ لینے سے قبل اس سے تمام عوامل کا خواہ وہ سیاسی ہوں یا تاریخی سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ بابر اور اس کی زندگی سے متعلق تاریخی و سیاسی احوال کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ ان پر نظر ڈالی جائے۔

باب دوم۔ ہم بابر در ادبیات فارسی: نو لیسندہ حاضر نے بابر بادشاہ کے منتشر فارسی اشعار کو یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔ اگرچہ وہ ترکی زبان کا ماہر تھا لیکن فارسی زبان و ادب پر قلبی لگاؤ اور رغبت بھی رکھتا تھا۔ لہذا زیر نظر باب میں بابر کے نہ صرف ’تزک بابر‘ بلکہ دیگر فی زمانہ معتبر مآخذ سے فارسی اشعار کو یکجا کیا گیا ہے تاکہ اس کی فارسی دانی کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

اس کے ماسوا ’تزک بابر‘ پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ہے اگرچہ یہ ترکی زبان کی زندہ جاوید شاہکار ہے لیکن فارسی ادب میں ایک اہم ترین مآخذ کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ آج دنیا سے ادب فارسی میں اس کی اہمیت و قدر و قیمت اپنی جگہ مسلم ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاتا ہے کہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔

باب سوم: نظری بروصنیت سیاسی و اجتماعی ہند در عہد مہالیوں: مہالیوں بادشاہ کی تمام زندگی سیاسی کشمکش بھائیوں کے مکر اور امراء کے نفاق کی نذر ہوئی۔ چنانچہ اسی کس پرسی اور بیناری کی حالت میں در بدر

کھوکریں کھانا پڑیں وغیرہ ان تمام تفصیلی حالات کا زیر نظر باب میں جائزہ لیا گیا ہے تاکہ اس کی تمام زندگی کے واضح نقوش سا۔ منہ آجائیں اور ہم اس علم دوست بادشاہ کی افتاد طبع سے واقف ہو جائیں۔

باب چہارم : سہم ہمایوں در ادبیات فارسی۔ شعرا و ادب سے ہمایوں کی دلچسپی کا یہ حال تھا کہ وہ خواہ میدان رزم میں ہو یا محفل بزم میں اکثر فرصت کے اوقات میں وہ نہ صرف علماء کی صحبت پسند کرتا اور علمی بحث و مباحثہ کرتا بلکہ خود شعر بھی کہتا تھا۔ اس کا شعری مجموعہ دیوان کی شکل میں کتابخانہ خدابخش پٹنہ میں محفوظ ہے۔ جس کا نگارندہ حاضر نے جاکر بہ نظر خود مطالعہ کیا بلکہ مسئلہ ان کتابخانہ کے توسط سے مائیکروفلم بھی حاصل کی۔ ہمایوں کے اس دیوان کے نسخہ کا پہلا اور آخری صفحہ زیر نظر باب میں صفحہ نمبر ۹۵۹ پر ثبت کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عادی حسن (سابق رئیس بخش فارسی علیگر ٹھ مسلم یونیورسٹی علیگر) نے بڑی جانفشانی کے ساتھ اس دیوان کو ترتیب دیا ہے۔ یہ دیوان ۱۶ غزلیات، ۶۰ رباعیات اور ۷ فرد پر مشتمل ہے۔ زیر بحث باب میں ہمایوں بادشاہ کے دونوں دیوان نسخہ قلمی اور نسخہ مطبوعہ سے غزلیات کا مقابلہ و مقالہ کیا گیا ہے۔ یادہ کون سے زائد اشعار ہیں جو مرتب شدہ دیوان میں موجود ہیں۔ اس بات کی طرف بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ دیوان کے ماسوا دیگر معتبر ماخذ میں ہمایوں کے کلام کے نمونے موجود ہیں۔ علاوہ ازیں کلام ہمایوں کی تاریخی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب پنجم : ادبا و شعرا کی ہندو عہدہاں ہمایوں۔ یہ باب دو فصول پر مشتمل ہے جس میں بابر و ہمایوں کے عہد کے ادبا و شعرا کو مورد بحث قرار دیا ہے جو اس مخصوص زمانے یا ان دونوں علم پر و بادشاہوں کے دربار سے براہ راست یا بالواسطہ منسلک رہے ہیں اور کافی شہرت کے حامل رہے ہیں۔

ادب کے ذیل میں نگارندہ نے ان صاحبان قلم کو شامل کیا ہے جن کی تصنیفات و تالیفات باقاعدہ طور پر وجود میں آئیں جن سے بعد کے محققین نے استفادہ کیا ہے۔ گلبند بیگم، بایزید بیات جو ہر آفتاب کی وغیرہ ایسی شخصیات ہیں جن کی باضابطہ تحریر تو اکبر کے حکم سے صفحہ کاغذ پر نکھری ہیں۔ لیکن ان حضرات کا براہ راست تعلق ہمایوں سے رہا چنانچہ ان کے ذریعے دی ہوئی تمام تر اطلاعات و معلومات قریب تر زمانہ اور ذاتی مشاہدے پر مبنی ہونے کی بنا پر مقالہ حاضر میں شمولیت دی گئی ہے۔

شعرا کے ذیل میں ان اہل فکر حضرات کا انتخاب کیا گیا ہے جنہوں نے مستقل یا غیر مستقل طور پر ان دو مخصوص درباروں یا زمانے میں بہترینائی کی ہے۔

اس باب میں الف بانی ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے ادبا اور شعرا کے نام سپرد قلم کئے گئے ہیں۔ ان تمام اہل علم و شعر کے احوال و افعال و دیگر علمی کارناموں کو ترتیب دیتے وقت تاریخی کتابوں تذکروں اور معتبر مآخذ کے حوالے سے مقالہ حاضر کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے۔

تحقیق کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے بڑی لگن و محنت کے ساتھ حتی المقدور کاوش کی ہے کہ موضوع سے متعلق تمام اہم مطالب پر روشنی ڈالی جائے تاکہ کوئی بھی اہم پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اس سعی حقیر میں نویسنده نے کہاں تک کامیابی حاصل کی اس کا فیصلہ لائق احترام محققین و استاد محترم فرمائیں گے بلکہ میری حوصلہ افزائی بھی فرمائیں گے۔ جتنے امید ہے کہ میری یہ کاوش لائق پذیرائی ہوگی۔

اس مقالے کی تکمیل میں میری نگراں پروفیسر آزر میدحت صفوی صاحبہ (سابقہ رئیس بخش فارسی علیگرہ مسلم یونیورسٹی علیگرہ) کا ہمیشہ تعاون رہا ہے آپ کی ہمداری و رہنمائی کے بغیر مقالہ کی تکمیل ناممکن تھی۔ آپ نے اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود اپنے قیمتی اوقات تجھ کو عنایت فرمائے ہر ہر قدم پر نہ صرف میری حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ ہمیشہ دست شفقت میرے سر پر رکھا۔ میں صمیم دل سے آپ کی بہت مشکور و ممنون ہوں اور گھہانے تشکر آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔

بخش فارسی کے دیگر اساتذہ اکرام کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے مقالے کی تکمیل کے دوران میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اپنے لائق احترام و شفیق والدین کی خدمت میں عقیدت و خلوص کے موقی پچھاؤر کرتی ہوں کہ ان کی پر خلوص دعاؤں بے لوث پیار و بے پایاں شفقتوں کی بدولت آج دکترا کی سند کی مستحق ہونے جا رہی ہوں اس کے ساتھ ہی اپنے عزیز بھائیوں بہنوں، بھابھیوں، اور دوستوں کی بھی ممنون ہوں جن کا ہمیشہ تعاون بخوبی حاصل رہا۔ کتابخانہ آزاد، کتابخانہ خدا بخش پٹنہ، کتابخانہ رضا رامپور اور بخش تارتخ (علیگرہ) مسلم یونیورسٹی علیگرہ کے ان تمام اراکین کی شکر گزار ہوں جنہوں نے مواد کی گر دآوری میں پورا

خ

تعاون دیا اس کے علاوہ مسؤلان کتابخانہ بخش فارسی شمشاد علی اور اصباح خان کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے
ساختہ کی فراہمی میں ہمیشہ پوری مدد کی۔ اس کے ساتھ ہی بخش فارسی کے دیگر اراکین کی بھی شکر گزار
ہوں جن کا ہمہ وقت تعاون ساتھ رہا۔ کاتب زرینہ اسلم صاحبہ کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے مقالے کی کتابت
کر کے اتنا اہتمام پر پہنچایا۔

رغنا خورشید
(سنا خورشید)
بخش فارسی
دانشگاه اسلامی علیگرہ
علیگرہ

اَوَّل

نظری بہر و صیغہ سیاسی و اجتماعی ہند در عہد
بابر

گزشتہ زمانہ وقت کے ساتھ ساتھ ادب کے تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ اور تجزیے کی جہات میں بھی تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ ماضی میں ائمہ و محققین کے مواہد اور پیمانے مختلف پہلوؤں پر مبنی تھے۔ محقق اور نقاد کی مسؤلیت فی الجملہ محدود اور سادہ تھی۔ جیسے جیسے ادب کے مطالعہ کی وسعت بڑھتی گئی، ذہن انسانی کی کنجکاوی اور بصیرت میں اضافہ ہوتا گیا۔ مغربی نقد و تحقیق کے نئے زاویے مشرقی صاحبانِ خرد کی نظروں سے گذرتے گئے ویسے ویسے نثر و نظم پر نقد و تبصرہ کرنے کے لئے تازہ میدان اور نئی راہیں آتی گئیں۔ ادب پر تنقید کرنے کے زاویوں میں ایک نہایت اہم پہلو یہ سامنے آیا کہ ادب کا کوئی دور ہو یا کوئی شخصیت اس کے تخلیق کردہ ادب پاروں کا تجزیہ صرف اسی وقت تک مکمل اور دقیق ہو سکتا ہے، جب نقد و کرنے والا خالص ادبی پہلو کے علاوہ سیاسی فزہنگی اور تاریخی عوامل و عناصر کو بھی نظر انداز کرے یہ وہ عوامل و عناصر ہیں جن کا اثر مستقیم یا غیر مستقیم طور پر اس مخصوص شخصیت پر ضرور مترتب ہوتا ہے۔ ذہن انسانی اپنے گرد و پیش ہونے والے واقعات سے شعوری اور غیر شعوری طور پر اثر قبول کرتا ہے۔ ادیب اور شاعر اس اثر کو اپنے تخلیق کردہ نثر و نظم کے وسیلے سے ظاہر کرتا ہے، پس لازم ہوا کہ کسی بھی ادیب یا شخصیت کا مکمل تنقیدی جائزہ لینے سے قبل ان احوال اور اوضاع کا جائزہ لیا جائے جن کے نتیجے میں اس دور کا ادب وجود میں آیا۔ اور جن کا اثر قبول کر کے اس مخصوص شخصیت ادیب، شاعر یا ادیب پرورش شخص نے شعروادب کو فروغ دیا۔

اس بات کو نظر میں رکھتے ہوئے نگارندہ حاضر نے مناسب خیال کیا کہ بابر کی ادب نوا اور ادب

پرورشِ شخصیت پر جائزہ لینے سے پیشتر اس کی سوانح اور ان تاریخی، سیاسی اور فرہنگی احوال پر ایک نظر ڈالیں، جنہوں نے اس الوالوغرم شاہنشاہ کے مزاج اور شخصیت پر اثر ڈالا اور جن کے نتیجے میں ہندوستان میں ایک مخصوص دور شعر و ادب کا آغاز ہوا، یہ اوضاع و احوال اس سبب سے بھی مزید حائز اہمیت ہیں کہ ان میں سے اکثر کا ذکر خود بابر نے اپنی تزک میں کیا۔

بی بی مارلس لکھتا ہے:

”بابر نے ہندوستان کا ایک بہت بڑا حصہ فتح کر لیا تھا، لیکن اس قلیل عرصہ میں جو فتح ہندوستان سے اس کی موت تک گزرا، اس کو بہت ہی کم مواقع ملے کہ جس میں مدیر سلطنت کے عباے گرامی کو زیب و زینت بخشا اور ان میں اپنی انتظامی ایقت کا اظہار کرتا۔۔۔۔۔ وہ ایک بے نظیر لیاقت کا آدمی تھا اس کی تمام زندگی لڑائی جھگڑوں میں گزری تھی اس لئے وہ الوالوغرم اور جانباز تھا۔۔۔۔۔ جو دت طبع اور دانش مندی کے لحاظ سے اپنے معاصرین اور ہم عہدہ لوگوں سے نام آوری میں بازی لے گیا تھا۔“

بابرؒ میں فرغانہ میں پیدا ہوا۔ فرشتہ لکھتا ہے

”درسنہ شمان و شمانین و شما نماۃ از دختر یونس خان مذکور قتل نگار

خانم فرزندی بوجو دآمد موسوم بہ محمد بابر مرزا گردید“

ماثر رحمی میں لکھا ہے:

”ولادت آنحضرت در شہنم محرم ہشمد و ہشتاد و ہشت از بطن

لف نظام اکبری۔ بی بی مارلس۔ ۳۴۔ وشمسیہ حیدر آباد دکن بہ

۲۷ تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ہند شاہ۔ ص ۱۹۱۔ جلد اول۔ بمبئی ۱۸۳۳ء

۳۷ ماثر رحمی۔ عبدالباقی نہاوندی ص ۲۸۸۔ جلد اول۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۹۲۴ء (اگلے صفحہ پر)

مقدس قلق بنگار خانم وقوع یافت“

جامی قراکوی نے اس کی تاریخ کہی ہے۔

اندر شش محرم زاد آں شہ مسکرم

تاریخ مولدش مہم آمدہ شش محرم

پدر بابر عمر شیخ مرزا فرغانہ کے عادل اور منصف حکمراں تھے، بڑے دیندار، خوش مزاج اور حنفی مسلک کے ماننے والے تھے۔ پانچوں وقت کی نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کرتے تھے۔ خمسہ نظامی اور شاہنامہ فردوسی ان کے مطالعے میں رہتی تھیں۔ چنانچہ ہی علمی شوق بابر کو دراشت میں ملا تھا۔ وہ باپ کی طرف سے امیر تیمور اور ماں کی طرف سے چنگیزی تھا۔

بابر لکھتا ہے کہ: لہ

”اولادش سے سپرو پنج دختر کلانترین پسرانش من ظہیر الدین بابر بودم“

سید علی رضا شجرۂ بابر اس طرح بیان کرتا ہے:

”نسب بابر شاہ (۹۳۲-۹۳۷) از طرف پدر امیر تیمور و از طرف مادر بہ چنگیزی خاں میرسد و بنا بر این وی اصلاً ترک بودہ نہ مغول، اما بعض تاریخ نویسان اور اشتباہاً مغول نوشتہ اند“

۱۰۰) پر ”اندر کی جگہ“ چون در شش محرم زاد آں شہ مکرم لکھا ہے۔ بلا یونی کی منتخب التواریخ جلد اول ص (۳۴۱) پر مذکورہ شعرا اس طرح تحریر ہے۔

چون در شش محرم آمد شہ مکرم

تاریخ سال او مہم آمد شش محرم

۱۱) تذکر بابر ہی موسوم بابر نامہ۔ مترجم بیرم خان خاناں۔ ص ۶

۱۲) تذکر نویسی در ہند پاک۔ دکتر سید علی رضا۔ ص ۸۵۔ تہذیب۔ ۱۹۶۰ء

عبدالغنی بابر کا شجرہ نسب اس طرح بتاتا ہے۔^۱

تیمور

مرزا شاہ ۱۴۰۵-۱۳۶۱

محمد مرزا

ابوسعید

محمد احمد محمد محمد عمر شیخ مراد ولید ان بیگ ابوبکر خلیل شاہ رخ

بابر

ناصر جہاگیر

ہمایوں

ہندال عسکری کامران

محمد کلیم اکبر

۸۹۹ھ میں عمر شیخ مرزا نے وفات پائی اس وقت بابر کی عمر بارہ سال کی تھی۔ چنانچہ خرد سالگی میں ہی بابر

نے اندجان کی (جو فرغانہ کی راجدھانی ہے) باگ ڈور سنبھالی، اور اراکین سلطنت کے مشورے سے ظہیر الدین محمد

کے لقب سے فرغانہ کے تحت پر جلوہ افروز ہوا۔

بابر نامہ میں لکھتا ہے:^۲

”سنہ ہشتصد و نود و نہ در ولایت فرغانہ بسن دوازده سالگی بادشاہ شد۔“

۱۔ ایسٹری آف پرشین لیکوئیک اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ بلداؤل (بابر) ص ۳، الم آباد ۱۹۲۹ء

۲۔ بابر نامہ۔ ص ۲۔

دیگر مورخین نے بھی بابر بادشاہ کی تخت نشینی کی بابت اپنی آراء پیش کی ہیں۔
گلبند بیگم لکھتی ہیں:

”تاریخ پنجم شہر رمضان المبارک سنہ ہند و نہ درخطہ دلکشانی اندجان
کہ پائے تخت ولایت فرغانہ است خطبہ خواندہ“

امین احمد رازی کا کہنا ہے کہ

”درد وازدہ سالگی روز سہ شنبہ پنجم رمضان ہشتصد و نود و نہ درخطہ

دلکشانی اندجان آنجناب درد وازدہ سالگی بولایت فرغانہ بادشاہ شد“

مندرجہ بالا حوالہ جات کے علاوہ عبدالغنی نے ہسٹری آف پرشین لینگویج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ اور
ولیم ارسلن ”سیموریزاف ظہیر الدین بابر“ میں اور خور بابر کی تزک کی روشنی میں بالفاظ دیگر مختلف و معتبر حوالوں
سے تاریخ جلوس تخت شاہی بابر ۹۹۵ھ مانی جاتی ہے۔ مگر گلبند بیگم کسی شبہ کی بنا پر ۹۰۹ھ تحریر کرتی ہیں۔
الغرض تخت نشین ہونے کے بعد بابر کو باہمی لڑائیوں اور آویزشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سلطان احمد مرزا جو

بابر بادشاہ کا چچا تھا اس نے خجند اور فرغانہ پر قبضہ کر لیا۔ لہذا بابر نے خواجہ حسین کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ خود اندجان
پر حکمرانی نہ کرے بلکہ میرے پاس رہنے دیں میں ساری زندگی اطاعت کروں گا، اس نے قبول کرنا بھی چاہا مگر اس کے
اراکین سلطنت نے مخالفت کی۔ مگر وہ کچھ دن بعد سمرقند کے راستے میں جان بحق ہو گیا۔ بابر فرغانہ آیا اور پھر یکے بعد دیگرے
قلعہ ایشرہ، قلعہ خجند اور شاہرخیہ پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف سمرقند میں بالستغمر مرزا حاکم ہو گیا ۹۰۳ھ میں بابر نے سمرقند پر حملہ کیا اور بغیر لڑائی کے
سمرقند پر قابض ہو گیا۔

۱۰ ہالیون نامہ۔ گلبند بیگم۔ ص ۳۔ الہ آباد۔ ۱۹۲۹ء

۱۱ ہفت آئین۔ امین احمد رازی۔ ص ۵۶۴۔ ایشیاک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۶۳ء

وہ خود لکھتا ہے کہ ۱۷

”در اواخر ماہ ربیع الاول بمنایت الہی شہر ولایت سمرقند میسر و مسخر شد“

فرشتہ لکھتا ہے کہ ۱۸

”در اواخر ماہ ربیع الاول سنہ ثلث و تسعاۃ ہر تحت سمرقند جلوس نمودہ“

اس فتح کے بعد اس نے رفقار اور اراکین سلطنت کو انعامات و اکرامات سے نوازا۔ سمرقند سے اندجان کی طرف روانہ ہوا لیکن راستے میں معلوم کہ علی دوست طغائی اور مولانا قاضی نے ملک دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے اور دشمنوں نے ان دونوں کو قتل کر کے جہانگیر میرزا کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا ہے۔ یہ سن کر بابر بادشاہ خجند واپس چلا آیا اور فوج میں اضافہ کر کے ۹۰۰ میں دوبارہ سمرقند اور اندجان کے لئے ارادہ کیا ہے۔ چنانچہ خود اس کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ:

”سنہ ہند و چہار سمرقند و اند و جان مکر مستوجہ شد“

بابر بادشاہ نے امیر قاسم قوجین اندجان بھیجا۔ تاکہ عوام کو بادشاہ کے حالات سے باخبر کر دے اور رعایا بادشاہ کی مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔ چنانچہ اسی طرح ہی ہوا۔ بابر نے اندجان میں داخل ہو کر تمام اراکین و امراء کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے بعد فرغانہ آیا اور پھر فرغانہ سے اُخسی آیا وہاں قاسم قوجین کو دروغہ بنا کر اندجان واپس آگیا۔

جہانگیر میرزا اور سلطان احمد تبتل جو مغلوں سے ناراض تھے، مل کر اندجان پر حملہ کر دیا۔ بابر بادشاہ نے قاسم قوجین کو دشمنوں سے مقابلے کے لئے بھیجا، ایک زبردست خونریز جنگ کے بعد قاسم قوجین کو شکست کا

۱۷ تذکر بابری۔ موسوم بابرنامہ۔ ص ۲۹

۱۸ تاریخ فرشتہ۔ جلد اول۔ ص ۱۹۳

۱۹ تذکر بابری۔ موسوم بابرنامہ ص ۳۸

سامنا کرنا پڑا۔

۹۰۵ھ میں بابر بادشاہ نے اوش پر حملہ کیا دشمن مقابلے کی تاب نہ لا کر اندجان کی طرف چلے گئے۔ دوسری طرف فوج نے ترقی کر کے ایک مستحکم قلعہ پر حملہ کیا، اس قلعہ کے حکمران سلطان احمد کے بھائی نے اپنی تمام تر قوت کا اظہار کیا مگر ناکام رہا، آخر کار امان طلب کرنا پڑی اور قلعہ بابر کے حوالے کر دیا۔ اسی اثناء سلطان احمد تنبل اندجان کے ارد گرد بیچھا مگر رعایا نے اندجان میں داخل ہونے سے اس کو باز رکھا چنانچہ دونوں مخالفین ندی کے کنارے خمیہ زن ہوئے۔ جنگ ہوئی اور بابر کو فتح نصیب ہوئی۔

اس کے بعد بابر بادشاہ دوبارہ سمرقند کی طرف متوجہ ہوا حالانکہ اس دوران اس کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ راستے میں بہت سے اونٹ گھوڑے مر گئے۔ چنانچہ اراکین سلطنت کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ سمرقند کی رعایا کو خفیہ طور پر داخل ہو کر اپنا دوست بنالیا جائے۔ اسی خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے راتوں رات سمرقند پر حملہ کر دیا۔ تمام امراء و اراکین سلطنت بابر بادشاہ کی خدمت اطاعت و فرما برداری بجالائے اور مبارک باد پیش کی۔

بابر ۹۰۶ھ میں سمرقند سے اندجان ہوتا ہوا تاشقند آیا۔ سلطان محمود بن یونس خاں نے آراپتہ کا شہر بابر بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ وہ زمانہ تھا جب وہ بہت پریشانی کے عالم میں تھا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ ”دریں مدت کہ در تاشقند بودم خیلی فلاسی و خواری کشیدہ شد و لایق بی امیداری و لایق تو کر اکثر پریشانی شدہ معدود چند کہ ماندہ بودند از فلاسی ہمراہ من نمیتواند گشت“

سلطان محمود اور اس کا بھائی احمد خاں دونوں بابر بادشاہ کی مدد کے لئے آئے۔ چنانچہ ان امراء کی مدد سے فرغانہ اور اوش پر بابر کا قبضہ ہو گیا۔ وہاں سے فتح حاصل کرنے کے بعد وہ اندجان کی طرف روانہ ہوا۔ راستے

میں سلطان احمد سے مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں بابر کو شکست ہوئی لہذا وہ اوش کی جانب لوٹ گیا۔
 کچھ عرصہ بعد اُخسی کے حکمرانوں نے وہاں کی حکومت بابر بادشاہ کے سپرد کر دی۔ اسی دوران شیبانی خاں
 اُخسی کی طرف بابر بادشاہ سے مقابلے کے لئے بڑھا مگر بابر کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔
 ۹۱۲ء میں بابر بادشاہ امراء کے مشورے سے کابل فتح کرنے کے ارادے سے چل پڑا۔ جب کابل کے
 قریب پہنچا کچھ لوگ مقابلے کے لئے آئے لیکن بھاگ نکلے، بابر کی اطاعت قبول کر لی اور قلعہ اس کے حوالے کر دیا
 اس طرح بہت آسانی کے ساتھ کابل پر بابر بادشاہ کا قبضہ ہو گیا۔
 وہ لکھتا ہے کہ

”در آواخر ماہ ربیع الاخر اللہ تعالیٰ بفضل و کرم خود کابل غزنی و ملک
 ولایت اور انجک و جدل میسر و مستخر کرد۔“

۹۱۳ء میں بابر بادشاہ خلیج افغانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ کافی مال و متاع ہاتھ آیا۔ دوسری
 جانب ازبکوں کی وجہ سے ارغون امراء کافی پریشان تھے، انھوں نے بابر بادشاہ سے مدد چاہی کہ اگر آپ
 ہماری مدد کریں گے تو ارغون اور قندھار آپ کے سپرد کر دیں گے۔ بادشاہ نے ان کی عرضی قبول کر لی۔ چنانچہ
 قندھار کے قریب جنگ ہوئی اور قلعہ قندھار بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا۔ بہت سے ہیرے جواہرات اور مال و
 متاع مال غنیمت سے ہاتھ آیا۔ ان تمام اسباب کو امراء میں تقسیم کر کے قندھار اپنے بھائی ناصر مرزا کے سپرد کر کے
 کامیاب و فتح مند کابل واپس آ گیا۔

شیبانی خاں کی سرکشی و طاقت بڑھتی جا رہی تھی کچھ امراء سلطنت کے مشورے سے طے پایا اس کے مقابلے
 سے بچنے کے لئے بدخشاں کو فتح کر کے وہیں سکونت اختیار کر لی جائے اور بعض کا مشورہ یہ تھا ہندوستان کو تسخیر
 کیا جائے۔ لہذا بابر بادشاہ نے ہندوستان کی طرف رجوع کرنے کی صلاح پر اتفاق کیا۔

بابر بادشاہ نے ہندوستان کی طرف رخ کیا مگر راستے میں کچھ ایسے حالات رونما ہوئے کہ بادشاہ کو توران سنگھار (قندھار کے راستے میں ہے) قیام کرنا پڑا۔ بے سرو سامانی کی وجہ سے کابل واپس چلا آیا۔ ادھر ناصر مرزا قندھار دشمنوں کے ہاتھ میں دے کر اپنے بھائی کے پاس واپس چلا آیا۔ چنانچہ قلعہ قندھار پر دوبارہ دشمنوں کا قبضہ ہو گیا۔

۹۱۳ء میں ہمایوں پیدا ہوا ”شاہ فیروز بخت“ ولادت کا مصرعہ ہے۔ اسی سن میں بابر نے مہندی افغانوں پر حملہ کیا۔ اگرچہ اس کی فوج کی تعداد پانچ سو پینچھتر تھی مگر بہت جلد کابل پہنچ کر مقابلے کے لئے اکھڑا ہوا اور اپنی شجاعت و بہادری کا پورا ثبوت دیا۔

دوسری جانب شیبانی خان نے اپنی حکومت کو اتنا وسیع کر لیا تھا کہ اس کی سلطنت اور شاہ اسماعیل صفوی کی حکومت کے ڈانڈے آپس میں ملنے لگے ازبکوں نے افراتفری اور لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ شیبانی خان اور شاہ ایران کے مابین جنگ ہوئی اس جنگ میں شیبانی خاں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے بعد شیبانی خاں حصار کی طرف رونا ہوا۔ ازبکوں نے حصار کو بہت زیادہ مضبوط و مستحکم کر رکھا تھا۔ بابر بادشاہ نے شاہ ایران سے مدد چاہی اور ایک فوج جمع کر کے ازبکوں پر حملہ کر دیا اور ان کو شکست دی۔ اسی دوران ہندوستان میں سکندر لودھی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودھی برسر حکومت تھا۔ لودھی امراء جو صاحب اقتدار ہو گئے تھے اس کی فرامرداری سے دست بردار ہو گئے۔ جس کی وجہ سے کارہائے سلطنت میں بڑا انتشار اور بد نظمی پیدا ہو گئی تھی۔ لہذا بابر بادشاہ نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا چنانچہ خود تحریر کرتا ہے کہ

”در تاریخ سنہ نہصد و دہ کہ ولایت کابل مسخر شد از آن تاریخ

تاحال ہمیشہ ہوس ہندوستان کردد شد کا ہی ازہمتہ سست رای امراء

کا ہی ازہمتای برادران یورش ہندوستان میسر و مالک او مسخر و میشد

آخر انچین موانع نماںد از خرد و ریزہ امرا کہ بیچکس خلاف مقصود سخن نتوانست
 کہ در تاریخ ہند و پست و پنج لشکر کشیدہ قلعہ بجور را در دوسہ کھڑی بزور
 گرفتہ مردم اورا قتل عام کردہ بہرہ آیدیم تالان و تاراج نمودہ بہرہ
 بہرہ مال امان انداختہ نقد و جنس چہار لک شاہرخ گرفتہ بہرہ لشکر بعد و
 تو قسمت نمودہ بکابل مراجعت کردہ شد از آن تاریخ تا تاریخ ہند و سی
 و دو ہندوستان بعد ہفت ہشت سال پنج نویت ہندوستان لشکر کشیدیم
 در نویت پنجم اللہ تعالیٰ بفضل و کرم خود مثل سلطان ابراہیم غنی را مقہور
 اترکہ دہل مثل ہندوستان را بمائیسر کر دہ

دیگر مورخین بھی اس سلسلے میں اپنی آراء پیش کرتے ہیں کہ بابر بادشاہ نے ہندوستان پر چار حملے کئے لیکن پانچویں
 بار اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور دہلی کا شہنشاہ کھلایا۔
 عبدالباقی نہاوندی کا بیان ہے

”چہار لویت تسخیر ہندوستان متوجہ شدہ اندو بہت منسوخ و داعی
 مراجعت فرمودہ اند بار اول در ہندو دہ از راہ بادام چشمہ و چکدلیک
 از خیر گدشتہ... بار دوم موکب معلیٰ در راہ جامدی الاول ہند و سیزدہ
 از راہ کابل متوجہ فتح ہندوستان شد... مرتبہ سہ سیوم روز دوشنبہ
 غزہ محرم ہند و بیست و پنج کہ بجانب بجور متوجہ بودند... از فتح
 دیباپور معلوم میشود کہ در ہند و سی بودہ است... تا انکہ مرتبہ پنجم
 بسپہ سالاری اقبال از لی روز جمعہ غرہ صفر ہند و سی و دریای غرمت

در رکاب توکل در آورده متوجہ ہندوستان شدند۔“

سبحان رائے بٹالوی لکھتے ہیں کہ

” پنج مرتبہ از کابل یورش فرمودند مرتبہ اول در ۹۱۲ھ تا ۹۱۳ھ از نوبل

ملتان مرتبہ دوم در ۹۱۳ھ براہ خور د کابل تا نواحی بندر اول عرف

لمنعان مرتبہ سویم در ۹۲۵ھ بہرہ پنجاب مرتبہ چہارم در ۹۳۰ھ تالاہور

و دیالپور مرتبہ پنجم در ۹۳۳ھ۔“

ابراہیم لودھی نے ظلم و ستم اور غضب ناک سلوک کی وجہ سے تمام اراکین سلطنت و امراء وغیرہ جو پشتوں سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے چلے آ رہے تھے۔ اب اس کی حد سے گزری ہوئی زیادتیوں اور بدسلوکی کو برداشت نہ کر سکے پریشان ہو کر ایک امیر دولت خاں نے اپنے بیٹے دلاور خاں کو بابر بادشاہ کے پاس پیغام لے کر بھیجا کہ مدد چاہی اور ہندوستان پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ بابر جو ایک عرصہ سے ہندوستان کی فتح و تسخیر کا خواب دیکھ رہا تھا حقیقت ہوتے نظر آیا۔ اس نے یہ عرضداشت قبول کر لی جس کی تفصیل کے لئے ذیل میں حوالے پیش کئے جاتے ہیں :

احمدیادگار بیان کرتے ہیں

” آخر قرار ہران افتاد کہ رجوع بطرف گیتی ستانی نماید۔ دلاور خاں رازد

بابر بادشاہ فرستاد تا آنجا رفتہ از مراج بہ سلطان و اختلاف امراء و

نفرت سپاہ بتفصیل حضرت شاہ بابر میرزا عرض نماید و آمدن آن حضرت

ہندوستان نیز بعض رسانند..... رفتہ روی نیاز بر زمین نہاد و احوال

خوابی ہندوستان کیکیک عرض رسانید..... جہشی عظیم ساختند.....

لہ خلاصۃ التواریخ۔ ص ۲۸۵-۲۸۴۔ جی اینڈ سنس دہلی ۱۹۱۸ء

۱۰۰۰ء تاریخ شاہی۔ احمدیادگار۔ ص ۹۱-۸۸ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۳۸ء

چون افغانان را نظر بدان حشمت و صولت مغلی اقتاد حیرت زده ماندند
 آخر شب بعد دو گانه بدرگاہ ممیین کار ساز دست نیاز بر آورد کہ
 آہا کار سازا اگر حکومت ہندوستان نصیب من و آل من شدنی است
 نہ از ہندوستان برگ تنبول وانبہ سوغات دولتخان بیاید
 دلاور خان بعرض رسانید کہ احمد خان فرستادہ دولت خان حاضر است
 چون بحضور رسید۔ ان سوغات بنظر در آمد۔ شاہ بابر از تحت پر خاستہ
 روی نیاز بدرگاہ بی نیاز بر خاک مالید و ارا یقین شد کہ حق سبحانہ تعالیٰ
 سلطنت ہند کرامت نمودہ تادیری بر آل من برقرار خواہد ماند۔“

طبقات اکبری کے مورخ نظام الدین نجفی کا کہنا ہے کہ

”دولتخان وغازی خان و دیگر امرا کبار سلطان ابراہیم اتفاق نمودہ،
 عرضداشت مشتملبر التماس تشریف قدوم نصرت لزوم حضرت فردوس
 مکانی بہند، مصحوب عالم خان لودھی برستادند، حضرت فردوسی مکانی
 جمعی امرا نامدار، باتفاق عالم خان تعیین فرمودند حضرت فردوس
 مکانی بعنایت ازلی، وصدایت لم یزلی، از دارالامان کابل مارم گشتہ“
 سبجان رائے بٹالوی بھی خلاصۃ التواریخ میں اس طرح اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:
 ”چون از بدسلوکی و بیدادی سلطان ابراہیم اکثر امرا برگشت واکثاف
 بلاد فتنہ و فساد برخاست و دو ہر طرف نوکران سلطان یعنی ورزیدہ
 دولت خان وغازی خان از لاہور عرضداشت مشتملبر استدعائے تشریف

۱۔ طبقات اکبری۔ نظام الدین احمد نجفی۔ ص ۱۔ جلد دوم۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

۲۔ خلاصۃ التواریخ۔ سبجان رائے بٹالوی۔ ص (۸۵-۲۸۴) جی اینڈ سنس دہلی ۱۹۱۸ء

آوروں بخدمت حضرت بادشاہ نوشتہ.... آنحضرت نیز بدولت و اقبال
 نہمت فرمودہ مانند خورشید از برنجی بہ برنجی و ہنچو کو اکب از مرکانی بمکانی
 قطع منازل نمودہ برکنار آب سندھ رسیدہ۔“

۹۳ء میں بابر چوتھی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا دار السلطنت سے چل کر کھمروں سے ہوتا ہوا لاہور سے چھ
 کوس کی دوری پر اپنے خیمے نصب کئے۔ نیاز خاں، مبارک خاں لودھی بھکن خاں لوحانی جو پنجاب کے امرا
 سے انھوں نے بابر بادشاہ سے ڈٹ کر مقابلہ زبردست معرکہ آرائی کے بعد پنجاب کے امرا نے شکست کھائی
 اور بابر بادشاہ نہایت شاداں و فرحان لاہور میں داخل ہو گیا۔ تین چار دن ٹھہر کر دیبا پور کی طرف چلا، بادشاہ
 نے اس پر بھی تصرف حاصل کر لیا۔ دولت خان لودھی جو بلوچیوں کے پاس پناہ گزیں تھا ابراہیم لودھی باغی ہو گیا
 تھا وہ اپنے بیٹوں علی خاں، غازی خاں اور دلاور خاں کے ساتھ بابر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دولت خان
 کو سلطان پور اور جالندھر کے پرگنوں کا صوبہ دار بنادیا گیا۔ اور اس طرح وہ حلقہ بابر میں داخل ہو گیا۔
 فرشتہ کا کہنا ہے کہ ایک دن دولت خان نے بابر بادشاہ سے کہا کہ اسماعیل جلوائی اور بٹن جلوائی وغیرہ
 دوسرے افغانوں کے ساتھ ہو کر بغاوت اور سرکشی کے لئے آمادہ ہیں۔ لہذا مناسب ہے کہ تھوڑی سی سپاہ
 بھیج کر ان لوگوں کو تباہ کر دیا جائے۔ ابھی بادشاہ اس فوج کو بھیجنے ہی والا تھا کہ دولت خان کے چھوٹے بیٹے
 دلاور خاں بابر کو بتایا کہ اس کا باپ اور بھائی دونوں مل کر بادشاہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ اور
 چاہتے ہیں کہ جب فوجی سپاہ بادشاہ سے دور ہو جائے تب بادشاہ کو بے دست و پیافا کر حملہ کر دیں۔
 بادشاہ نے اس واقعہ کی چھان بین کی تو خبر صحیح نکلی تب بابر بادشاہ نے دونوں باپ بیٹے کو قید
 میں ڈال دیا۔ اور خود دریائے ستلج پار کر کے نوشیہرہ بھیجا اور وہیں ٹھہر گیا۔ کچھ دنوں بعد دونوں قیدیوں
 کی تفسیر کو معاف کر دیا۔ سلطان پور جسے دولت خان نے آباد کیا تھا دولت خان کی جاگیر میں دے دیا۔
 اس کے بعد دونوں قیدی آزاد ہو کر سلطان پور چلے گئے۔ دلاور خاں کو خانخانان کا لقب دے کر غازی خان
 اور دولت خان کی جاگیریں اس کو دے دیں۔

بابر بادشاہ کو پھر نشہ حکومت اور تسخیر ہند کا شوق پیدا ہوا۔ لہذا سن ۹۳۳ھ میں کابل سے چل کر قریہ یعقوب میں قیام کیا۔ شہزادہ ہمایوں بھی بدخشاں سے باپ کی مدد کے لئے لشکر کے ساتھ آیا۔ اس کے علاوہ خواجہ کلاں بیگ جو بابر کے مقربین خاص میں سے تھا اعلیٰ پایہ کا امیر تھا وہ بھی غزنین سے آکر شاہی فوج کے ساتھ مل گیا ان سب کی آمد پر بابر بادشاہ نے ایک جشن منعقد کیا۔

سن ۹۳۴ھ میں ربیع الاول کو وہ تقریباً دس ہزار فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو پار کر کے سیالکوٹ پہنچا۔ سلطان علاء الدین بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ دولت خان اور غازی خان جو اپنے آپ کو ابراہیم لودی کا طرفدار اور بھی خواہ کتے تھے وہ سب تقریباً چالیس ہزار جماعت کے ساتھ لاہور کے پاس دریائے راوی کے ساحل پر صف آرا ہوئے اور جب دولت خان اور غازی خان کو بابر کی آمد کی اطلاع ملی تو بغیر کسی لڑائی کے ادھر ادھر چلے گئے۔ دولت خان اپنے بیٹے علی خان کے ساتھ ملوٹ کے قلعہ میں چھپ گیا۔ بابر نے ملوٹ کو گھیر لیا اب دولت خان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا آخر جان کی امان چاہی اگرچہ قصورنا قابلِ معافی تھے پھر بھی بابر بادشاہ اس کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد بابر کا لشکر افغانوں پر ٹوٹ پڑا۔ بابر بادشاہ کو افغانوں کی عزت کا بڑا پاس تھا لہذا خود سوار ہو کر آیا اور تیر اپنے سپاہیوں پر چلائے جس میں ہمایوں کا ملازم مارا گیا۔ جب سپاہیوں نے لوٹ مار کو بادشاہ کی مرضی کے خلاف پایا تو واپس چلے آئے۔

بابر بادشاہ کو معلوم ہو چکا تھا ابراہیم لودی مقابلے کے لئے اپنی تمام فوج کے ساتھ دھلی سے چل پڑا ہے اس کے لشکر کی تعداد قریب ایک لاکھ تھی اور ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ اس کے برعکس بابر بادشاہ کے ساتھ بارہ ہزار سوار تھے جس میں پانچ ہزار سوار ابراہیم لودی کے پیش دستہ سے مقابلے کے لئے جا چکے تھے۔ ابراہیم لودی اپنے لشکر کو منتظم کر کے پانی پت کی طرف تیزی سے روانہ ہوا۔ ادھر بابر بادشاہ نے بھی اپنی فوج کو ترتیب دیا۔ دونوں فوجیں پانی پت کے میدان میں آرائیں۔ زبردست خونریز جنگ ہوئی کہ زمین پر خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ ابراہیم لودی پانچ چھ ہزار فوجیوں کے ساتھ مارا گیا۔ کافی مال و متاع مالِ غنیمت سے بابر بادشاہ کے ہاتھ آیا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ

”بفضل کرم اللہ یحییٰ کار دشواری را بجا آسا کرد اینچنان لشکر بسیاری را در نیم
نجا یکساں کردہ پنج شش ہزار کس نزدیک ابراہیم در یکجا بقتل رسیدہ بودند
دیگر در ہر جا ہر جا مردہ ہا در این معرکہ پائزہ شانزدہ ہزار کمین کردیم در وقت
آمدن اگرہ از تقریر مردم ہندوستان معلوم شد کہ چہل پنجہ ہزار کس در این
معرکہ مردہ بودند.....

در خود توکل اللہ تعالیٰ رنج و مشقت ضائع نکرد اینچنین غنیمت و بروی مغلوب
کرد مثل ہندوستان مملکت و سعی را مفتوح کرد این دولت را از قوت و زور
خود کنی بنیم و این سعادت را از سعی و ہمت خود نمیدانم بلکہ از تعین عنایت
و کرم الہی است ممالک ہندوستان وسیع و پر مردم پر حاصل واقع شدہ“

منتخب اللباب کا مورخ لکھتا ہے۔ کہ

”جب مقابلہ ہوا تو دونوں طرف سے فوجیں غضب ناک موجوں کی صورت
میں بڑھیں۔ اور جوش و خروش سے صفیں صفوں سے ٹکرائیں۔ ہر طرف سے
ایک شور و غل اور ہنگامہ برپا ہو گیا۔ رہ رہ کر نبرد آزما بہادروں کے نعرے
دل دہلانے لگے..... پس معلوم ہوا تھا روی زمین زلزلہ سے کانپ اٹھے گا
طلوع آفتاب سے نصف النہار تک اس جنگ عظیم میں ہزار ہا آدمیوں کے
سر گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندے گئے۔ اور قتل و جدال کا ہنگامہ اپنے
عروج کو پہنچ گیا۔ آخر کار فتح و ظفر مندی کی ہوا چغتائی لشکر کے پھریوں

کو اڑانے لگی۔ راجہ بکرماجیت اور سلطان ابراہیم پانچ ہزار افغانوں سواروں کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔“

تاریخ شاہی میں لکھا ہے کہ لے

”میانِ ہردو بادشاہ بہ طرف مشرق قصبہ پانی پتہ۔ جنگی غلیم شدہ کہ دیدہ روزگار ندیدہ بود۔ اکثر سپاہ سلطان ابراہیم بقتل رسیدہ و جمعی کہ از سلطان آزرده دل بودند بی جنگ روی گردان شدند..... چون از شہید شدن او خبر پیا دشاہ بابر رسید۔ دلاورخان را فرستاد تا تحقیق نماید۔ او در معرکہ قتال در آمد۔ سلطان ابراہیم را در خاک و خون افتادہ دید..... بابر بادشاہ بنفس بنفس خود آغا آمد۔ آن سلطان چار بالش را در خاک و خون دید۔ دران حال عبرت بخش بر خود لرزید سراد از خاک برگرفت۔ و گفت آفرین باد بر جو انمردی تو۔“

یہی تمام تفصیل تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور اکبرنامہ وغیرہ معتبر تاریخی کتابوں میں کم و بیش بیان کے ساتھ ملتی ہے۔

رجب کی بارہ تاریخ سہ شنبہ کے دن بابر بادشاہ دہلی آیا اور شیخ زین صدر نے خطبہ شاہی پڑھا۔ بابرنامہ میں ہے کہ لے

”مولانا محمود شیخ زین د بعضی دیگر رفتہ در دہلی نماز جمعہ کردہ بنام من خطبہ خواندند بفقرا و مساکین پارہ زرنخش کردہ۔“

لے تاریخ شاہی۔ احمد یادگار۔ ص۔ ۹۸-۹۶۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۳۹ء

لے بابرنامہ۔ ص۔ ۱۷۶

کچھ دن قیام کے بعد ابھی آگرہ کی طرف روانہ ہوا ہی تھا کہ ہمایوں خواجہ کلاں، شاہ منصور اور ولی خازن یتیزی کے ساتھ خزانے پر قبضہ کرنے کے لئے آگرہ کی طرف چل دیئے۔ ۲۲ رجب جمعرات کے دن شہزادہ ہمایوں دارالسلطنت آگرہ پہنچا، آگرہ کا قلعہ ابھی سلطان ابراہیم کے مقربین کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ بابر بادشاہ نے قلعہ کا گھیراؤ کر لیا۔ جہاں راجہ بکرماجیت کے ملازم موجود تھے۔ بکرماجیت ابراہیم لودھی کے ساتھ جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ لہذا اس کے ملازم ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بہت سے جواہرات اس کی خدمت میں حاضر کئے۔

بابر نامہ میں ہے کہ لے

”برمنای خود جواہر بسیار ہمایوں پیش کش میکنده از این جملہ یکہ الماس شہرتہ بود کہ سلطان علاء الدین آوردہ بود اچنان مشہور است کہ یک رقوم قیمت اورا بنصف خرچ روزمرہ تمام عالم کفہ بود غالباً ہشت منتقال است در وقت آمدن من ہمایوں بمن پیشکش کردہ من باز ہمایوں بخشیدم“

الغرض بابر بادشاہ ہندوستان کے تمام خزانے کو امیروں لشکروں، سوداگروں اور طالب علموں کے بیچ تقسیم کیا۔ سمرقند، خراساں، کاشغر اور عراق وغیرہ تحائف و ہدیے روانہ کئے۔ اس کے علاوہ مکہ، مغطمہ، مدینہ منورہ، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، مشہد مقدس اور دوسری مبارک جگہوں اور مناروں پر نذرانے بھیجے۔ المنوخر پرانے بادشاہوں کی برسوں کی جمع شدہ دولت ایک ہی محفل میں لٹا دی۔

ہندوستان کے باشندے مغلوں کی سیاست اور حکومت سے ڈرے ہوئے تھے چنانچہ ابتدائی ایام میں بابر بادشاہ کی اطاعت و فرامرداری کی طرف مائل نہ ہوئے۔ بلکہ یہ اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے پوری طرح بادشاہ کی مخالفت کی فکر میں رہتے تھے اگرچہ یہ امیر ابراہیم لودھی کے مطیع تھے لیکن مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے دریا خان لودھی کو سلطان محمد کا لقب دے کر اسے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔

بابر بادشاہ کی صلح پسندی کے باوجود ہندوستانی امراء نے اطاعت و فرما برداری نہیں کی اور آپس میں مراسلت کر کے اتفاق رائے سے اپنی جاگیریں اور قلعے مضبوط کرنا شروع کر دیئے۔
ابوالفضل رقمطراز ہے کہ لے

”باوجود فتح چنان و بخششائش چنین قلت محالست علت عدم موافقت
اصل ہند گشت، و سپاہی و رعیت از اختلاط اجتناب می نمود، اگر چہ
دہلی و آگرہ در حیطہ تصرف در آمدہ بود اما اطراف جوانب را مخالفان
داشتند۔“

بہر حال شہروں اور قصبوں کے لوگ بابر بادشاہ کی مخالفت کرنے لگے نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ لوگوں کو اناج اور مویشیوں کا چارہ مشکل سے ملنے لگا۔ خلاف معمول اس سال گرمی بھی زیادہ پڑی۔ گرمی کی شدت اور گرم ہواؤں کی وجہ سے مغل سردار ہلاک ہونے لگے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے خواجہ کلاں اور دوسرے معزز سرداروں نے بابر بادشاہ کو مشورہ دیا کہ جلد از جلد کابل واپس چلیں اسی میں بہتری ہوگی۔ لیکن بابر بادشاہ نے تمام امراء کو بلا کر ایک زبردست تقریر کی فرشتہ لکھتا ہے۔

”بادشاہ بہ ضرورت ہمہ امراء در یک مجلس حاضر ساختہ فرمود کہ مارا
قرار داد خاطر توقف ہندوستان ست ہر کس کہ ارادہ ہمراہی دارد بماند
و ہر کس کہ میل رفتن داشتہ باشد بکابل برد و پیچ مضائقہ نیست۔ دریں
صورت جمیع امرا چون دانستند کہ آنحضرت بیسوجہ دست از ہندوستان
باز نخواہد داشت لا علاج دل بر بردن ہندوستان نہادند مگر خواجہ کلاں

کہ اکثر فتوحات بسیجی اوشدہ بود۔ بیماری و مصرت بسیار در ہند باور سیدہ
بود عازم جازم رفتن کابل گردید فردوس مکانی حکومت کابل و غزنین بوی
دادہ روانہ ولایت ساخت۔“

اکبر نامہ میں ابوالفضل اس طرح رقم طراز ہے کہ لہ

دریں سال کہ عرصہ آگرہ مخیم سراوقات اقبال شد۔ افراط گرمی ہوا و شبانہ
سموم و با صمیمہ کو تہ و صلیاے اردو علی گشت و جمعی کثرت تو ہم ناخرد مندانه
فرار نمودند و از طہور ارباب خلافت و ناسازگاری ہوا و ناروانی را بہاد و دیر
رسیدن سوداگران تنگی معشیت و فقدان اجناس پدید آمد و اکابر خلعت
دشوار شد اکثر امرا قرار با انتقال از ہندوستان بکابل و آنحدود داند۔“

رفتہ رفتہ حالات بہتر ہوئے اور بہت سے ہندوستانی سزاوار حلقہ باری میں آگئے۔ اسی زمانے میں خان افغان نے سنبل
کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، قاسم سنہلی نے بادشاہ سے اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ اور مدد کی درخواست کی۔ بابر نے مرزا ہمدی
کو کلٹاش کو قاسم سنہلی کی مدد کے لئے بھیجا مگر مرزا ہمدی نے خان افغان کو شکست دی۔ قاسم سنہلی نے بابر کے اس
احسان کے بدلے میں قلعہ کو کو کلٹاش کے سپرد کر دیا۔ اور بذات خود بابر کے امرا میں شامل ہو گیا۔ بابر نے سنبل
شہزادہ ہمایوں کے سپرد کر دیا اور خود مشرق و مغرب کے افغانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا۔

مہایوں قنوج کے نزدیک پہنچا تو افغان جن کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی۔ مقابلہ کے بغیر بھاگ گئے۔ ان
افغان امرا میں سے فتح خاں شیرانی شہزادہ مہایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادے نے شیرانی کو تسلی دی
اور اسے ہمدی خواجہ کے ساتھ بابر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ بابر فتح خاں سے بہت خوش ہوا اور انعام
و اکرام سے نوازا۔ بابر کے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے افغان اس کے گردیدہ ہو گئے۔ نظام خاں حاکم بیانہ جوزناسنگا

سے خوفزدہ تھا۔ اب وہ بھی بابر بادشاہ کا مطیع ہو گیا تھا۔ بابر بادشاہ نے قلی بیگ کو نظام خاں کے پاس بھیجا مگر اس نے اطاعت سے انکار کر دیا اور باقی بیگ سے مقابلہ کر کے شکست کھائی اور خود قلعہ میں بند ہو گیا۔ ادھر رانا سالنگا کو ان تمام حالات کی خبر ملی تو فوراً نظام خاں سے مقابلہ کرنے کے لئے سوچنے لگا۔ اب نظام خاں نے بابر سے اپنے قصور کی معافی مانگی۔ بادشاہ نے معاف کر دیا۔ نظام خاں نے قلعہ امیروں کے حوالے کر دیا اور خود بادشاہ کی ملازمت میں آ گیا۔

اسی اثنائے میں بابر بادشاہ کو خبر ملی کہ گوالیار پر منگٹ رائے نے خاں جہاں کے ساتھ مل کر فوج کشی کر دی۔ تاتار خان جو قلعہ کا والی تھا بابر بادشاہ کی اطاعت کا اقرار کر کے مدد چاہی۔ چنانچہ بابر بادشاہ نے شیخ رحیم دادا اور شیخ گھورن کو تاتار خان کی مدد کے لئے بھیجا۔ ان امرائے تاتار خان کو منگٹ رائے سے نجات دلائی۔ بعد میں تاتار خان نے بد عہدی کی اور شاہی امرار کو قلعے میں آنے کی اجازت نہ دی۔ حضرت شیخ غوث گوالیار کے مشہور برگ اور صاحب ارشاد تھے۔ ان کے مریدوں کی بہت بڑی تعداد تھی انہوں نے رحیم دادا کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی طرح قلعہ کے اندر آجائیں۔ رحیم خاں نے شیخ کے کہنے کے مطابق تاتار خان کو کہلا بھیجا کہ شاہی فوج ونگٹ رائے کے شیخوں کی وجہ سے خطرے میں ہیں۔ اگر اجازت مل جائے تو رحیم دادا اپنے ساتھیوں کے ساتھ قلعہ کے اندر پناہ لے لے۔ اس نے درخواست قبول کر لی۔

لے خانخان نظام الملک اس طرح لکھتا ہے کہ

رحیم دادا کو رحمن دادا لکھا ہے کہتا ہے کہ رحمن دادا نے اجازت طلب کر کے تاتار خان سے کہا۔ میرا سارا لشکر قلعہ کے باہر اس وقت تک پڑا رہے گا جب تک ان کافروں کا خطرہ ٹل نہ جائے۔ لیکن میرے گھرنے کی بعض مستورات وہاں غیر محفوظ ہیں لہذا ان کو قلعہ میں آنے کی اجازت دے دیں۔ میرا ایک آدمی قلعہ کے دروازے پر متعین ہو گا تاکہ وہ مستورات کی ڈولیوں میں، چند خدمت گاروں کے ساتھ اندر آنے کی اجازت دے دیں۔ تو اس سروت کا احسان ہو گا۔ تاتار خان اس بات سے غافل کہ پس پردہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے لہذا اندر آنے کی اجازت دے دی۔

(منتخب اللباب۔ مترجم احمد فاروقی۔ جلد اول۔ ص ۸۶۔ نفیس اکیڈمی کراچی)

رحیم داد اور چند آدمیوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا۔ اپنے ایک خادم کو تاتار خان کے کہنے کے مطابق دربانوں کے پاس چھوڑ دیا تاکہ وہ رحیم داد کے خاص آدمیوں کو پہچان کر اندر لے آئیں۔ تاتار خان پر غرور کا نشہ سوار تھا اس رات وہ ہوشیاری اور احتیاط کو بھول کر غافل نیند سویا چنانچہ سپاہیوں کی اچھی خاص تعداد اندر آگئی۔ صبح ہونے پر تاتار خان پر حقیقت واضح ہو گئی۔ اب اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا لہذا وہ قلعہ حوالہ کر کے آگرہ پہنچ گیا اور اسرار کی جماعت میں شامل ہو گیا۔

۹۳۳ھ میں سلطان ابراہیم کی ماں نے کافی اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اس نے باورچیوں کے ساتھ سازش کر کے بابر کے کھانے میں زہر ملوایا۔ کھانے کے دوران بابر بادشاہ کو گھبراہٹ محسوس ہوئی چنانچہ اس نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ جب اس واقعہ کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ حرکت چاشنی گیر کی تھی۔ اس نے چاشنی گیر کی کھال کھجوائی اور دوسرے باورچی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ سلطان ابراہیم کی ماں کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا بیگم کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور بیٹے کو مرزا کامران کے پاس بھیج دیا۔

اسی زمانے میں رانا ساگا ہندوستان کے بڑے راجاؤں میں سے تھا۔ بابر کے حملے کے وقت تقریباً ایک لاکھ راجپوت رانا کے تابع تھے۔ ۹۳۱ھ کے علاوہ سلطان ابراہیم لودھی کے بہت سے امیر جو بابر کے مخالف تھے حلقہ اطاعت باری میں داخل نہیں ہوئے تھے، سب کے سب رانگا ساگا کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور ہندوستان کو مغلوں کے دست تسلط سے بچانے کے لئے آگرہ روانہ ہوئے۔

دوسری جانب بابر کی مغل فوج جھنیں وہ کابل سے لایا تھا چار ہندوستانی امراء علاء الدین کے بیٹوں کمال خاں، جلال خاں، علی قرل خاں اور بیانہ کے حاکم نظام خاں کے ساتھ آگرے سے روانہ ہو گیا۔

جب بابر بادشاہ بیانہ کے مضافات میں کانوہ نامی قصبے میں پہنچا تو اس نے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ بیانہ کے نواح میں فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ شاہی فوج کے دستے جو خبر رسانی کے لئے گئے ہوئے تھے زخمی ہو کر واپس لوٹ آئے۔ بیانہ کے قلعے والے بھی چار دیواری سے بھل کر جنگ و جدال میں شریک ہوئے اور دشمن کے ہاتھوں شکست کھا کر قلعہ میں بند ہو گئے۔

اس زمانے میں ایک فاضل اور تجربہ کار منجم محمد شریف تھا۔ لوگ اس کی پیشین گوئیوں پر بہت اعتبار کرتے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ مریخ کی طرف سے طالع ہے اور کوئی بھی اس طرف سے حملہ آور ہوگا اسے اپنے ہاتھوں شکست ہوگی۔ بادشاہ نے مشورہ کیا اکثر درباریوں نے یہ رائے دی کہ دشمن پوری طاقت کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ چنانچہ بادشاہ قلعہ کو امراء کے حوالے کر کے خود پنجاب کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں غیبی امداد کا انتظار کریں بابر بادشاہ نے امراء کی بات سنی اور کافی غور و فکر کے بعد کہا کہ لوگ کیا سمجھیں گے کہ محض جان کے خوف سے اتنے بڑے ملک کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

محمد قاسم ہندو شاہ کا بیان ہے:

”گفت بادشاہان اسلام کہ در اطراف و اکثاف عالم اندچہ گویند کہ حیات
غنیمت دانستہ چنن مملکتی را از دست داد۔ سزاوار مردانگی آنست
دل بر شہادت نیم و بجان کوشیم۔“

جمادی الاول کی ۹ تاریخ بروز سہ شنبہ صغیر مرتب کی گئیں۔ بابر بادشاہ دشمن کی طرف جوتین کوس کے فاصلے پر مقیم تھا روانہ ہو۔ ایک کوس کا سفر طے کرنے کے بعد بابر بادشاہ نے راہ میں قیام کیا۔ آخر بیان کے مضافات میں مقیم ہوا۔ مغل لشکر نے ابھی خیمے پوری طرح لگائے بھی نہ تھے کہ دشمن کی فوج، کیڑے مکڑوں کی طرح زبرد ہاتھیوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابھی دن کا ایک پہر گزرا ہی تھا کہ دونوں فوجیں معرکہ آرائی کے لئے آگے بڑھیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ دشمن کی شان و شوکت اور جاہ و حشمت سے زمین اور آسمان میں ایک ہلچل سی پڑ گئی۔ سب سے پہلے ہندوؤں نے بڑی شان سے مسلمانوں پر چڑھائی کی۔ خسرو کو کلتاش اور ملک قاسم پر حملہ آور ہوئے بادشاہ کا حکم ملے ہی حسین تیمور مدد کے لئے آگے بڑھا اس نے ہندوؤں کے لشکر کو پیچھے سے دھکیل دیا اور میدان جنگ میں اپنے قدم جمائے رکھے۔

اس کے بعد بابر نے مغلوں کے طریقے کے مطابق چاروں طرف سے لڑائی شروع کی۔ ہندوستانی سپاہی بھی بڑی ثابت قدمی کے ساتھ جھے رہے۔ ان کے استقلال کو دیکھ کر بابر نے ایک زبردست حملہ کیا ایک خونریز جنگ کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی۔ رائے راول دیو، چندربھان چوہان، مانک چوہان اور کرم سنگھ راجپوت جن میں ہر ایک اپنی جگہ بر عالی جاہ اور صاحب مرتب امیر تھے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ رانا سانسکا اپنی طاقت اور غرور کے نشے میں بڑی طاقت اور غرور کے نشے میں تھا بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا لہذا اس عظیم الشان فتح کے بعد بابر غازی لقب سے مشہور ہو گیا۔

اگرہ ہاپسی کے وقت بابر بادشاہ نے شہزادہ ہمایوں کو کابل اور بدخشاں کے انتظار اور انہرام کے لئے بھیجا۔ محمد علی جنگ کو خپدرواڑ رابری اور اناوہ کے باغیوں اور سرکشوں یعنی حسین خاں، دریاخان اور قطب خان کی سرزنشی کے لئے مقرر کیا۔ حسین خاں بغیر جنگ کے ہی بھاگ گیا اور دریاے جمنا کو پار کرتے وقت ڈوب گیا۔ دریاخان جنگلوں کی طرف نکل گیا۔ بہن خاں افغان کی سرکوبی کے لئے محمد سلطان میرزا قنوج پہنچا لیکن یہ باغی قنوج سے فرار ہو گیا۔

۹۴۳ھ میں بابر بادشاہ چندیری کی طرف روانہ ہوا۔ تاکہ میدنی رائے کو تباہ برباد کر دے۔ لیکن وہ دوسرے راجپوتوں کے ساتھ ارک کے قلعے میں بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دوسرے ہی روز قلعہ کو تسخیر کر لیا گیا۔ بقول فرشتہ چھ ہزار راجپوتوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا۔ راجپوتوں نے جب سرکشی اور قتل و غارت کو دیکھا تو اپنے پرانے دستور کے مطابق ننگی تلوار سے اپنی گردن آپ اڑادی۔ اس طرح قلعہ ارک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

میدنی رائے نے اپنے اقتدار کے زمانے میں چندیری، سارنگپور اور راسین کی مساجد کو اصطبلوں اور جانوروں کے رہنے کی جگہوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ لہذا بابر بادشاہ نے ان مساجد کو از سر نو بحال کیا، شیخ زین صدر نے ان عبادت گاہوں کو نجاست سے پاک کروایا۔ موذن اور جاروب کش مقرر کئے۔ اس زمانے میں بابر کو معلوم ہوا کہ مشرقی افغانوں کی بغاوت کا خاتمہ کرنے کے لئے جس گروہ کو بھیجا تھا وہ شکست

کھا چکا ہے۔ لہذا بابر نے یہ خبر ملتے ہی قنوج کی طرف رخ کیا۔ رابری کے مقام پر شکست خوردہ امرا بادشاہ سے آئے۔ بابر دریا کے کنارے پہنچا۔ اور دریا کو پار کرنا شروع کیا۔ افغانوں نے جب یہ دیکھا تو راہ فرار اختیار کی۔ بابر اس کے بعد اٹھینان کے ساتھ گوالیار روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر اس نے گوالیار کے قلعے، سنگی ہاتھی، بکرماجیت اور مان سنگھ کی تباہ شدہ اور ویران عمارتوں کی سیر کی۔

۹۲۷ھ میں بابر بیمار ہوا لیکن جلد سے صحت یاب ہو گیا۔ اسی سال بابر کو اطلاع ملی کہ سلطان سکندر لودھی کے بیٹے سلطان محمود نے بیانہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد ملتان میں بلوچیوں نے آپس میں اتحاد کر کے بغاوت و سرکشی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

بابر بادشاہ نے ملتان جانے کا ارادہ کیا مگر کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ بہار کی طرف روانہ ہو گیا۔ بابر نے محمد زماں میسرزاکو بہار کی ہم کے لئے بھیجا۔ محمد زماں اجلہ از جلد سلطان محمود کے پاس پہنچا۔ سلطان محمود اپنے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور بھاگ گیا۔ کچھ دنوں بعد افغانوں نے بہار میں دوبارہ زبردست لشکر تیار کر لیا۔ اور جنگ کے ارادے سے دریائے گنگا کے کنارے پر جمع ہو گئے۔

بابر نے شہزادہ عسکری کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ دشمن کی فوج دیکھ کر افغانوں کی ہمت جواب دے گئی۔ اور انھوں نے راہ فرار میں ہی سلامتی دیکھی۔

۹۲۶ھ رجب کے مہینے میں بابر بادشاہ بیمار پڑ گیا۔ اس کی بیماری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا مگر کسی علاج کا اثر نہ ہوا۔ اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ان دنوں شہزادہ ہمایوں کالجھر کے قلعے کی تسخیر کے لئے گیا ہوا تھا جب مرض میں زیادتی ہوئی تو بادشاہ نے اپنا جانشین مقرر کرنے کیلئے اسے دارالسلطنت بلایا۔ ۵ جمادی الاول ۹۲۷ھ کو بابر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

لے تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ہندو شاہ۔ جلد اول (۲۱۱)

لے اکبر نامہ۔ ص ۱۳۶ میں ششم جمادی الاولیٰ ہندو سہ و ہفت "وفات بابر تحریر ہے۔

اس کی لاش کو اس کی وصیت کے مطابق کابل روانہ کر دیا۔

غلام حسین طباطبائی کا بیان ہے :

”بابر در سن چہل و نہ سالگی بعالم آخرت شتافت و لعش اور ابکابل بردہ

در گذرگاہ بر لب آبجو بجاک سپردند مدت سلطنت سی و ہشت سال از

انجملہ درمہندوستان پنج سال و پنج روز۔“

بعض مورخین نے بابر کی وفات کے واقعہ کو افسانوی انداز میں تحریر کیا ہے۔ مثلاً

ابوالفضل کا بیان ہے :

”آنحضرت جہاننابی را بعد از چند گاہ کہ در ملازمت بودند بہ سنبل کہ بجاگیر

ایشان مقرر بود در خصت فرمودند تا شش ماہ در سنبل کامیاب عیش و

عشرت بودند تا آنکہ عارضہ تپ بر مزاج اعتدال ایشان طاری شد

لے سیر المتاخرین۔ غلام حسین طباطبائی۔ ص۔ ۲۰۔ الہ آباد۔

ii. He died at Agra in 937 A.H. (1530 AD) The following chronogram was at once composed by his Court poets.

تاریخ وفات شد بابر در نہ صد و سی و ہفت بودہ

(A History of Persian language and Literature at the Mughal Court - Mohd. Abdul Ghani, Vol. I (Babur) P.150 Allahabad, 1929).

iii. Babur's stermy life ended in 1530 when he was in the forty-eight year of his eye--- On 26 December 1530 Babur Passed away in his palace at Agra. His dust lies in the garden below the hill at Kabul, 'The sweetest spot in the neighbourhood', which he had chosen to be his last resting place".

(The oxford student's history of India, vicent smith P. 148-149, Calcutta-1972)

رفتہ رفتہ بامتداد کشید۔ حضرت گیتی ستانی ازین خبر جانکاه بیقرار شد از
 فراطع طوفت فرمودند کہ بدھلی آرند و از انجا بکشتی روانہ سازند... از اطباء
 دانا کہ زیر پای تخت حاضرند باستصواب افکار و در علاج ہمت گمارند...
 ہر چند تدبیر در معالجات بکار بردند و تدبیرات صحیح نمودند مزاج از انحراف
 بہ صحت زائلہ رجوع نہ کرد... میرا بوالہقا کہ از اعظم افاضل آن روزگار بود
 بعرض رسانید کہ از خرد پروان پیشین چنان رسیدہ کہ در امثال ایں امور
 کہ اطباء صوری از معالجات آن عاجز نہ چارہ کار حنین دیدہ اند کہ بہترین
 اشیاء تصدق نمودہ صحت از درگاہ الہی مسلت نمایند۔ حضرت گیتی ستان
 کشور کشائی فرمودند کہ بہترین چیز ہا نزدیک ہمایوں منم و بہترین و شریف
 تراز ایں ہمایوں چیزے ندارد من خود را و فدائے انسانم... سہ بار برگرد
 حضرت جہانبانی جنت آشیانی گشتند۔ چون دعوت ایشان بغزاجابت
 پیوستہ اثر گرانی در خود یافتہ فرمودند برداشتیم برداشتیم۔ فی الفور حرارت غریبہ عارض
 بدن آنحضرت شد در عنقریب حضرت جہانبانی خفقتے طاری گشت چنانچہ در اندک
 فرصتے صحت کامل روی نمود و ذات معلیٰ صفات حضرت گیتی ستانی فردوس
 مکانی زمان زمان گراں تر میشد تا بعد۔ ے رسید کہ احتمال در مزاج تراید و
 تصاعف گرفت و امارات رحلت انتقال از و جیات حال ہوا گشت۔“

اکثر مورخین ابوالفضل کے اس بیان سے متفق نہیں ہیں۔

بابر کی شخصیت :-

بابر بادشاہ صمد گیر طبیعت اور فطرت کا مالک تھا۔ اس کی ذات میں بہت سے اوصاف بیک

وقت جمع ہو گئے تھے۔

بقول عبدالباقی نہارندیؒ:

”کمالات ذاتی و صفاتی آن ذاتی قدسی صفات تعالیٰ است کہ بذقترھا گفتہ اید بحالش
آنکہ اصول مشنگانہ، جہان بینی را کہ اول بخت بلند، دوم ہمت ارجمند، وسیوم
قدرت کشور کشائی، و چہارم ملک داری، پنجم کوشش در معموری بلاد، ششم
صرف ہمت بر رفاهت عباد، ہفتم خوش دل ساختن سپاہی، ہشتتم
ضبط ایشان از تباہی۔ تمام و کمال بروجہ مستوفی باشد داشتند۔ و در فضائل
مکتبہ متعارفہ رسمییہ روزگار سرآمد بودند۔“

بہر حال وہ ایک عظیم المثال سپاہی، عظیم المرتب فاتح جلیل القدر بانی سلطنت، بلند پایہ شاعر اور قابلِ قدر
اہلِ قلم تھا۔ علاوہ ازیں وہ بڑا نیک طبع انسان تھا۔ قرآن کی تلاوت خوب کرتا تھا وہ ایک مذہبی آدمی تھا اس کا
کہنا تھا کہ خدا کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی مادرِ زبان ترکی تھی کہا جاتا ہے کہ میر علی شیر نوانی کے بعد بار
کوہی ترکی زبان کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ ترکی کے ساتھ عربی اور فارسی پر بھی قدرت حاصل تھی۔
بابر کو بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ سے بھی عقیدت تھی۔ وہ خواجہ عبداللہ کامرید تھا، جب ہندوستان
آیا تو یہاں کے بزرگوں سے بھی اعتماد ہو گیا۔ ان بزرگ میں حضرات عبدالقدوس گنگوہی و حضرت غوث گوالیاری
وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

بابر اپنے جمالیاتی ذوق و شوق کی بنا پر فنون لطیفہ کا دلدادہ تھا اس کو موسیقی سے بھی دلچسپی تھی۔ اپنے
عہد کے گویوں اور سازندوں کا حال اس طرح لکھا ہے۔
خواجہ عبداللہ مراد کے بارے میں لکھا ہے کہ

”قانون را مثل او کسی ننواختہ در قانون گرفت کردن اختراع اوست۔۔۔“

لے اکثر رحمی۔ عبدالباقی نہارندی۔ جلد اول۔ ص ۱۵۱ (اکبرنامہ میں ابوالفضل نے اسی ترتیب سے ص ۱۳۶ پر بابر کی شخصیت اور طبیعت پر روشنی ڈالی ہے)

از اہل نعمہ قانون را مقدار خواہ عبد اللہ مروارید کسی نہ نواختہ“

شیخ نائی کے بارے میں لکھا ہے کہ: ۱؎

عود و غشیرک را خوب می نواخت از دوازده سیزده سالگی خودنی را خوب
می نواختہ... فی الحال غشیرک را از دست قل محمد گرفتہ کار را از غشیرک
خوب و پاکیزہ می بردارد از شیخ نائی یک چنیری نقل کردند کہ در نغلات اچمنان
مستحضر بود ہر نعمہ کہ شنودہ میگفتہ کہ فلاں آفتنگ است“

شاہ قلی غشیرک کے بارے میں ہے کہ ۲؎

”عراقی است بخراسان آمد و ساز مشت کردہ ترقی کرد خلی نقش و غشیرہ کار ہستہ“

حسین عود کے بارے میں لکھا ہے: ۳؎

”عود را بمنزہ نواختہ چیز ہائیمہرہ می گفت تار ہای عود را یک کردہ می نواخت
عیبش ایں بود کہ بسیاری نواختہ۔“

میر عزیز کے بارے میں لکھا ہے کہ سازندہ بھی اور گویا بھی اگرچہ اس نے کم خیریں بنائی تھیں جو بنائی وہ مزے کی ہیں۔
بایر کوفن مصوری سے بھی دلچسپی تھی۔ اگرچہ اسے اپنے دربار میں مصور لکھنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن اپنے زمانے کے
مصوروں کے کارناموں پر ماہرانہ تنقید کرتا ہے۔

ہزارہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ۴؎

”از مصوران ہزارہ بود کار مصوری را بسیار نازک کرد اما چہرہ ارای بی ریش
را بدی کشاد غنچ اورا بسیار کمانی کشد ادم ریش دار را خوب چہرہ

۱؎ بابرنامہ۔ ص۔ ۱۱۶ - ۱۱۵

۲؎ ” ” ” ” ۱۱۶ -

۳؎ ” ” ” ” ۱۱۶ -

۴؎ ” ” ” ” ۱۱۵ -

کشای حی کرد“

شاہ مظفر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”تصویر بسیار نازک می کرد عمر بسیاری نیافت و محل طریقی از عالم برفت“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابر نے بہزاد کی تعریف کرنے میں زیادہ فیاضی سے کام نہیں لیا ہے۔ بابر کو باغبانی سے بھی غیر معمولی شوق تھا۔ وہ باغبانی میں طرح طرح تجربے خود کرتا، پھولوں اور باغوں سے اس کو دلی لگاؤ تھا۔ وہ باغوں کو لگانے کا نقشہ خود بناتا اور خود ہی ان کی نگرانی و حفاظت کرتا تھا۔ ہندوستان کے باغوں چمن بندی عیا بان، جدول، تختہ بندی اور آبشار وغیرہ بابر ہی کے ذوق کی وجہ سے رائج ہوئے۔

اس نے کابل اور ہندوستان میں باغ وفا، باغ افشاں، آرام باغ، بہشت باغ، چار باغ، صفاباغ اور نیلوفر باغ کے نام بہت سے باغات لگائے۔

اس نے آگرہ میں چار باغ لگوائے، جس میں حوض بارہ دری، خلوت خانہ اور حمام بنوائے، باغ کے ہر ٹکڑے میں چمن لگایا۔ اور ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے۔ باغ کی عمارتوں کے اجارے میں سنگ مرمر اور باقی حصوں میں سنگ سرخ لگوائے، اس کی تقلید میں اس کے امرا نے دریا کے کنارے خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے۔

غرض بابر نے پھلوں اور پھولوں سے متعلق اپنی تزک میں کافی اطلاعات دی ہیں۔ جن سے آج کے ماہرین نباتات کافی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ قبل از تذکرہ کیا گیا کہ بابر بادشاہ گوناگوں صلاحیتوں کا مالک تھا جہاں ایک طرف مصوری، موسیقی و باغبانی کا ذوق تھا وہیں دوسری طرف اپنے جنگی سرگرمیوں سے فراغت پا کر وہ اپنا وقت تعمیرات کے ذوق میں صرف کرتا تھا۔ بالفاظ دیگر باغات یا مکانات بنانے میں منہمک ہو جاتا۔ اسے خوبصورت باغ

لگوائے۔ خوبصورت عمارتیں بنوانے اور نہرویل کی تعمیر سے بڑی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ اگرہ، سیکری، بیانہ وھولپور، گوالیار اور کونسل میں سنگ تراشوں کی ایک بڑی تعداد کام کرتی تھی۔
 بابر کی باصلاحیت اور ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں مورخین کی مختلف آراء ہیں ہذا ذیل میں کچھ کا تذکرہ کرتے ہیں۔
 میرزا حیدر دونلات تاریخ رشیدی میں لکھتا ہے کہ:

(ترجمہ)

”بابر ایک بادشاہ تھا جو گونا گوں قسم کے فضائل اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ
 و پیراستہ تھا سب سے نمایاں چیز اس میں یہ تھی کہ وہ بہت بہادر تھا،
 بامروت شخص تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ اتنے اوصاف کا حکمران اس سے
 پہلے اس کے خاندان میں نہیں گذرا اور نہ اس قبیلہ میں کسی نے اسے عجیب و
 غریب کارنامے انجام دیے۔“

ولیم ارسلن بابر بادشاہ کے اوصاف پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے کہ:

(ترجمہ)

”بابر ان تمام حکمرانوں میں جنہوں نے مشرق کے تحت کوزنیت بخشی ایک نہایت
 مشہور و معروف اور قابل ذکر شہنشاہ تھا۔ اس کی شخصیت بڑی دلچسپ
 اور ہمہ گیر تھی، اس کی شخصیت میں زیادہ تر وہ تمام خوبیاں ایک جگہ جمع
 ہو گئی تھیں جن کی موجودگی ایک اچھے حکمران اور بلند ترین انسان میں ضروری

لے بابر نامہ۔ ص۔ ۱۱۵

۳ تاریخ رشیدی۔ میرزا حیدر دونلات (مخطوطہ یونیورسٹی کلکشن صمیمہ نمبر ۳۴)

3. Memories of Zher-ed-din Mohammad Babur, Emperor of Hindustan.
 by John Leyden and willian Erskin - Vol. II P. 428,
 England-1921.

ہوتی ہیں۔ وہ بہادر، حوصلہ مند اور پر جوش انسان تھا، ان کی شخصیت اتنی مکمل اور جاذبِ نظر تھی کہ دوسروں کو پوری طرح مسحور کر کے ان پر حکومت کرتا تھا، وہ بڑا سادہ مزاج اعتماد کرنے والا اور سنہیں مکھ قسم کا انسان تھا..... وہ قدرتی طور پر بڑا ذہین تھا۔ اس لئے اسے ہر قسم کے فنونِ لطیفہ سے گہری دلچسپی تھی، اس میں باغبانی اور عمارتیں بنوانے کا بھی شوق شامل تھا، اس نے اپنی مملکت کے بہت سے حصوں میں اپنے لئے محل تعمیر کرائے، جگہ جگہ باغات لگائے، وہ پھولوں کا عاشق تھا۔ ہر حسین چیز کا مدح تھا، وہ ماہر نباتات بھی تھا، اس نے چند ایسے پودے جو مختلف مقامات کے لئے بالکل نئے تھے، وہاں لگائے..... بابر کی رنگارنگ اور دل فریب شخصیت میں کوئی چیز بھی اتنی زیادہ قابلِ تعریف نہیں، جتنی بابر کی عظیم الشان دوستی اور شرافت نفسی ہے۔“

ال۔ اف رش بروک ولیمس لکھتا ہے کہ

(ترجمہ)

”بابر مشرقی تاریخ میں سب سے زیادہ رومان پسند شخصیت ہے۔“

مارس بی۔ جی لکھتا ہے کہ

”اس طرح نامور بادشاہ جس نے منعلیہ خاندان کی بنیاد ڈالی تھی اپنی عمر کے

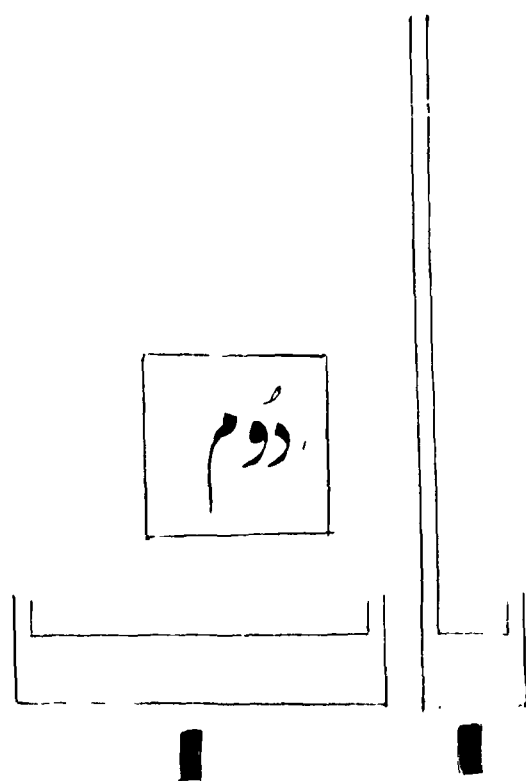
1. An Empire Builder of the sixteenth century summary account of the political career of Zaheer-ed-din Mohammad Sarnamed Babur by L.F. Rush Brook Willians- Page No. 19 Ramnagar Delhi - 1915.

نئے نظامِ اکبری۔ بی جی مارلس۔ ۵۲۔ ۵۱۔ حیدرآباد

بہار کے ایسے عروج کے وقت مر گیا کہ جب انسان کی عقل و دانش اور تجربہ

مرتبہ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اس میں بہت سی بڑی بڑی عمدہ صفیتیں تھیں۔“

اس عظیم المرتبت شہنشاہ کی زندگی مختلف قسم کی آویزشوں اور کشمکشوں کا شکار رہی اس نے اپنا وطن ترک کیا۔ بڑی بڑی فتوحات کیں اور ایک نئے ملک میں اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ بابر کی شخصیت کا سب سے اہم اور تعجب خیز پہلو یہ ہے کہ اپنی گونا گوں سیاسی مصروفیات اور شدید ذہنی الجھنوں کے باوجود شعر اور ادب کا دامن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ یہ عظیم المرتبت شہنشاہ قلبی طور سے فنون لطیفہ کی طرف مائل تھا۔ اور ان کو وسعت دینے کے لئے تمام زندگی مصروف رہا۔ یہی سبب ہے کہ بابر کی فتوحات کے ساتھ ساتھ اس کی ادب پروری اور شعردوستی کا شہرہ بھی آج تک ہر ایک کی زبان پر ہے۔



سهم بایر در ادبیات فارسی



صفحه آخر از نسخه دیوان ترکی بابر بادشاه (کتابخانه رضا امپور، آترپردیش)

خاندان مغلیہ کا تاسیس گزار ظہیر الدین محمد بابر گونا گوں صلاحیت و قابلیت کا مالک تھا اگرچہ اس کی تمام زندگی نبرد آزمائیوں اور میدان کارزار کی نذر ہوئی لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود اس نے اپنی ہمہ گیر طبع کی جو لائیاں دکھائیں اور اپنی صلاحیتوں کے بشمار شگوفے کھلائے وہ قابل صد تحسین و آفرین ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ترکی زبان کا ماسٹر تھا اس کی پرارزش اور سود مند یادداشتوں پر مشتمل ”ترک باری“ دنیا کے ادب میں زندہ جاوید شاہکار شمار ہوتی ہے۔ اگرچہ ترکی زبان میں ہے لیکن آج دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

بابر بادشاہ ایک زبردست اور ماهر انشا پرداز ہونے کے ساتھ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا۔
ابوالفضل کا بیان ہے:

”آنحضرت رادر نظم و نثر بایہ عالی بود خصوصاً در نظم ترکی و دیوان ترکی
آنحضرت در نہایت فصاحت و عذوبت و وقع شدہ و مضامین تازہ در
آن مند جست۔“

بابر بادشاہ کے ترکی اشعار کا دیوان کتابخانہ رضا امپور میں موجود ہے۔ زیر بحث باب کے ساتھ ترکی دیوان کے آخری صفحہ کا عکس بھی ثبت کیا جا رہا ہے۔ صفحہ کے نیچے حصہ پر بابر کی اپنی تحریر میں لکھی ہوئی رباعی ہے۔ جس کی بابت حاشیہ میں شاہجہاں بادشاہ کی تحریر ہے۔ جس میں اس نے بابر بادشاہ کی رباعی کی تصدیق کی ہے۔ کہ ذیل

رباعی فردوس مکانی حضرت بادشاہ کی اپنی تحریر ہے۔
 ترکی دیوان کے علاوہ ایک ترکی زبان میں مثنوی ”مبتین“ کے نام سے کہی ہے جس کی شرح شیخ زین نے
 ”مبتین“ کے نام سے ہی ہے۔
 بدایونی کا بیان ہے:

”کتابی دارد در فقہ حنفی... شیخ زین سراجی بران نوشتہ۔“
 اس کے علاوہ بابر نے اپنے مرشد خواجہ عبداللہ کی تصنیف ”رسالہ والدیہ“ کو ترکی زبان میں منظوم کیا ہے
 اس کے ماسوا ایک رسالہ عروض سے متعلق بھی لکھا ہے۔
 ترکی زبان پر ماہرانہ قدرت کے علاوہ بابر بادشاہ کو فارسی زبان و شعر سے بھی رغبت تھی۔ لہذا اس ذیل
 میں اس سے متعلق چند اہل علم کی آرا حسب ذیل ہیں۔
 اکبرنامہ میں ہے:

”بزبان فارسی نیز اشعاری دل پذیر دارد“
 تاریخ فرشتہ میں ہے:
 ”در علم موسیقی و شعر و انشا و املا نظیر نداشت“
 نظام الدین بخشی کا بیان ہے:
 ”شعر فارسی و ترکی خوب می گفت۔“

۱۔ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۳۴۲

۲۔ اکبرنامہ۔ ابوالفضل۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۱۳۶

۳۔ تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم صندوشاہ۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۲۱۱

۴۔ طبقات اکبری۔ خواجہ نظام الدین بخشی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۲۷

فہری ہروی رقمطراز ہے:

”غلب اشعار آن تبر کی است، ولی شعر فارسی بیشتر دارد۔“

جون کلراک کا بیان ہے:

ترجمہ:

”وہ (بابر) معرکہ آرائیوں کے باوجود ادب کے لئے وقت نکالتا تھا اور

فارسی شاعری کی لطافت و ظرافت کی ہمیشہ تعریف کرتا تھا۔“

راقم الحروف کی اطلاع کے مطابق بابر بادشاہ کے فارسی اشعار کا کوئی مکمل دیوان نہیں ملتا البتہ مختلف مواقع پر کہے گئے منتشر فارسی اشعار نہ صرف ’تزک بابر‘ بلکہ دیگر کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بے شک ان فارسی اشعار کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور بابر فارسی زبان کا صاحبِ دیوان شاعر نہیں ہے۔ لیکن بابر کی شخصیت کے پس منظر میں اشعار کے تخیل اور سبک کی ایک خاص اہمیت ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ امر ضروری ہے کہ بابر کی ادب پروری کا ذکر کرتے ہوئے ہم خود اس عظیم الشان بادشاہ کے فارسی اشعار کو موردِ مطالعہ قرار دیں۔ ایک اور وجہ جو بابر کے اشعار کو ایک خاص مقام عطا کرتی ہے وہ یہ کہ مغل دور میں عروج پائے جانے والے نمائندہ سبک یعنی سبکِ ہندی کی تخم ریزی ان اشعار میں ہوتی ہے۔ زیرِ بحث باب میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ بابر بادشاہ کے وہ تمام اشعار جو ”تزک بابر“ اور معتبر مآخذ میں دستیاب ہیں۔ جمع آوری اور تقابل کیا جائے اور اس کے سبک پر ایک اجمال نظر ڈالی جائے وہ مآخذ جن سے ہم نے بابر کے یہ اشعار حاصل کئے ہیں فی زمانہ مرحلہ طے سے معتبر مانے جاتے ہیں مثلاً اکبر نامہ، نفائس المآثر، منتخب التواریخ، تاریخ فرشتہ وغیرہ۔ اس ذیل میں ان ابیات سے بھی مختصر بحث کی گئی ہے جو معروف ہیں اور عام طور پر ان کو بابر بادشاہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے ہم تزک بابر ہی سے منتخب کردہ فارسی اشعار کو زیرِ نظر کرتے ہیں۔

لے تذکرہ روضۃ السلاطین۔ فہری ہروی۔ ص۔ ۱۵۲۔ ایران ۱۳۴۰ھ

۷۔ مسٹری آف انڈیا۔ جون کلراک مارشمن۔ جلد اول۔ ص۔ ۹۶۔ ۹۵۔ لندن ۱۸۶۷ء

کابل کی فتح کے بعد بابر نے تمام مال غنیمت لوگوں میں منقسم کر دیا تھا اس کے بوجہ بھی لوگ اس سے مطمئن اور خوش نہ تھے۔
وہ لکھتا ہے:

”باوجود این عجب بلا نیست کہ ہمیشہ مردم را عیب می کنند غیر از باریا
و اند جان دیگر را رعایت نمی کنند مثل است ترکی یعنی دشمن چسیت کہ
نمیگوید و در خواب چست کہ نمی در آید۔“

شعر: دروازه شہر را توان بست

نہ توان دہن مخالفان بست

۹۰۵ھ میں بابر بڑی مفلسی اور پریشانی کے دور سے گزر رہا تھا جس کا ذکر وہ اس طرح کرتا ہے:

”وقلح سنہ ثمان و تسماۃ این یورش خان اندکی بیفایده تر یورشی
بود قلعہ گرفتنی غنیمت زیر کردنی نی رفتند و آمدند درین مدت کہ در تاشکند
بودم خیلی فلاسی و خواری کشیدہ شد ولایتی بی امید داری و ولایتی نوکر
اکثر پریشان شدہ۔ معدود چند کہ ماندہ بودند از فلاسی ہمراہ من نمیتوانند
گشت۔“

... چنانکہ گفتہ اند

شعر: امروز بکش چو می توان کشت آتش چو بلند شد جہاں سوخت
مگذار کہ زہ کند کمان را دشمن چو بہ تیر می توان دوخت

بابر خواجہ کلان کو جو اس کے درباری امراء میں سے تھا بہت دوست رکھتا تھا۔ چنانچہ زیر نظر شعر بابر نے

اس کو ایک فرمان کے حاشیہ پر لکھ کر بجور بھیجا۔
بارنامہ میں ہے:

” در حاشیہ فرمان این بیت است۔“

بیت: صبا بلطف بگو آن غزال رعنا را

کہ سر بگوہ و بیابان تو دادہ مارا

۱۵۹۷ھ میں بابر نے خواجہ کلاں کو بجور کے قلعہ کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ مگر اس کی جدائی برداشت نہ کر سکا۔

چنانچہ خود لکھتا ہے:

” روز یکشنبہ چہار دہم ماہ بخوجہ کلاں توغ عنایت کردہ قلعہ بجور
رخصت دادہ شد از رخصت دادن بعد از یک دور و زاین قطعہ بخاطر آمد
بخوجہ کلاں نوشتہ فرستادہ شد۔“

قطعہ۔

قرار و عہد بیار این چنین نبود مرا گزیدہ مجرور کہ د بے قرار آخر
بہ عشوہ های زمانہ چہ چارہ سازد کس بجور کرد جدایار از یار جدا
پانی بیت کی لڑائی کے موقع پر نہ صرف بابر بلکہ اس کے تمام ساتھی نئے ملک کے تہذیب و تمدن نئی زبان اور
غیر مانوس ماحول سے پوری طرح پریشان اور مضطرب تھے چنانچہ اس موقع پر بابر خود تحریر کرتا ہے کہ:
” بعضی از مردم خیل مسترد و متوہم بودند و توہم و تردد بی تقریب است

۱۔ بارنامہ۔ ص۔ ۱۳۴

۲۔ بارنامہ۔ ص۔ ۱۳۸

۳۔ بارنامہ۔ ص۔ ۱۷۳-۱۷۴

آنچه اللہ تعالیٰ در ازل تقدیر کرده است دیگر نمیشود۔ اگرچہ آنہا را ہم عیب
 کردہ چرا کہ از وطن دوسہ ماہیہ راہ آمدہ شدہ بود بغریب قوی کار مردم
 افتادہ بودنی بازبان آنہا میدانستم فی آنہا زبان مارا۔“

پریشان جمعی و جمعی پریشان
 گرفتار قوی و قوی عجائب

بیرت:

بیانہ کی تسخیر کے موقع پر بابر نے اس کے حاکم نظام خان کو وعدہ وعید کے ساتھ فرمان بھیجا جس پر ذیل قطعہ
 بھی لکھا۔

بابر نامہ میں ہے:

”... قاسم سنبلی را در پیش این امر آوردہ مردم مارا در قلعه سنبلی
 در آرد کوچ و متعلقان قاسم سنبلی را سلامت و سالم بر آوردہ فرستادند
 بہ بیانہ قلندر پیادہ را فرستادہ بہ نظام خان فرمانہای وعدہ وعید
 فرستادہ شد این قطعہ را در بدیہ گفتہ فرستادہ شد۔“

قطعہ

باترک سیتزہ مکن ای میر بیانہ
 گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش
 چالاک و مردانگی ترک عیان است
 آنجا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان

۹۳۳ھ میں جب بابر نے چندیری پر فتح حاصل کی تو اس فتح کی تاریخ کا مادہ بڑے خوبصورت انداز میں بابر
 نے کہا۔

وہ خود بیان کرتا ہے:

”بغایت الہی این چنین قلعه نامداری علم و تقارہ نیاوردہ

۱۔ بابر نامہ ص۔ ۲۰۹۔ (تاریخ فرشتہ۔ جلد اول ص۔ ۲۰۷)

۲۔ بابر نامہ ص۔ ۲۲۰ (تاریخ فرشتہ۔ ص۔ ۲۱۰ پر بالا ابیات نقل ہیں)

بجد جنگ نینداختہ در دوسہ کری فتح شد بر بالائی کوہ طرف غرب شمال
چندیری از سر کفار یک کلمہ منار بر خیزانده شد بجهت تاریخ این فتح
لفظ "دار الحرب" را تاریخ یافته بود من این چنین بستم۔"

تاریخ:

بود چندی مقام چندیری پر ز کفار و دار حربی ضرب
فتح کردم بحرب قلعه آن گشت تاریخ "فتح دار الحرب"
بار نے ایک چشمہ کے پتھر پر ذیل اشعار کندہ کروائے تھے۔

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت
بسر چشمہ شد بسنگی نوشت
برین چشمہ چون مالبسی دم زدند
برفتند تا چشم بر ہم زدند
گرفتیم عالم بہ مردی وزور
ولیکن نہ برویم باخو و بلور

مندرجہ بالا ابیات کے مانند تزک میں اور بہت سی جگہوں پر کبھی مختلف موقعوں پر بابر کے فارسی
اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان تمام واقعات کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہو گا لہذا ذیل میں ہم وقع کو حذف کر کے
ذیل میں فقط ابیات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ بہر حال ہر بیت کے ساتھ صفحہ نمبر دیا جا رہا ہے۔

کارھا الوقت باید جست کار بی وقتست باشد دست

(تزک باری موسوم بابر نامہ۔ ص ۴۷)

ہیچکس چون من خراب عاشق و رسوا مباد ہیچ محبوبی چو تو بی رحم بی پروا مباد

(ص ۴۸)

تو بدکنده خود را بر روزگار سپار کہ روزگار ترا چاکریست کینہ گزار

(ص. ۱۲۷-۱۰۱)

زن بد در سرای مرد نکو ہم درین عالم است دوزخ

(ص. ۱۰۷)

ہر نیک و بدی کہ در شمار است تا در نگرہی صلاح کار است

(ص. ۱۲۳)

اگر تیغ عالم بچند ز جای نبرد ز کی تا نخواہد خدائی

(ص. ۱۲۶)

ہر چہ در آئینہ جوان بیند پیر و خشت پختہ آں بیند

(ص. ۱۳۳)

جیسا کہ قبلاً تذکرہ کیا گیا "تزک باری" کے علاوہ دیگر فی زمانہ اور معتبر مآخذ میں بھی جا بجا بابر بادشاہ کے فارسی اشعار پائے جاتے ہیں مثلاً۔
اکبرنامہ میں ہے:

این دو مطلع نیز از اشراقاتِ ضمیر انوار است

ہلاک میکنم فرقت تو دانستم دگر نہ رفتم ازین شہری تو اقسام

تا بزلت سہیش دل بستم از پریشانی عالم رستم

نفائس المآثر میں بابر کے ذیل اشعار پائے جاتے ہیں:

متصل مارا خیال مافرویان در سراسر است من غلام ان پیر پر ویم کہ عاشق پرور است

۱۔ اکبرنامہ - ابوالفضل - جلد اول - ص. ۱۳۷

۲۔ تذکرہ روضۃ السلاطین ص. ۵۴ اور حبیب گنج بیاض میں ہلاک کی جگہ خراب کے ساتھ یہ شعر ملتا ہے۔

۳۔ نفائس المآثر - مرزا علاؤ الدولہ قزوینی (مخطوطہ نمبر ۲۳۸۸) کتابخانہ رضا امپور

لالہ داغ تو اندم کہ بدل حاصل بود داغ عشق تو مرا لالہ صفت در دل بود

گیتی کہ اولش عدم و آخرش فناست او گمان ثبات بقا خطا ست
و اثنی مشو بعمر کہ در خواب غفلت است آنکس کہ چار بالش ارکاتش متکاست
بدایونی نے بھی بابر بادشاہ کے کچھ اشعار بیان کئے ہیں:

چو جان آخر از تن رود همان بہ کہ باری بہ عزت رود
سرا انجام گیتی صہین ست و بس کہ نامی پس از مرگ ماند بکس
حبیب گنج بیاض جو کتاخانہ آزاد علیگرٹھ میں موجود ہے اس میں بابر بادشاہ سے منسوب ذیل ابیات پائی جاتی ہیں۔

ہرگز زنا ر حسن (او) پروای مانکرد بامازار (.....) نکر د
صد وعدہ داد از لب شرین خویش لیک مردم درین امید کہ وعدہ وفا نکر د
تا او گشاد آن لب پر خندہ در چمن پیراھنی نہاند کہ غنچہ قبا نکر د
ہر تیرکز خدنگ جفا سوی سا فگند افتاد بر نشانہ ہرگز خطا نکر د
بابر بکوی دوست ہی خواست جان دہد این کار دولت است چہ سازد خدا نکر د
متفرق ابیات حسب ذیل ہیں۔

نامہات بر حشم گریان (بگیرم تر) شود وز نہم بر سفینہ می رسم کہ خاکستر شود

۱۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ جلد اول۔ ص۔ ۳۴۔ کلکتہ ۱۸۶۹ء
(مذکورہ دونوں اشعار تاریخ فرشتہ۔ جلد اول۔ ص ۲۰۸ پر بھی نقل ہے)

۲۔ حبیب گنج بیاض نمبر ۹۶
۳۔ یہاں عبارت کرم خوردہ ہے۔

زنادانی طلب کردیم جاہ و سر بلندی را (بجے) ندانستیم قد و سر بلندی را

بردن نامہ خد فکش از درون ناتوان من مگر بانادکش بیونددار و استخوان من

در دور ماز کہنہ سواران یکی می است آن کودم از قبول نفس می دمدنی است

ہر دل کہ والہ رخ آن ماہ پارہ نیست آن را گوی دل کہ کم از سنگپارہ نیست
بابر بادشاہ کی کچھ رباعیات بھی دیگر حوالوں سے ملتی ہیں۔ ابوالفضل کو بابر کی ذیل رباعی بہت پسند تھی۔
اکبر نامہ میں ہے:

این رباعی از واردات طبع فیاض آنحضرت است
درویشان را اگرچہ نہ از خویشا نیم
لیک از دل و جان معتقد ایشا نیم
دور است بکوی شاہی از درویشا نیم
شاہیم و بی بندہ درویشا نیم

۱۔ یہاں عبارت کرم خوردہ ہے۔

۲۔ فخری مرودی نے روضۃ السلاطین (۳۵-۳۴) پر اس بیت کو بابر قلندر کے نام سے درج کیا ہے۔ بابر بادشاہ اور بابر قلندر کے کچھ اشعار اس طرح باہم غلط ملط ہو گئے ہیں۔ جو آج بھی محققین ادب کی نظر میں مسئلہ بحث بنے ہوئے ہیں۔
اکبر نامہ ابوالفضل ج۔ اول۔ ص۔ ۱۳۷

ہلاک می کندم فرقت تو دانستم
وگر نہ رفتم ازین شہری توانستم
تا بزلت سیہش دل بستم
از پریشانی عالم رستم

بابر بادشاہ کو صوفیاء سے بڑی عقیدت تھی اور بہت زیادہ اخلاص رکھتا تھا۔ ان کے وصال کے بعد شیخ کا تصور کر کے ذیل رباعی کہی:

در ہوائے نفس گمرہ عمر ضائع کردہ ایم پیش اہل اللہ از افعال خود شرمندہ ایم
یک نظر با مخلصانِ ستہ دل فرما کہ ما خواجگی را ماندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم
خود ہی مرشد کی جانب سے جواب دیتا ہے:

اخلاص و عقیدہ تو روشن شدہ است حالات و طریقہات برہن شدہ است
حایل چو نماید رود ہر خیزد بیا دل خواہ تو تربیت معین شدہ است
بابر کا مندرجہ ذیل معروف شعر آج تک صاحبان علم کی نظر میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔

بیت
نوروز و نو بہار و می دلبری خوش است
بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست
فرشتہ مذکورہ بیت کی بابت لکھتا ہے:

”در بیرون کابل بدامنہ مرغزاری کہ از بہشت برین نشانی بود ،
ہر من کوچک در سنگ کندہ شراب ارغوانی پر می کزد و بامردم طبع نرم

۱۔ نفائس المآثر۔ مرزا علاؤ الدولہ قزوینی ص۔ ۱۷۹ (نسخہ خطی نمبر ۲۳۸۸)

۲۔ ایسٹری آف پرشین لیکلوج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ۔ عبدالحی جلد اول۔ ص۔ ۵۶

۳۔ تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ہندو شاہ۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۱۲۔ ۲۱۱

نشاط برپا کردہ داد انبساطی داد۔ درین بیت خود را در کنار آں حوص این
بیت کند! ۱۰۰

بیت:

نوروز و نو بہار و می دلبری خوش است
بابر بعش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست

فرشتہ کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف اہالیان علم و ادب اور ناقدین نے اس شعر کو مورد بحث بنایا ہے اور بابر
بادشاہ سے اس کے انتساب پر اپنی آرا کا اظہار کیا ہے:

۱۔ اس بیت کے بارے میں تازہ ترین محققین پروفیسر امیر حسن عابدی سابق صدر شعبہ فارسی دانشگاه اسلامی دہلی کی ہے جس کا
ذکر کرنا ضروری ہے۔ آپ کا پر ارزش مقالہ ”بابر بعش کوشش عالم دوبارہ نیست“ عنوان کے تحت بخش فارسی دانشگاه اسلامی
علیگرہ کے توسط سے شائع ہوا ہے۔ ذیل میں آپ کے سودمند اور دانشمندانہ خیالات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ کا بیان ہے یہ شعر بابر قلندر بن ابوالقاسم بایستغرمیرزا کا ہے۔ جو عام طور پر مشہور نہیں ہے۔ ولیم ہیل نے
دونوں بابروں کا ذکر کیا ہے۔ بابر قلندر کے متعلق لکھا ہے کہ بابر (سلطان ابوالقاسم، بایستغرمیرزا کے بیٹے اور شاہ رخ میرزا
کے پوتے تھے) مؤلفین تذکرہ منتخب الطالب نے (ص ۹۱) اور ریاض الشجرانے (ص ۱۱۶) پر بھی لکھا ہے کہ بابر بہادر ابوالقاسم
بایستغرمیرزا کے بیٹے تھے۔ نیز ان کے ان دو شعر نقل کئے ہیں۔

گفتم بتا چہ چارہ کم در غم تو گفت اینجا جز آنکہ جان سپارند چارہ نیست

نوروز و نو بہار و می دلبراں مست بابر بعش کوشش عالم دوبارہ نیست

ایک جگہ آپ نے ڈاکٹر عبدالحسین نوائی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”بابر بزبان فارسی نیز توجہ فراوان داشتہ و بدین
زبان می گفتہ از اشعار او نمونہ های در کتب مختلف می توان دید“ نیز اکبر نامہ کے حوالے سے یہ شعر لکھا ہے۔

نوروز و نو بہار و می دلبری خوش است

بابر بعش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست

آپ نے لکھا ہے کہ مجھے یہ شعر اکبر نامہ میں نہیں ملا۔ بہر حال نوائی صاحب نے اپنے مضمون کے حاشیہ میں یہ بھی لکھا کہ شمار

مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ کراچی یونیورسٹی کے محمد صابر صاحب نے بابر کے کچھ اشعار اس کے دیوان کے کسی ایسے مخطوطے کے حوالے سے جو استنبول یونیورسٹی محفوظ ہے اردو نامہ کراچی میں شائع کئے ہیں۔ سید صباح الدین عبدالرحمن نے بزم تیموریہ کی جلد اول میں ان اشعار کو نقل کیا ہے۔ راقم الحروف نے ان ابیات کی دوسرے معتبر مآخذ سے متاثرہ کرنے کی بہت کوشش کی اور اس ضمن میں کتابخانہ رضا، امپور، کتابخانہ خدابخش پٹنہ اور کتابخانہ مولانا آزاد وغیرہ سے چھان بین کی مگر کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ چنانچہ اسی سلسلے میں استنبول یونیورسٹی کو خط لکھا تا کہ زیر بحث ابیات کے بارے میں بخوبی اطلاعات فراہم ہو سکیں باوجود تقاضے کے کوئی جواب نہ آیا کہ سید صباح الدین عبدالرحمن کے ذریعہ ”بزم تیموریہ“ میں نقل شدہ اشعار کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ کیوں کہ سید صباح الدین کا شمار ہمارے ملک کے سنجیدہ دانشوروں اور محققین میں ہوتا ہے۔ لہذا ان کے ذریعہ دی گئی اطلاع کو معتبر خیال کرتے ہوئے زیر نظر ابیات کو شامل کیا گیا ہے۔

بہشتیہ تراذ اشعار اردو کتاب ”شاہان شاعر... آمدہ“ مؤلف شاہان شاعر نے یہ شعر ظہیر الدین بابر کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس نے عید کے دن پوری غزل کہی تھی۔

صرف نوائی صاحب ہی نہیں بلکہ بہت سے تذکرہ نویسوں اور دانشمندیوں نے اشتباہاً اس شعر کو ظہیر الدین بادشاہ ہند کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ بابر نے بلخ کابل میں ایک حوض کے پتھر پر یہ شعر کندہ کر دیا تھا مگر اس کا یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے کہ خود بابر نے یہ شعر کہا تھا البتہ اسے اپنا لیا تھا۔ آگے آپ نے لکھا ہے کہ میرے خیال میں سب سے پہلے فرشتہ نے یہ شعر ظہیر الدین بابر بادشاہ دہلی کی طرف منسوب کیا تھا۔

(ادب شناسی ص ۲۳۳)

۱۔ بزم تیموریہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، جلد اول۔ ص ۲۵-۲۲ معارف اعظم گڑھ۔

(۱۹۴۳ء میں شائع شدہ بزم تیموریہ میں مذکورہ بالا اشعار نقل نہیں ہیں البتہ ۱۹۴۳ء کی طباعت شدہ

بزم تیموریہ میں موجود ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے یہ تمام ابیات سید صباح الدین عبدالرحمن کو بعد میں حاصل

ہوئے ہیں)

تمام ابیات اس طرح ہیں :

ای ماه شام وصل تو صبح سعاد تست	روزِ جدائی تو دلی شام محنت
جانم بکن جراحت و راحت رساں بدل	از تو بجان خستہ جراحت چورا محنت
حالے کہ ماندہ برج لالہ گون خویش	بر جان بیدلان تو آن داغ حسرت
از کام جام بارہ بگرید کام دل	اکنون کہ وقت بادہ و نہ کام عشرت
گر ریخت یار خون تو ز نہار دم مزین	خوش باش بابر کہ مہین دم غنیمت

لالہ را داغ از اندم کہ بدل حاصل بود	داغ عشق تو مرا لالہ صفت بردل بود
عمر من رفت و مرا وقت او ساخت ہلاک	چکنم عمر من دل شدہ مستعل بود
بابر از عقل و فرومایہ چہ تشویش کشید	ای خوش آن دم کہ ز می بخود دلا بقل بود

ہیچ کس چون من خراب عاشق و رسوا مباد	ہیچ محبوبی چو توبہ رحم و بی پروا مباد
تا چند در فراق تو سوزیم ہجو عود	چون بوی درد ہیچ ندارم ازیں چہ سود
خراباتی و رند و می پرستم	بعالم ہر چہ میگویند ہستم
دل شد اشیر در دیکی یار جانی	دردا کہ او نکرد بدل مہربانی
ہر دم از شوق توام میشود افزون گریہ	میکنم در ہوس لعل بست خون گریہ
ہمہ در پیش تو مقبول و مراد کردی	بایدان نیک شدی و دل من بد کردی
چون یار بیو فایم ہر دم بہ عمر و زید ست	کردیم ترک عشقت عاشق شدن چہ قید ست
ہستم خوار و زار و اسیر و غریب ہم	دور از دیار و یار بہ محنت قریب ہم
آن ماہ را ز سوز خود آگاہ چون کنم	امکان دم زدن نہ بود آہ چون کنم
از یار و از دیار چون من بی نصیب نیست	گر یار بندہ را بنوازد و غریب نیست

آدل آزاری کہ باشد درد دل آزارم ازو	فی المثل حورو پیری باشد کہ بیزارم ازو
ز جور دور زمان چند بیج و تاب خوریم	کجاست یک دو حریفی شراب ناب خوریم
بسیرا بہ بازار آن کو فتنہ	بسوی کہ بیزار آن کو فتنہ
بسوی کہ ز تقاضای دور آمده ایم	لگو بمیل تو مارا بجور آمده ایم
چو بادی چو ما بتلائے تو ایم	بہ ہندوستان از برائے تو ایم

بابر بادشاہ کی کچھ رباعیاں بھی منقول ہیں۔

من بندہ روی میر احمد قاسم	آشفۃ موی میر احمد قاسم
ہر لحظہ بلائی دیگہ آرد بر سر	این شیوۂ و خوی میر احمد قاسم

خواہسیم کہ خفیہ غمگسارم باشد	درمان دودای درد دل زارم باشد
ہر روز و ہمہ شب ز خدای خواہم	یعنی شب و روز در کنارم باشد

روی چوہ حنیفہ را بندہ شوم	موی سیہ حنیفہ بندہ شوم
خوی تبش گر چہ بلای جانست	خوی تہ حنیفہ را بندہ شوم

قاصد بمن آورد سلامت ای دوست	خوشحال شدم ز ذکر نامت ای دوست
تا نام سلام باشد اند عالم	نامی باشی دہم سلامت ای دوست

تو صاحب این مقبرۂ پیرمہ دان	در ہر غم و غصۂ دست گیرمہ دان
خوانم تو از من بشنو تا دانی	داند علی بخواں و مید ہمہ دان

ای ملک مدار معدست آثاری باید که فراموش نگردد یاری
در گوشه افتادم از خاطر دور غم نیست اگر گوشه خاطر داری

ای آنکه بود بکام چرخ فلکیست بر رای تو می کند همیشه حرکت
از تو گله نیست لیک آن نوع بکن ایمن شود این فقر از جانیکست

نام تو میان عجم و مهم عربست و زمانه تو در دل محزون طربست
هر کس ز معنای بدر آورد نامی نام از تو بر آورده معنای نیست

پندی ز رفیقان نشو رفتی چندے بکریان (۹۰۰۰) رفتی
از تو بدی نبود در خاطر ما رفتی تو نه نیک هر چه بودی رفتی

انداختم نسب چه ازشت بدست چون نیست عمل علم چه دست بدست
دستم بگرفتگی دارم خرسندم امید که دارسته شوم دست بدست

مده بخویش دگر زحمت ای قراچهره میان ما جوانی تهر چه تشویش است
من و حکایت خود بجوان بے ریشی توده صحیفی خود چو میاخی درویش است

بسی اسپان تازی مانده لاغر شده کاروان ناهنجار فربه
چه باید کرد کار دهر دون را جومی طالع ز خسروار همنربه

سیمیا جستہ ام نیافستہ ام مگر این حکم کیمیا دارد
رفت از یاد جملہ از افلاس مگر این علم سیمیا دارد

بندہ در حلقہ اشرف دگر زود گر ہمہ سر حلقہ کنی
بندہ حلقہ گوش تو شوم زان میان نام من از حلقہ کنی

بالا اشعار کے علاوہ ظہیر الدین بابر کی دیگر خصائص پر بھی نظر جاتی ہے۔ سب سے اہم خط بابر کی ایجاد جو شاید خط نسخ کی ہی ایک شکل تھی۔

عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے:

”از جملہ غرائب و اختراعات آن شاہ مغفرت پناہی خط بابر ست
کہ مصحفی بدان خط نوشته و بمکہ فرستاد۔“

جیسا کہ قبل تحریر کیا گیا ہے کہ بابر بادشاہ کی نمایاں ترین اور بلند ترین صلاحیتوں کا بے مثل و نادر شاہکار اس کی خود نوشت سوانح عمری ’تزک بابر‘ ہے۔ جو نہایت لطیف اور موثر انداز میں لکھی گئی جس پر قلم اٹھانا گویا آفتاب کو چراغ دکھانے کے برابر ہے اس میں بابر نے اپنی غیر معمولی باریک بینی، عمیق نظری، وسیع النظری، قوت مشاہدہ حقیقت پسندی اور متجسس ذہانت کی وجہ سے کسی شخص کی سیرت ہو یا کسی خاص ملک کے لوگوں کی خصوصیات، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، کسی قوم کے عمومی حالات ہوں یا معاشرتی، کسی ملک کا جغرافیہ ہو یا موسم۔ پہاڑ ہوں یا ندیاں، نباتات ہوں یا حیوانات، پھل ہوں یا پھول غرض کوئی بھی موضوع یا پہلو ایسا نہیں ہے جس کو اس نے بڑی مہارت دلکشی و خوبصورتی سے بیان نہ کیا ہو۔

ابوالفضل تزک بابر کے بارے میں اس طرح لکھتا ہے کہ:

”واقعات خود را از ابتدائی سلطنت خود تا حال ارتحال از قرار واقع

لے منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی۔ ج اول۔ ص۔ ۳۴۳

۵۲ اکبر نامہ۔ ابوالفضل۔ جلد اول۔ ص۔ ۱۳۶

بہارِ فصیح و بلیغ نوشتہ اند

حق تو یہ ہے کہ تزک بابر کی کا ذکر کے بغیر اس کی دیگر صلاحیتوں کے ساتھ انصافی ہو جاتی ہے اگر تہ ترکی زبان کا مایہ ناز سرمایہ ہے لیکن آج نہ صرف فارسی زبان بلکہ دنیا کی دیگر زبانوں کے لئے بھی ایک اہم شاہکار ہے۔ جو صاحبِ علم و ذوق کے لئے ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور بہترین کارماخذ کا کام انجام دیتی ہے۔

”تزک بابر“ کا آغاز بابر بادشاہ اپنی تاریخ تحت نشینی سے کرتا ہے کہ ذہر رمضان ۹۹۹ھ کو فرغانہ کا بادشاہ بنا۔ اور اس کے بعد خاندانی حسب و نسب اور اپنی دیگر کارکردگیوں کے حال کے ساتھ اپنی کامیابی، ناکامی، معرکہ آرائیوں، جنگ و جدال کا تفصیلی حال بڑی صداقت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جیسا کہ قبل از ذکر کیا گیا کسی خاص ملک یا لوگوں کی خصائص ان کے کارنامے، ہر ایک ملک کا جغرافیہ کا مکمل تفصیلی ذکر بڑی روانی و سلاست کیساتھ دلچسپ انداز میں بیان کرتا ہے جس کا تاریخی واقعات سے بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ حقیقتاً یہ اس کے نوک قلم کی خصوصیت یہی ہے کہ ”تزک بابر“ کا مطالعہ کرتے وقت خواندہ جس قدر غوطہ زن ہوتا ہے اتنے ہی اس کے اندر چھپے ہوئے لازوال علمی خزانے و علم و بہر کے بے مثل جواہر پارے ہاتھ آتے ہیں۔

بابر نے اپنی تزک میں جو تاریخی حقائق بیان کئے ہیں ان میں اس کی رائے، اس کے جذبات، اس کے فیصلے اور فلسفہ حیات اس قدر شامل ہے کہ دونوں کو علیحدہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے مشاہدات پر اس کے رجحانات کا رنگ چرچا ہوا ہے جب اس کی تزک کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ رہتے ہیں اس کے ساتھ سوچ رہے ہیں، اسی بیجانی رفتار سے حرکت کر رہے ہیں۔ جو اس کا خاصہ تھی اور اسی کی طرح ارد گرد کے حالات پر غور کرنے کے لئے ٹھہر جاتے ہیں۔

پشیا سوری لکھتی ہیں کہ لہ

”اس کی خود نوشت سوانح کا شمار ان انمول تحریروں میں ہوتا ہے جن کی

ہر زمانے میں قدر ہوتی ہے۔ اور اگر ایسے سینٹ اگٹائن اور رد سوکے

اعترافات نیز گتھن اور نیوٹن کی تو زکوں کی صف میں جگہ دی جائے تو

لے ہندوستانی دور وسطی کے مؤرخین محب الحسن میں ۱۷۷-۱۷۸۔ ترقی اردو بورڈ دہلی۔ ۱۹۷۶ء

تو موزوں رہے گی ایشیا میں اس کی مثال شاید نہ مل سکے۔
 ... ”وہ لکھتا ہے“ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ
 کسی کی رسوائی ہو میں نے جو کچھ کیا ہے وہ محض سیدھی سچی بات ہے ... میں نے
 واقعات ٹھیک اس طرح بیان کر دیئے جس طرح وہ حقیقتاً رونما ہوئے، لہذا
 میں نے میرا اچھا بُرا فعل، خواہ وہ فعل میرے والد کا ہو یا میرے بڑے بھائی
 کا، ٹھیک اسی طرح بیان کر دیا ہے جس طرح وہ واقع ہوا ہے۔ اور ہر شخص کی
 خواہ وہ شناسا کی ہو یا اجنبی کی، اچھائی یا برائی مکمل غیر جانبداری کے
 ساتھ واضح کر دی ہے۔“

جیسا کہ قبل تحریر کیا گیا بابر نے تاریخ میں جغرافیہ کا عمیق علم بھی شامل کر دیا ہے۔ جس کی مدد سے اس مخصوص مقامات
 پر رہنے والے لوگوں کے وسائل، آب و ہوا اور عادات کا اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے۔

”ولایت فرغانہ، از اقلیم پنجم است کنارہ معمورہ عالم واقع شدہ بشرق
 اوکا شغزو غزنی او سمرقند و جنوبی او کوہستان بسرحد بدخشان و در شمالی
 او ... ازین شہر ہا بودہ ... این فرغانہ مختصر ولایت است مآ میوہ و غلہ او
 فراوان است۔“ و درین ولایت ہفت قصبہ واقع است پنج بجانب
 جنوب دریا و بطرف شمال از قصبات جانب جنوب کی اند جانست کہ
 در وسط ولایت واقع شدہ پای تخت ولایت فرغانہ است غلہ و میوہ
 اش وافر فراوان است و انگور و خربوزہ او خوب میشود۔

فرغانہ کی زبان کے بارے میں لکھتا ہے:

لے تزک بابری۔ موسوم بابرنامہ۔ مترجم بیرم خانخان۔ ص ۲۔

لے یہاں لفظ مٹا ہوا ہے۔

لے بابرنامہ۔ ص ۲۹۰

”مردم ولایت فرغانہ ہمہ ترک اند و در میان شہر و بازاری کسی ترکی

ندانند نمی باشد“

آگے لکھتا ہے کہ یہاں کے لوگ خوبصورت ہوتے ہیں، موسیقی کا بہت شوق ہے۔ یہاں آب و ہوا خراب ہے آنکھوں کے دکھنے کی بیماری بہت ہوتی ہے۔ اسی طرح سمرقند کا جغرافیہ بیان کرتا ہے:

”در آخر ماہ ربیع الاول بغایت الہی شہر ولایت سمرقند میسر و مسخر

شد۔ در ربیع مکون برابر سمرقند لطیف شہر کمتر است از اقلیم بہنم است“

وہاں کے لوگوں کے بارے میں لکھتا ہے ”وہاں کے سارے باشندے راسخ العقیدہ سنی پابند شریعت اور مذہبی ہیں۔ اس کے بعد ممتاز علمائے دین کا حال بیان کرتا ہے۔ پھر وہ اس کی حدود دریاؤں، پھلوں، سرکاری عمارتوں، بازاروں، نابنائیوں، اور خانساماؤں پر آتا ہے۔ وہاں کے پھلوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

”انگور و خر بوزہ و سیب و انار بلکہ جمیع میوہ او خوب می شد بسیاری شود و میوہ سمرقند

مشہور است خصوصاً سیب و انگور“

سمرقند کے موسم کے بارے میں لکھتا ہے کہ ”سردی یہاں خوب ہوتی ہے۔ مگر کابل سی برف نہیں پڑتی ہوا اچھی ہے لیکن گرمیوں میں کابل کی ہوا کا مقابلہ نہیں۔ آخر میں لکھتا ہے:

”شہر سمرقند عجیب آراستہ شہر ہی است در سمرقند یک خصوصیتی است کہ در

شہر دیگر کم بودہ باشد ہر حرفہ کری را جدا بازار لیست و مخلوط نیستند طور رسمی

است دوکانہای نان وای خوب دارد و در عالم کاغذ خوب از سمرقند می برآید...

... ایک متاع دیکر سمرقند تجمل قرمزی است باطراف وجوانب می برند“

آگے لکھا ہے کہ ”سمرقند کے مقابلے کا دوسرا شہر بخارا ہے۔ یہ سمرقند کے مغرب میں تقریباً تیس میل (۵ فرسنگ) کے راستہ پر ہے۔ بخارا ایک خوبصورت اور اچھا شہر ہے اس میں میوے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اور ہوتے بھی بہت ہیں۔

سمرقند سے بابر کابل جاتا ہے تو پھر خوش بیانی سے کام لیتے ہوئے پہلے وہاں کا جغرافیہ بیان کرتا ہے ”کابل کا علاقہ چوتھی اقلیم میں ہے۔ یہ ملک کے بیچ و بیچ واقع ہے اس کے مشرق میں پشاور کا شغز اور ہندوکش کے بعض علاقے ہیں مغرب میں کوہستان ہے شمال کے بیچ میں قندز اور اندراب کا ملک ہے۔ یہ ہندوکش پہاڑوں کے بیچ میں ہے جنوب میں فرل اور افغانستان ہے“ ایک جگہ لکھا ہے کہ ”کابل تجارت کی بہت اچھی منڈی ہے ہر سال کابل میں آٹھ ہزار گھوڑے آتے ہیں۔ ہندوستان سے بھی پندرہ بیس ہزار آدمیوں کے قافلے کابل میں آتے ہیں۔ کابل کے موسم کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”ہوایش بسیار لطیف است کابل جای بہوای معلوم نیست کہ در کابل باشد۔ در تابستان شب بانی پوستین خواب نمی توان کرد۔ در زمستان اگر برف بسیاری افتد اما سرد او مفراط نیست۔“

کابل کے جنوب مغرب میں ایک بڑا پہاڑ برف سے ڈھکا ہوا ہے اس پہاڑ پر ایک سال کی برف دوسرے سال تک رہتی ہے کوئی بھی سال ایسا نہیں ہوتا ہوگا جس میں اس سال کی برف اگلے سال تک نہ رہتی ہو۔

وہاں کے میوے کے بارے میں لکھا ہے کہ ”کابل کے میوے مشہور ہیں۔ سردیوں میں انگور، بادام سیب، زرد آلو، بہی، سرود، شفتالو، بادام اور چار مغزمنوں کی تعداد میں ہوتے ہیں“ اس کے علاوہ وہاں کے جانوروں اور پرندوں کا بھی ذکر نیز ٹچھی آبی پرندے پکڑنے کے طریقوں کا بیان شروع ہو جاتا ہے۔ اس ملک کی زبان کے بارے میں کہا ہے کہ ”اس ملک میں عربی، فارسی، ترکی، مغلی، ہندی، افغانی، پشتو، پراچی، گبری

وغیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔

کابل سے بابر ہندوستان کی طرف بڑھا۔ اور یہ حق ہے کہ اس حیثیت کا شخص کابل کی بادشاہت پر کبھی بھی فتاعت نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ صرف لقب بادشاہ پر اس کو حق بجانب کر سکتا تھا کیوں کہ جن کے حصول کے لئے وہ اپنی زندگی اور یقین اور عقیدہ داؤں پر لگا رہا تھا۔ اس کا نصب العین ایک طرف تو بادشاہوں کا بادشاہ بننا تھا اور دوسری طرف اپنی خاندانی ورثے کا محافظ بننا تھا۔ عرض جب وہ بادشاہ بنا تو واقعی خوشی سے پھول گیا۔ چنانچہ وہ خود لکھتا ہے کہ:

”این دولت را از قوت وزر خود نمی بیستم و این سعادت را از سعی و
صدمت خود نمی دانم بلکه از تعین غنایت و کرم الہی است ممالک ہندوستان
و وسیع و پر مردم و پر حاصل واقع شد۔“

الغرض پانی پت فتح کرنے کے بعد وہ ہندوستان کی خوبیوں اور خامیوں پر غور کرتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب
ہندوستان پر مختلف راجاؤں کی حکومت تھی۔ چنانچہ وہ خود لکھتا ہے:

”در این تاریخ کہ من ہندوستان را فتح کردم پنج بادشاہ مسلمان و دو کافر
در ہندوستان بادشاہ میکردند۔“

پھر ہندوستان کسی ایک شہنشاہ کا تابع نہ تھا اور اپنی چھوٹی سی حکومت میں ہر راجہ برہم خود بادشاہ بن بیٹھا تھا
وہ مسلم اور غیر مسلم ہر طرح کی مغربی سلطنتوں پر غور و عرض کرنے کے بعد پھر اپنے پسندیدہ موضوع یعنی ملک کے
جغرافیہ پر آتا ہے۔

”ہندوستان از اقلیم اول و از اقلیم دوم و از اقلیم سوم است و از اقلیم چہارم
در ہندوستان جای نیست غریب مملکتی واقع شدہ نسبت بولایت مایان

عالم دیکر است کوہ و دریا و جبل و صحرا و حیوانات و نباتات و مردم و زبان
و باد باران ہمہ او بطریق دیکر واقع شدہ۔“

ہندوستان کے میدانی علاقے اس کے ذوق کو تسکین نہ دے سکے۔ جس کی جرئیں اس کی شخصیت میں گہری جاچکی تھیں اس نے ہمیشہ قدرت کی پاکیزہ مسترئیں حاصل کرنے کی کوشش کی، جنہوں نے ذہنی پریشانی کے عالم میں اسے سکون بخشا۔ وہ لکھتا ہے ”جتنے شہر اور میدانی علاقے ہندوستان میں ہیں کسی اور ملک میں نہیں ہیں۔“ یہاں کے کھیت عموماً دریاؤں سے سیراب ہوتے ہیں۔ دریاؤں سے نہر میں نکال کر شہروں تک پہنچائی گئی ہیں۔ حق کی وجہ سے بعض باغات خوب بھر بھرے ہیں۔

یہاں کی فصل کے بارے میں لکھتا ہے کہ ”ہندوستان میں خریف کی فصل کی کامیابی برسات پر منحصر ہے۔ مزید موسم کے بارے میں اس کا بیان ہے کہ :

” ہوائی برشکال او بسیار خوب می شود و کامی روزی می شود کہ وہ پانزدہ
بسیست مرتبہ می بارد در باران او در یک زمان سیل ہامی آید در جای
کہ، سیج آب نیست دریا جاری می شود در محل باریدن و در محل باریدہ ایستادن
غریب ہوایا می خوب می شود چنانچہ اعتدال و لطافت ہوا از ان نمی گذرد
عیش اینست کہ ہوا بسیار ترو نعم می شود۔“
ہندوستان کی فصلوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ :

” در ہندوستان سہ فصل می شود چہار ماہ تابستان و چہار ماہ برشکال
چہار ماہ زمستان ابتدائی ماہ ہا اواز استقلال ماہ ہا می ہلائی است در

ہر سال ایک ماہ راہ ماہی تابلستان می افزائند کبیسہ این یا اینست چہ
 بیساک، چیت۔ اسات تابلستان موافق موت و حمل و ثور و جوزا سانوں ۔
 بہادوں یوار۔ کاتک برشکال موافق سرطان واسد و سبلہ و میزان اکهن و
 پوس و ماہ پہاکن۔ زمستان موافق عقرب و قوس و جدی و دلو است۔“

ہندوستان میں دنوں کے نام کی تقسیم اس طرح ہے کہ سنچیر۔ اتوار۔ سوموار۔ منگل۔ بدھوار۔ برہستھوار اور شکر وار۔
 آگے لکھتا ہے کہ ”ہمارے وطن میں دن رات چوبیس حصّوں یا گھنٹوں پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ ہر گھنٹہ ساٹھ وقفہ کے ہوتے
 ہیں۔ لیکن ہندوستان کے لوگوں نے رات دن کو آٹھ حصّوں میں بانٹ رکھا ہے۔ ہر حصّہ گھڑی کہلاتا ہے۔ رات
 بھی چار پہروں اور دن بھی چار پہروں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کا اعلان گھڑیاں کے ذریعہ گھڑیائی کرتا ہے۔ اس کی
 پوری تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ میں نے اس میں ترمیم کی اور حکم دیا کہ ہر پہر کی گھڑیاں بجانے کے بعد کسی قدر رک کر
 اس پہر کا اعلان بھی کیا جائے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ گھڑیاں پہلے کی ہیں یا دوسرے تیسرے یا چوتھے کی۔
 ہندوستانی وزن اور گنتی کا بھی حساب کا طریقہ لکھتا ہے کہ ”ہندی وزن کے حساب سے آٹھ رتی میں ایک
 ماشہ، چار ماشہ کا ایک ٹانک۔ پانچ ماشیہ کا مشتقال، چالیس رتی، بارہ ماشے کا ایک تولہ اور ۸ تولہ کا ایک سیر
 اور چالیس سیر کا ایک من اور سون کا جنبا سا۔ ٹانک عموماً جواہر اور موتی تولنے میں استعمال ہوتا ہے۔
 ہندوستانی گنتی کا حساب یہ ہے دس سو کا ایک ہزار۔ اور سو ہزار کا ایک لاکھ۔ سولاکھ کا ایک کروڑ اور
 سو کروڑ کا ایک عرب اور سو عرب کا ایک کھرب اور سو کھرب کا ایک نیل سونیل کا ایک پدم اور سو پدم کا ایک
 سانک بنتا ہے۔

ہندوستان کے لوگوں کے طور طریقے اور رسم و رواج پر نظر ڈالتا ہے کہ یہاں کے لوگ ٹیکس ادا کرنے کے
 لئے کبھی خود سے آمادہ نہیں ہوتے ہیں اور موقع پاتے ہی بغاوت کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں لوگوں کا معیار زندگی
 یہ ہے کہ یہ لوگ جسم کو ڈھانکنے کے لئے زیادہ کپڑا استعمال نہیں کرتے ہیں۔ یہاں کے کاشتکار اور تنجے کے طبقوں
 کے سارے لوگ ننگے رہتے ہیں۔ وہ ایک چیز لپیٹتے ہیں۔ جس کو لنگوٹی کہتے ہیں۔ عورتیں بھی ایک لانگ لپیٹی ہیں
 اس کا ایک سراوہ اپنی کمر کے گرد باندھ لیتی ہیں اور دوسرا سر پر ڈال لیتی ہیں۔

ایک مقام پر لکھتا ہے کہ ہندوستان میں کام کے آدمیوں کی بہتات ہے۔ ہر شے کے بے شمار اور لاتعداد کاریگر اور دستکار موجود ہیں۔ کسی بھی کام یا روزگار کے لئے ایسے افراد کی پوری ایک جماعت مل جاتی ہے جو نسل در نسل مدتوں سے اسی پیشے یا کام میں مصروف ہیں۔

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ ہندوستانی سماج ذات پات پر مبنی تھا۔ چنانچہ ذات کے اس فرق کی بنا پر کسی بھی قسم کے سماجی تعلقات قائم نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ ذاتوں کے نظام کی پیچیدگی اس کی سمجھ سے باہر تھی اس لئے وہ لکھتا ہے کہ ”ہندوستان کے لوگ جانتے ہی نہیں کہ دوستانہ ماحول، بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ ملنا جلنا یا بے تکلف تعلقات کتنے دلفریب ہوتے ہیں۔“

بالاخصائے بیان کرنے کے ساتھ ہندوستان کے جانوروں، پرندوں، پھلوں پھولوں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ لکھتا ہے کہ ”ہندوستان کے جانوروں میں ہاتھی بہت اہم ہے۔۔۔ یہ بڑا قیمتی جانور ہے اس کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ ہندوستان میں ہاتھی کی بڑی اہمیت ہے۔

گینڈا یہ بھی بہت بڑا جانور ہے۔۔۔ ہاتھی کے مقابلے میں یہ زیادہ خوفناک اور خطرناک جانور ہے۔ نیل گائے اس کا سر نیلا اور گھوڑے کے برابر ہوتا ہے۔ جسم گھوڑے سے نازک ہوتا ہے۔ اس کا سر نیلا ہونے کی وجہ سے اسے نیل گائے کہا جاتا ہے۔

کوئی پتھر یا بھی یہاں مخصوص جانور ہے یہ ہرن ہی کی طرح قدار جسم والا ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں اس لئے یہ تیز نہیں دوڑ سکتا۔ ہرن کی ایک دوسری قسم کو ہندوستانی کلہرہ کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اس کی سب سے عجیب بات یہ ہے کہ مادہ کارنگ سفید اور زرد رنگ سیاہ ہوتا ہے۔

ہرنوں میں ایک خاص قسم کا ہرن جو میمنے کے برابر ہوتا ہے۔ ہندوستانی اسے بندر کہتے ہیں، بندر کو ہندوستانی جانوروں میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کی حرکتوں کی وجہ سے لوگ اسے پالتے ہیں۔ یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔

منگور یہ بھی ایک قسم کا بندر ہے۔ اس کی دم بڑی لمبی ہوتی ہے۔ بال سفید ہوتے ہیں اور منہ بالکل سیاہ ہوتا ہے یہ ہندوستان کے پہاڑوں اور پہاڑی جنگلوں میں بکثرت ہوتا ہے۔ ایک اور قسم کا بندر جزائر میں ہوتا ہے، جس کا رنگ زرد نیلا ہٹ لئے ہوئے پوستن جیسا ہوتا ہے۔ اس کا سر چوڑا جسم اور بندروں سے بڑا ہوتا ہے۔

ایک جانور نیولا ہے۔ چھوٹے کیس سے چھوٹا، درخت پر چڑھ جاتا ہے، بعض اس کو موش خرما کہتے ہیں۔
 گلہری ایک جانور چوہے جیسی شکل کا ہے۔ یہ ہمیشہ درختوں پر رہتی ہے۔
 جانوروں کی تفصیل کے بعد ہندوستانی پرندوں کا بیان ہے۔

سب سے پہلے مور کے بارے میں ہے کہ نہایت رنگین اور زینت دار ہوتا ہے۔ مگر اس کا ڈیل ڈول اس کے رنگ اور زینت کے مطابق نہیں ہوتا۔ بجور اور اس کے نیچے کے ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی اڑان بہت کم ہے اپنی اس کم پروازی کے سبب اکثر پہاڑوں میں رہتا ہے۔

ایک اور قسم کا پرندہ طوطی ہے۔ موسم بہار میں جب شہتوت پکتا ہے تو نیگہار اور لغانات میں آ جاتا ہے۔ یہ بہت خاص جانور ہے اور کئی قسم کا ہوتا ہے۔ اس کو لوگ پالتے ہیں اور بولیاں سکھاتے ہیں دوسری قسم کا طوطی اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کو جنگلی کہتے ہیں۔ یہ بجور اور سوات کے علاقوں میں بہت پایا جاتا ہے۔ ایک قسم کا طوطی اور ہوتا ہے یہ جنگلی طوطے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کا سر اور پردوں سرخ ہوتے ہیں، دم کا سرادو انگل کے قریب سفید ہوتا ہے۔

مینا بھی پالتو جانور ہے لغانات میں بہت پائی جاتی ہے۔ یہ بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ طوطے کی نسبت دیر سے باتیں سیکھتی ہے۔

نوحہ یہ بھی ایک جانور ہے۔ اس کو بولمون بھی کہتے ہیں۔ سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے صاف رنگ ہوتے ہیں قد و قامت کبک درہ کے برابر، عجب نہیں ”غالباً کبک درہ ہندوستان است“

تیتہ۔ یہ ہندوستان ہی کے ملک پر منحصر نہیں بلکہ گرم سیرولایتوں میں ہوتا ہے۔ اس کا قد کبک کے برابر ہوتا ہے اور پیٹھ کے پروں کا رنگ جنگلی مرغ جیسا، گردن اور سینہ کالا، اس پر سفید چٹیاں، دونوں آنکھوں کے دونوں طرف سرخ ڈورے پڑے ہوئے۔

کجل۔ ایک قسم کا تیتہ ہوتا ہے۔

یل بکار۔ جسم اور رنگ مرغی کا سا۔ ماتھے سے سینہ تک سرخ رنگ۔ یہ جانور ہندوستان کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔

جنگلی مرغی اور خانگی مرغی یہ دونوں بجور اور امان کے پہاڑوں سے نیچے میں پانی جاتی ہے۔
شام۔ خانگی مرغی کے برابر ہوتا ہے۔

پودنہ۔ یہ اور ملکوں میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس کی چار قسمیں ہیں۔
خرچیل۔ بڑے سے بڑا بوغداق کے برابر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ حرر، باعزمی قرائے، تنگ (یہ دریا کے کنارے پر رہتے ہیں) سازس، سکسار (قد سارس کے برابر اور جسم اس سے چھوٹا ہوتا ہے) لکک، برک کلاں، مرغابی، رمج، سارادر، یراغ نیکہ (اس کو مرغ جنگل بھی کہتے ہیں) چمگاڈ، نیکہ (جس کو ہندوستان میں نسیا کہتے ہیں) ارک (جس کو مولہ کہتے ہیں) مکرچہ، کوئل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ آبی جانوروں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ مثلاً شیرابی، جس کا گذر بڑے بڑے دریاؤں پر رہتا ہے سیسار یہ ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے۔ دریائی سور، تنہ ٹھلی جیسا ہوتا ہے۔ گھڑیاں یہ بہت بڑا ہے۔ یہ آدمی کو پکڑ لیتا ہے۔ کلہ ماہی، اس کے دونوں کانوں کے پاس دو ہڈیاں انگلی بھر کی نکلی ہوئی ہوتی ہیں اس کو پکڑو تو دونوں ہڈیوں کو ہلاتا ہے۔ جس سے ایک طرح کی آواز نکلتی ہے۔ پھلیاں ہندوستان کی پھلیوں کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ کانٹے بھی بہت کم ہوتے ہیں، مینڈک، یہاں کے مینڈک پانی میں سات آٹھ گز دوڑتے ہیں۔ جانوروں کے بعد میوؤں کا ذکر کرتا ہے۔ ”کہ نباتاتی کہ مخصوص ہندوستان است“ مثلاً

آم : ہندوستان کے عمدہ میوؤں میں سے ہے۔ اس میں خوشبو بہت ہوتی ہے۔ اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے۔ بعض تو آم کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ سوائے خریزہ کے سب میوؤں سے بہتر کہتے ہیں۔

کیلا : اس کو اہل عرب موز کہتے ہیں۔ اس کا درخت بہت اونچا نہیں ہوتا، کیلا بیگن سے لمبا اور تپلا ہوتا ہے میٹھا خوب ہوتا ہے، بنگالے کے کیلے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں۔

اٹلی : اس کو خرمائے ہندی کہتے ہیں۔ درخت بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ اور بڑھتا بھی بہت ہے۔

مہوہ : اس کا درخت خوشنما اور سایہ دار ہے۔ ہندوستانیوں کے مکانات میں اکثر مہوہ کی لکڑی کام آتی ہے اس کے پھولوں کا عرق کھینچا جاتا ہے۔

کھرنی : اس کا پھل زرد ہوتا ہے۔ مزہ کچھ انگور سے ملتا ہے۔

جامن: یہ پھل کالے انگور کی طرح ہوتا ہے۔ مزہ زیادہ اچھا نہیں ہوتا ہے کسی قدر ترشی لئے ہوئے ہوتا ہے۔

کمرک: دیکھنے میں آلو کے برابر ہوتا ہے۔ اس میں گٹھلی نہیں ہوتی اچھا اور لطیف میوہ ہے۔

گٹھل: یہ بڑا ہی بد صورت اور بد مزہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر قند کے دانے ہوتے ہیں جو کسی قدر خرما سے مشابہ ہوتے ہیں۔ ان دانوں میں کھجور سے زیادہ نرم گودا ہوتا ہے۔

بڑہل: دیکھنے میں سیب کے برابر ہوتا ہے، اس کی بو اچھی ہوتی ہے۔

بیر: اس کو کنار کہتے ہیں۔ یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔

کروندہ: ہمارے ملک کے چکے کی طرح لمبو ترہ گول، چکے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔

نیسالہ: سرخ سیب سے مشابہ، مزہ میں چاشنی دار لذیز میوہ ہے۔

گولسر: انجیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ عجیب بے مزہ پھل ہے۔

آملہ: سخت اور بے مزہ چیز ہے۔ اس کا مربہ برا نہیں ہوتا۔ بڑا سفید میوہ ہے۔

چمرو بچی: اس کا درخت پہاڑی ہے۔ اس کا مغز برا نہیں ہوتا۔ گٹھلی میں چار مغز اور بادام کی سی گری نکلتی ہے۔

کھجور: یہ لمغانات میں بھی ہوتی ہے۔ اس کا پھل انگور کی شاخ کی طرح لگتا ہے۔ مگر اس کا گوشہ انگور کے گوشے سے کہیں بڑا ہوتا ہے۔

ناریل: ایک نارگیل ہے۔ اہل عرب اس کو معرب کر کے تار جیل کہتے ہیں۔

تار: تار سے بھی کھجور کی طرح رس نکالتے ہیں اور پیٹتے ہیں۔ جس کو تار ی کہتے ہیں۔

نارنج: لمغانات میں چھوٹا اور نافع دار ہوتا ہے، نہایت لطیف، نازک، خراسان کے نارنج کو اس سے نسبت نہیں۔

لیمو: یہ کثرت سے ہوتا ہے۔ مرغی کے انڈے کے برابر بڑا اور اسی صورت کا، اگر اس کے ریشہ کو جوش دے کر زہر خوردہ کو پلاؤ تو زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔

ترنج : نارنج کے مشابہ ہوتا ہے۔ بجور اور سوات کے لوگ اسے بالنگ کہتے ہیں۔ اس کے مربے کو مربائے بالنگ کہتے ہیں۔

سنگترہ : ایک پھل مثل نارنج کے ہے وہ سنگترہ کہلاتا ہے۔ وضع اور رنگ نارنج سے ملتا جلتا ہے اس کا پوست صاف ہوتا ہے۔ کھٹا بہت ہوتا ہے جو شیریں ہوتا ہے وہ مرے کا ہوتا ہے۔

کلکل : نارنج جیسا، یہ بڑا لمبو ہے۔ اس کو ہندوستان میں کلکل کہتے ہیں۔

کرنا : یہ بھی نارنج سے ملتا جلتا ہے کلکل لمبو کے برابر ہوتا ہے۔

امل بید : نارنج سے مشابہ ایک پھل ہے۔ اس کی ترشی نارنج اور لمبو کی ترشی کے برابر ہوتی ہے۔

کملیم : یہ مرے میں میٹھا اور چاشنی دار ہے۔ بہت ہی خوشگوار ہوتا ہے۔

نارنگی : یہ ترشی اور میٹھا س لئے ہوئے ہے۔

پھولوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ ”در ہندوستان تور کھلہ می شود“

جاسون : بعض ہندوستانی گڑھل کہتے ہیں۔ اس کا درخت شاخ دار ہوتا ہے۔ اس کا رنگ انار کے

کے پھول سے زیادہ کھلا ہوا اور گلاب کے پھول کے برابر بڑا ہے۔ برسات کے مہینے میں زیادہ کھلتا ہے۔

کنیر :

یہ سفید اور سرخ رنگ دونوں کا ہوتا ہے۔ اس کی جڑ اور پتے شفالو جیسے سرخ پھول ہو بہو

شفالو کا پھول ہے۔ اس کے پھول چودہ پندرہ اکٹھے ایک جگہ کھلتے ہیں، سرخ پھول میں کھینی

کھینی بو ہوتی ہے۔ یہ بھی برسات کے موسم میں تین چار مہینے تک برابر کھلتا ہے اور اکثر سال بھر رہتا ہے۔

اس کی بو نہایت لطیف ہے۔ اہل عرب اس کو کاوی کہتے ہیں۔

اس کو چمپلی کہتے ہیں۔ ہمارے ملک کی یاسین سے کہیں بڑی اور خوشبو خوب تیز۔

اس کا درخت بڑا اونچا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس کی بو نہایت اچھی ہوتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے

بنفشہ یا زرگس کا بنا ہے۔ اس کا رنگ زرد ہوتا ہے۔

کیوڑا :

یاسمین :

چمپا :

بابر جہاں ایک طرف اہم اور دلچسپ اطلاعات دیتا ہے وہیں دوسری طرف دیگر اہل علم و فکر و معروف ہستیوں کے بارے میں اپنی آراء دیتا ہے۔ یہ وہ حضرات تھے جو یا تو بابر کے ندیم خاص میں سے تھے یا پھر ان کو اس کی تشویق و سرپرستی حاصل تھی۔

سلطان حسین کے بارے میں لکھا ہے کہ :

”بیچ کس برابر سلطان حسین میرزا شمشیرزده باشد طبع نظمی داشته دیوان

هم ترتیب داده بود، ترکی می گفتند مخلص حسنی، بوده بعضی از ابیات او

بد نیست اما تمام دیوان میرزا در یک وزن است۔“

اس زمانے کے ایک اور شاعر شاہ غریب جو سلطان حسین میرزا کے بیٹے تھے ان کے بارے میں ہے کہ:

”شاہ غریب، میرزا بود اگر ہبات اور بد بود طبعش خوب بود اگر یہ بدن

اونا تو ان بود کلامش مرغوب بود غریبی تخلص می کرد دیوان هم ترتیب داده بود

ترکی فارسی شعر ہی گفت این بیت از دست “

شعر درگذردنیم پریردنی شدم دیوانه اش

چلیست نام ادبجا باشد ندانم خانه اش

شیعی غلیظی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے بابا اور بڑے اور چھوٹے بھائی دونوں سنی تھے لکھا ہے:

”هیچ آنطور کاری از وفا هر شده که لایق نوشتن بوده باشد طبع نطفی هم داشت“

این بیت ازوست۔“

شعر الودہ کردی زنی صید کہ کشتی

غرق عرقی در دل کر می که کز شستی

۱۰۴۔ لے تنزک بابری۔ موسوم بابر نامہ۔ ص. ۱۰۴

۱۰۵

۳ بابرنامہ۔ // ص ۱۰۶۔

علی شیر بیگ نوائی کے بارے میں لکھتا ہے کہ

”امیر او بنود بلکہ مصاحب او بود در خروئی ہم مکتب بودہ خصوصیت بسیار
بودہ ... مزاج علی شیر بیگ بنزاکت مشہور است مردم نزاکت اور از
غور دولتش می دانستند این چنین نبود این صفت خیلی او بودہ در زمانیکہ
در سمرقند ہم بود ہمیں طور نازک مزاج بود علی شیر بیگ بی نظیر کسی بود زبان
ترکی شعر گفتہ است، ہیچکس اینقدر بسیار و خوب نکتہ است شش ثنوی نظم
کردہ پنج در جواب خمسہ دیگر در وزن منطق الطیر، لسان الطیر نام چہار دیوان
غزلیات ترتیب دادہ، غرایب الصغر، نوادر شباب، بدیع الوسط،
فوائد الکبر بعضی مصنفات دیگر ہم دارد ... دیوان فارسی ہم ترتیب کردہ۔
در فارسی فانی تخلص کرد بعضی ابیات او بد نیست ولی اکثر است و فردا ند
دیگر در موسیقی خوب چیز ہا بستہ۔“

شخم بیگ کے بارے میں ہے کہ:

”ہسلی تخلص کردہ شخم ہسلی میکفتہ اندیک طور شعری میکفتند الفاظ و
معانی ترساندہ و بجز درج میکردہ از جملہ ابیات او یکی اینست۔
بیت : شب غم کرد یاد آہم ز جامی برد کردوں
فرو برد از دہای سیل اشکم ربع مسکون را
دیوان ترتیب کردہ بود ثنویات ہم دارد۔“

حسین علی جلایر کے بارے میں ہے:

۱۔ بابر نامہ۔ ص۔ ۱۰۹۔ ۱۰۸

۲۔ ص۔ ۱۱۰

۳۔ ص۔ ۱۱۱

”شاعری بود طفیلی تخلص می کرد قصیدہ را بسیار خوب می گفت ...“

سید حسین کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

”شعر اگرچہ کم گفتہ بود ولی طوری می گفت اصطلاح و نجوم را خوب می دانست“

خواجہ عبداللہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

”خواجہ عبداللہ مروارید اول صدر بود ... خطوط را خوب مینوشتہ تعلیق

را بہتر خوب ترمی نوشتہ انشاہم خوب می کردہ شعر و نسبت بہ دیگر

حیثیات او فرود بود اما شعر را خوب می شناختہ“

کمال الدین کارکامی کے بارے میں ہے:

”اگرچہ صبری بنود مستصوف بود در پیش علی شیربیک این حنین متصوفان

جمع شدہ وجد و سماع می کردہ اند ... یک تصنیفی دارد مجالس العشاق

نام بنام سلطان حسین میرزا بستہ نوشتہ است۔“

مولانا عبدالرحمن جامی کے بارے میں ہے:

”در علوم ظاہر و باطن در زمان خودش این مقدار کسی نبود شعر او خود معلوم

است جناب ملا از اں علی تر است کہ بہ تعریف احتیاج داشتہ باشد

غایتش در خاطر گذشت کہ درین اجزای محقر از بہت تمین و تبرک نام

ایشان مذکور و شمع از صفات ایشان مسطور شود۔“

۱۔ بابزنامہ۔ ص۔ ۱۱۱

۲۔ ” ص۔ ۱۱۱

۳۔ ” ص۔ ۱۱۲

۴۔ ” ص۔ ۱۱۳

محمد صالح کے بارے میں لکھا ہے کہ^۱

” غزلیہاں چاشنی دارد اگرچہ ہمواری او در برابر چاشنی او نیست شعر ترکی

ہم دارد۔“

ایک اور محمد صالح کے بارے میں ہے^۲:

” شعر او مزہ ندارد خواند از شعر بی اعتقاد میشود و شعرهای ترکی نیز گفتہ۔“

یوسف بدلیچی کے بارے میں ہے^۳:

” قصیدہ را بدنی گفتہ۔“

بالا ان تمام اہل علم و فن کے علاوہ بدیع الزماں، سید محمد اوردس، میر علی میر خورد، بابا علی ایشک آغا، اسد بیگ، امیر عمر بیگ، مراد بیگ، محمد الدین محمد، عبداللہ حسین معانی، ملا محمد بدخشی آھی، شاہ حسین کامی، آصفی، اینسی اسفیری، ملا بنائی اور سیقی بخاری وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

علماء اور مشائخ کا بھی ذکر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام سیف الدین کے بارے میں بابر رقمطراز ہے کہ^۴:

” بسیار دانش مند کسی بود علوم عربیہ و علوم نقلیہ را خوب میدانست بسار

متقی و متدین کسی بود اگرچہ شافعی بود ہمہ مذہب را رعایت می کرد۔“

ملا شیخ حسین کے بارے میں ہے^۵:

” حکمیات و عقلیات و علم کلام را خوب می دانست در اندکی از الفاظ

۱۔ بابر نامہ۔ ص۔ ۱۱۵

۲۔ ” ص۔ ۱۱۵

۳۔ ” ص۔ ۱۱۵

۴۔ ” ص۔ ۱۱۳

۵۔ ” ص۔ ۱۱۳

”بسیار سخن یافتہ۔“

میر مرتاض کے بارے میں ہے:

”حکمیات و معقولات را خوب می دانستہ از آن جہت باین لقب ملقب

شدہ کہ بسیار روزہ می گرفتہ بشرط پنج شغف داشتہ۔“

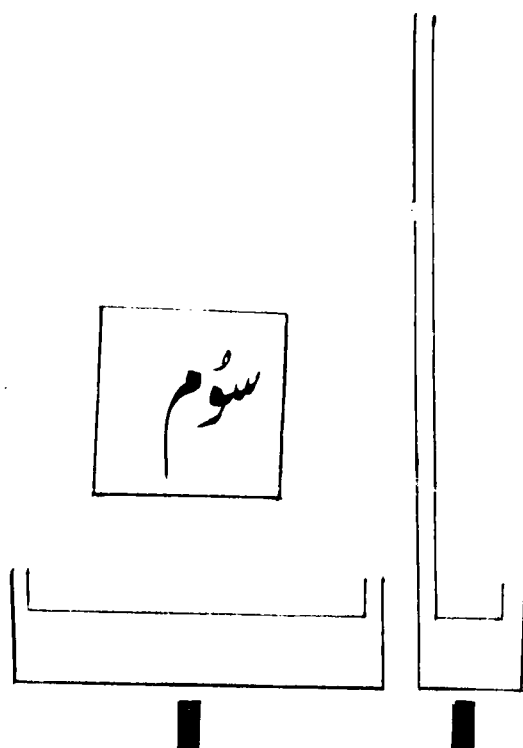
میر جمال الدین محدث کے بارے میں ہے کہ:

”در خراسان دانائی علم حدیث مثل او نبود۔“

عطاء اللہ مشہدی کے بارے میں ہے کہ:

”علوم عربیہ خوب می دانست در قافیہ رسالہ فارسی نوشتہ طوری نوشتہ۔“

مذکورہ علماء کے علاوہ ملا عثمان، ملا سعود شیروانی، ملا عبد الغفور لاری، میر کافی اختیار، ملا عبد الرحمن جامی اور میر محمد یوسف شاکر دیشیخ السلام وغیرہ کے بارے میں کافی اطلاعات فراہم ہوتی ہیں۔



نظری بروصنعت سیاسی واجتماعی هند در عهد همایون

گزشتہ باب میں طہیر الدین محمد بابر کے حالات کا مختصراً جائزہ لیا۔ جس کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک طرف ان حکمرانوں کی زندگی معرکہ آرائی جنگ و جدال اور ایک وسیع الارض حکومت کے انتظام و انصرام میں تو دوسری طرف علم و ادب کی پرورش و تشویق میں بھی مصروف رہی۔ اگرچہ بابر کو اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر میں ہندوستان کی عظیم الشان حکومت مل گئی مگر اس کی زندگی نے اس کے ساتھ وفانہ کیا اور وہ جلد ہی اس جہانِ آب و گل کو خیر آباد کہہ گیا۔

اس کے بعد اس کا جانشین نصیر الدین ہمایوں تختِ ہند پر جلوہ افروز ہوا جو ۹۱۳ھ میں کابل میں پیدا

ہوا تھا۔

گلبدن بیگم لکھتی ہیں کہ :

”ولادتِ مبارک ایشان در شبِ شنبہ چہارم ذی قعدہ ۹۱۳ھ
نہ صد و سینہ در ارک کابل در وقت کہ آفتاب در برج حوت بود تولد
شدند... و در سال تولد ایشان خود را بابر بادشاہ گویا نیند۔ تاریخ تولد
حضرت ایشانی سلطان ہمایوں خان یافتہ اند دیگر شاہ فیروز یافتہ اند“

ابوالفضل کا بیان ہے کہ:

”ولادت باسعادت حضرت جہانبانی جنت آشیانی شب سہ شنبہ چہارم
ماہ ذی قعدہ ہندو سیزدہ درارک کابل ازبطن مقدس حضرت قدسی قباب
پردہ نشین سراوقاف عفاف ماسم بیگم واقع شدہ۔“
ہمایوں کی ولادت باسعادت کے موقع پر بہت سے شعرا نے تاریخ کہی ہے۔
عبدالغنی کا بیان ہے کہ:

(ترجمہ)

”اس کی (ہمایوں کی) تاریخ پیدائش بہت سے شعرا نے کہی ہے۔ زیر نظر ابیات
باجرامیر خواجہ کلاں نے کہے ہیں۔

سال مولود ہمایوں شاہست زاد کو اللہ تعالیٰ قدرا
برده ام یک الف از تاریخش تا ششم میل دو چشم بدرا

اس کے علاوہ دیگر تواریخ بھی کہی گئیں۔

سلطان ہمایوں خان

شاہ فیروز قدر

بادشاہ صف تنکن

خوش باد

ہمایوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں زیادہ اطلاعات فراہم نہیں ہوئیں۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ شیخ زین الدین

۱۔ اکبر نامہ۔ ابوالفضل۔ جلد اول ص ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔

اور خواجہ کلاں جو بابر کے درباری امراء میں سے تھے، اس کے آلیق تھے،

عبدالغنی رقمطراز ہے کہ^۱

(ترجمہ)

”ابتدائی جوانی ہی سے وہ بابر کے درباری امراء خواجہ کلاں اور شیخ زین کی سرپرستی

میں رہا۔ اس کا باپ بابر بھی اس کی پرہائی کی طرف خاص توجہ مبذول رکھتا تھا

وہ ہمیشہ اس کی ہجاکی اصلاح کرتا تھا اور روزانہ لکھنے کی مشق کراتا تھا۔“

بادشاہ بن کر مہایوں نے جس علمی مذاق کا ثبوت دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم ویسی ہی ہوئی تھی جو ایک شہزادہ کے

لئے ضروری ہوتی ہے۔ تمام معاصر مورخین اس کو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی و ہدیت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں۔

۹۳۷ء میں جب ظہیر الدین محمد بابر نے زندگی کو الوداع کیا تو اس کا جانشین نصیر الدین محمد مہایوں تختِ سلطنت

پر جلوہ افروز ہوا۔

منتخب التواریخ میں ہے کہ^۲:

”در سنہ سبع و ثلثین و تسعایہ (۹۳۷) از سنبل بایلینار آمدہ باستصواب امیر

خلیفہ کہ وکیل و وزیر مطلق بود بر تخت سلطنت جلوس فرمود، و این تاریخ یافتہ کہ“

محمد مہایوں شہ نیک بخت کہ خیر الملوک است اندر سلوک

جو بر مسند بادشاہی نشست شدش سال تاریخ خیر الملوک

۱۔ اے سہٹری آف پرنسین یلگیج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ۔ جلد دوم۔ ص۔ ۵

۲۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ جلد اول۔ ص۔ ۳۴۳

(دیگر معتبر حوالوں۔ مثلاً اکبرنامہ۔ ص۔ ۱۴۰۔ فرشتہ۔ جلد اول میں (۲۱۱) سیر المتاخرین۔ ص۔ ۲۱

تذکرہ روز روشن (ص۔ ۹۳) پر سال جلوس مہایوں بادشاہ منقول ہے)

تاریخ شاہی میں ہے کہ

”بسی امیر نظام الدین خلیفہ کہ وکیل و رکن السلطنت بود دسہم جمادی الاول
۹۳۷ھ ہندو سی و صفت بر تخت جلوس نمود... چون زرکشی تقسیم کردند۔
کشتی زر تاریخ شد۔“

تخت نشین ہوتے ہی ہمایوں نے ولایتوں کی تقسیم شروع کی۔
ابو الفضل کا بیان ہے کہ

”یہ سچ یک از اخوان را از نعیم آں مواید میرزا کامران کابل و قندھار مقرر
شد و سرکار سنبل میرزا اختصاص یافت و سرکار الوریہ میرزا ہندال مکرمت فرمود
و بدخشاں بمیرزا سلیمان مقرر و مسلم داشتند۔“

الغرض ہمایوں نے ہنگامہ آرائی و ہمت سلطنت سے فراغت پا کر کالنجری جانب رخ کیا اور فتح جاصل کی۔ اس
کے بعد جونپور میں سکندر لودی کے بیٹے سلطان عالم نے سرکشی شروع کر دی تھی۔ اس فساد کو ختم کر کے آگرہ کی طرف
مراجعت کی وہاں پہنچ کر عظیم الشان جشن آراستہ کیا۔ جس میں بارہ ہزار آدمیوں کو خلعت سے نوازا گیا۔ اسی زمانے
میں محمد زمان میرزا جو اس زمانے میں بغاوت پر اتر آیا تھا گرفتار ہوا۔ ہمایوں نے بیانہ کے قلعہ میں بھیج کر اندھا
کرنے کا حکم دیا لیکن اس کی پتلیاں سلامت رہیں وہاں سے بھاگ کر سلطان بہادر گجراتی کے پاس پناہ لی۔ ہمایوں
نے اس کی طلب میں سلطان بہادر کو خط لکھے مگر اس کی جانب سے نامناسب جواب پائے۔ چنانچہ ہمایوں نے
آگرہ سے گجرات کا رخ کیا تو دوسری طرف میرزا کامران لاہور قندھار کی طرف یورش کی اور شاہ لہاس کے
بھائی سام میرزا کو جس نے ان دنوں خواجہ بیگ کا محاصرہ کیا تھا شکست دی۔ ہمایوں نے یہ خیال کیا سلطانہما

آج کل چتوڑ کا محاصرہ کئے ہوئے ہے اس وقت اس پر فوج کشی کرنا اور محاصرہ موقوف کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا بڑی بزمانی کی بات ہے اس وجہ سے کچھ دن سازنگ پور میں قیام کیا، ادھر سلطان بہادر نے قلعہ چتوڑ کو فتح کر کے ہمایوں کی طرف رخ کیا۔ چنانچہ نواحی مندسور میں دو ماہ تک لڑائی جاری رہی چنانچہ سلطان بہادر وہاں سے فرار ہو کر احمد آباد بھاگا لہذا ہمایوں نے احمد آباد میں خوب تاخت و تاراج کیا۔ اسی دوران قلعہ جانیانیر ہمایوں کے تسلط میں آگیا۔ ہمایوں بادشاہ احمد آباد کو مرزا عسکری کے حوالے کیا اور خود برہانپور چلا گیا تھا کہ میرزا عسکری نے امیر ہندو بیگ قوجین کی اتفاق رائے سے اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا ارادہ کیا مگر اس طرح ہونہ سکا۔ ہمایوں کو میرزا عسکری کے اس ارادے کا پتہ چلا تو مندوسے آگرہ کی طرف چلا تو میرزا عسکری نے راستے میں جا کر ملازمت اختیار کی۔ دوسری جانب سلطان بہادر نے تردی بیگ سے صلح کر کے جانیانیر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اسی سال شاہ طہماسپ عراق سے سام مرزا کا بدلہ لینے کے لئے قندھار آیا۔ مگر عمدہ خاطر و مدارات پا کر واپس چلا گیا، اور قندھار کو بدخاں خاں کے حوالے کر کے خود عراق واپس ہو گیا۔ اس کے بعد میرزا کامران نے لاہور جا کر قندھار فتح کیا۔ سلطان بہادر نے محمد زماں میرزا کو فتنہ برپا کرنے کے لئے ہندوستان بھیج دیا۔ میرزا کامران نے لاہور سے کوچ کیا۔ محمد زماں میرزا نے لاہور کو محاصرہ میں لے لیا۔ مگر جب بادشاہ کی واپسی کی خبر ملی تو گجرات کی طرف لوٹ گیا۔ ہمایوں بادشاہ کافی مدت تک آگرہ میں مقیم رہا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر شیر خاں افغان نے گور، بہار، جوئیور اور قلعہ چنار پر قبضہ کر لیا۔ تب ہمایوں اس کو دفع کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ ۹۴۳ھ میں چنار سے باہر پڑاؤ ڈالا۔ رومی خاں اور سلطان بہادر کی مدد سے فتح حاصل کی۔

انھیں دنوں شیر خاں حاکم بنگالہ نصیب شاہ سے لڑ رہا تھا۔ چنانچہ حاکم بنگالہ سے بھاگ کر ہمایوں بادشاہ کی پناہ میں آگیا اور اس کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ اسی اثنا ہمایوں بادشاہ نے مندو بیگ کو اعلیٰ منصب اور جوئیور کی حکومت عطا کی اور خود گڑھی کے راستے سے بنگال میں داخل ہوا۔

القصد جب ہمایوں بادشاہ بنگالہ میں پہنچا تو شیر خاں نے بڑی زبردستی کی دہوشیاری سے قلعہ رہتاس پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں کو بنگالے کی آب و ہوا پسند آئی۔ لہذا اس نے شیر گور کا نام جنت آباد رکھا۔ دو تین ماہ تو وہیں

توقف کرنے کے بعد واپسی کی۔ شیر خاں نے اس فرصت میں بہت جمعیت اکٹھی کر کے مہایوں بادشاہ کو عرضی لکھی کہ سارے پٹھان حضور کے فرما بردار اور غلام ہیں اور جاگیر کی آرزو رکھتے ہیں۔ اگر حضور سے ان کی جاگیریں عطا ہو گئیں تو بہت مناسب ہوگا۔ بادشاہ اس مضمون کو دیکھ کر اس کا اصل مطلب سمجھ گیا۔ اس سفر میں مہایوں کا سامان خراب ہو گیا تھا اکثر گھوڑے اور اونٹ مر گئے جو بانی تھے وہ لاغر اور ضعیف تھے۔ مہایوں اس کی دوستی کی وجہ سے فکر میں تھا اسی دوران محمد سلطان میرزا اور شاہ مرزا نے دہلی میں فساد برپا کر دیا۔ مہایوں نے میرزا عبدال کو اس کی گوشمالی کے لئے بھیجا مگر وہ اس مہم کے بہانے رخصت ہو کر آگرہ چلا گیا۔

۹۴ھ میں میرزا ہندال نے شیخ بہلول، شیخ محمد غوث گوالیاری کو قتل کر دیا۔ شیخ بڑا عامل تھا اور بادشاہ بھی اس کا بہت معتقد تھا۔ اسی سال میرزا ہندال نے آگرہ میں اپنے نام کا خطبہ پڑھا۔
احمد یادگار اس واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھتا ہے کہ

”میرزا هندال در سنه (۹۴۳) شدت دار بعین و تسماۃ در آگره فرصت یافته باغوی واقع طلبان بنیاد مخالفت نهاد۔ شیخ بھلول را کہ از مشایخ عہد بود و بدعوت اسماء امتیاز داشت۔ و آنحضرت باو بسیار حسن اعتقاد داشتند۔ بسنن ارباب عرض عرض کہ می خواستند کہ میرزا را از حضرت بگرددانند۔ بہانہ آنکہ باشیرخان اتفاق دارد قبول رسانید و خطبہ و سکہ بنام خود کرد۔“

اس کے بعد مہایوں نے آگرہ کا قصد کیا شیر خاں کو مہایوں کی بے سروسامانی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے قریب آکر پٹاؤ ڈالا۔ مہایوں کو میرزا ہندال کی مخالفت اور میرزا کامران کے دھلی اور آگرہ آنے کی خبر ملی تو پریشان ہوا۔ اسی اثناء شیر خاں نے شیخ خلیل اللہ جو اس کے پیرو مرشد تھے، بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور صلح

لے احمد یادگار تاریخ شاہی میں ۹۴۳ھ میں لکھی ہے لیکن منتخب التواریخ جلد اول میں ۹۴۵ھ لکھی ہے۔

۲۷ " " " " ص. ۱۵۱۔ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ

کی اتھاس کی کہ بنگالہ کے سوا اسے اور کسی ملک سے غرض نہیں، بنگالہ میں خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام سے جاری رکھوں گا بادشاہ اس قول پر یقین کر کے اس صلح پر راضی ہو گیا۔ لیکن شیر خاں نے عہد شکنی کرتے ہوئے آدھی رات میں ہمایوں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بالکل غافل تھے۔ چنانچہ اس لڑائی میں ہمایوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمایوں گھبرا کر دریا میں کود پڑا تو ایک سٹہ نے اس کی مدد کی اور دریا سے پار آمارا۔ یہ واقعہ ۹۴۶ھ کا ہے۔

شیر خاں اس فتح کے بعد بنگالہ کو گیا کچھ لڑائیاں لڑیں اور جہانگیر قلی بیگ کو مع اس کی جماعت کے نیست و نابود کر دیا۔ ملک میں اپنے نام کا خطبہ جاری کر کے شیر شاہ کا خطاب اختیار کیا۔ اس کے بعد ایک بڑی جماعت کے ساتھ آگرہ کا رخ کیا جب کامران میرزا نے چوسہ کا واقعہ، شیر خاں کا غلبہ اور ہندال کی مخالفت کی خبر سنی تو قندھار سے لاہور آیا۔ وہاں سے آگرہ آیا۔ میرزا ہندال پہلے ہی دھلی جا چکا تھا۔ ہمایوں اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگرہ پہنچا مگر اس کے آمد کی اطلاع میرزا کامران کو مطلق نہ ہوئی۔ ہمایوں اچانک اس کے سراپردہ میں داخل ہوا۔ میرزا کامران نے بڑھ کر خوشی سے پا بوسی کی۔ اسی وقت میرزا ہندال کا بھی قصور معاف کر دیا تو وہ بھی حاضر خدمت ہو گیا۔ ان لوگوں نے شیر خاں کی ہم کے خلاف مشورہ کیا۔ میرزا کامران نے پنجاب جانے کی خواہش کی کہ پنجاب کا لشکر جو میرے ساتھ ہے وہ درست ہے۔ آپ دار الخلافہ میں رہیں مگر ہمایوں نے قبول نہ کیا۔ میرزا کامران نے خیال کیا کہ پنجاب کی طرف چلا جائے لہذا تمام عہد و پیمائیاں توڑ کر پنجاب چلا گیا۔

شیر خاں نے جب بھائیوں کی نا اتفاقیوں کا حال سنا تو اس کی جرات زیادہ ہو گئی۔ اور گنگا کے کنارے تک آپہنچا۔ وہاں سے کالپی اور اٹاوہ کی طرف روانہ ہوا، فاسم حسین، ناصر میرزا اور سلطان ازبک کے ساتھ متفق ہو کر نواحی کالپی میں مقابلہ کیا۔ آخر فتح پائی۔ شیر خاں کے بیٹے اور اس کے بہت سے ساتھیوں کے سر کاٹ کر ہمایوں بادشاہ کے سامنے آگرہ بھیجے گئے۔

ہمایوں بادشاہ ایک لاکھ سواروں کی جمعیت کے ساتھ شیر خاں سے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ شیر خاں کا لشکر

پچاس ہزار سے زیادہ تھا۔ ایسے موقع پر سلطان میرزا اور اس کے بیٹے ہمایوں بادشاہ کی فوج سے بھاگ گئے۔ اس کے علاوہ میرزا کا مران کے باقی ماندہ لشکر بھی لاہور کی جانب چلے گئے۔ اسی دوران موسم برسات کا آغاز ہوا۔ ہمایوں کی فوج نشیب میں تھی۔ اس لئے یہ تجویز قرار پائی کہ کسی بلند مقام پر پڑاؤ ڈالیں۔ لوگ خیمے باندھنے اور سامان باندھنے میں ابھی مشغول ہی تھے کہ شیر شاہ بلائے ناگہانی کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا۔ یہ واقعہ دسویں محرم ۹۷۷ھ میں پیش آیا۔ بہت سے مغل بغیر لڑے ہی بھاگ گئے لہذا بہت کم ہی لوگ بچے۔ مجبوراً ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ شمس الدین محمد غزنوی کی مدد سے دریا پار کیا۔ اگرچہ پہنچا شیر خاں کا لشکر قریب تھا لہذا وہاں ٹھہرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے پنجاب کا رخ کیا۔ یکم ربیع الاول سنہ مذکورہ میں تمام امرا و سلاطین کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سلطان میرزا اور اس کے بھائیوں نے ملتان کا رخ کیا۔ میرزا افضل اور یادگار ناصر بک چلے گئے۔ لیکن میرزا کا مران اسی فکر میں تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے یہ لوگ بکھر جائیں تاکہ وہ واپس کا بل چلا جائے۔

ہمایوں بادشاہ بھائیوں اور امراء کے نفاق کی وجہ سے رنجیدہ خاطر ہو گیا۔ مگر کافی صلاح اور مشورہ کے بعد میرزا حیدر دو غلات کے ہمراہ ایک جمعیت کشمیر کے ہم کے لئے روانہ کی۔ اور تجویز رکھی کہ خواجہ کلاں بیگ اس کے پیچھے روانہ ہوں۔ جب کشمیر فتح ہو جائے گا تو بادشاہ بھی وہیں چلا جائے گا۔ میرزا حیدر دو غلات نوشہرہ پنجا اور خواجہ کلاں سیالکوٹ۔ اسی دوران شیر شاہ سلطان پور پارکر کے لاہور کے قریب آگیا۔ یہ سنتے ہی ہمایوں بادشاہ نے لاہور کو پار کیا۔

میرزا حیدر کو کشمیر کی حمایت حاصل تھی۔ میرزا کا مران بہرہ کے نواح میں میرزا عسکری سے جدا ہو کر خواجہ کلاں بیگ کے ساتھ کابل چلا گیا۔ ادھر ہمایوں بھائیوں کے دھوکے اور امراء کی بے وفائی سے نالوس ہو کر سندھ کی جانب چلا گیا۔ سندھ کے قریب ہمایوں کے لشکر میں ایسا قحط پڑا کہ تمام فوج ہلاک ہو گئی۔ لہذا وہاں سے کچھ آدمیوں

۱۔ منتخب التواریخ۔ جلد اول۔ ص ۳۴۲۔ اکبر نامہ جلد اول ص ۱۸۸۔ تاریخ فرشتہ ص ۲۰۸۔ پر یہی تاریخ منقول ہے۔

۲۔ میرزا حیدر دو غلات بابر بادشاہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

کے ساتھ ولایت جیسلمیر کے راستے سے ماوارِ بھجیا۔ وہاں کے راجہ مالدیو کو مہایوں کی بے سرو سامانی کا حال معلوم تھا اب وہ اس فکر میں تھا کہ مہایوں کو گرفتار کر کے شیر شاہ کے حوالے کر دے۔ لیکن مہایوں کو اس کا ارادہ معلوم ہو گیا۔ ہندو راستے میں صعوبتیں برداشت کرتا ہوا امرکوٹ روانہ ہوا۔ امرکوٹ کے راجہ نے مہایوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ پانچویں رجب ۹۴۹ھ میں جلال الدین محمد اکبر پیدا ہوا۔ بہر حال مہایوں در بدر ایک مقام سے دوسرے مقام ٹھوکریں کھاتا ہوا ۹۵۰ھ سیستان پہنچا۔ سید احمد سلطان شاملو جو شاہ طہاسپ صفوی کی طرف سے سیستان کا حاکم تھا، مہایوں کا استقبال کیا۔ وہاں سے مہایوں ہرات پہنچا۔ یہاں پر بھی اس کی شاندار طریقے سے مہمان نوازی کی گئی۔ مہایوں نے قزوین میں قیام کرنے کے بعد بیرم خاں کو شاہ طہاسپ کے پاس بھیجا۔ شاہ طہاسپ نے مہایوں کی تشریف آوری پر تہنیت لکھ کر بھیجی۔ ۹۵۱ھ میں شاہ طہاسپ صفوی اور مہایوں کی ملاقات ہوئی۔ شاہ ایران نے اس عظیم مہمان کی شایان شان خاطر و مدارات کی۔

کلبدن بیگم لکھتی ہیں کہ

”وجع اہالی و موالی و اشرف و اکابر و وضع و شریف و کبیر و صغیر را با استقبال
حضرت پادشاہ فرستادند، ہمہ اینہا تا آب ہلمند پیشوا از آمدن و بہرام
میرزا و القاس میرزا و سام میرزا کہ برادران شاہ باشند، ہمہ را با استقبال فرستاد
اینہا ہمہ آمدہ در یافتند، و بہ اعزاز اکرام تمام حضرات را آوردند و چون
نزدیک رسیدند برادران شاہ خیر فرستادند، شاہ نیز خود سوار شدہ
باستقبال حضرت آمد، یا یکدیگر دریافتند و آشنائی یک جہتی آن دو بادشاہ
عالی مقام مانند دو مغز در یک پوست بآدام قرار یافت“

ایک دن شاہ نے دوران گفتگو مہایوں کے دشمن کے غالب ہونے کا سبب معلوم کیا۔ مہایوں نے جواب دیا کہ بھائیوں



کافساق۔

شاہ طہماسپ کا بھائی بہرام میرزا یہ بات سن کر رنجیدہ ہو گیا۔ جب تک مہایوں ایران میں رہا۔ وہ اس کا دشمن بنا رہا۔ شاہ طہماسپ کی بہن بہت عقلمند تھی اس لئے سارا نظام سلطنت اسی کی رائے پر چلتا تھا۔ شاہ طہماسپ اس کے بہکاوے میں آکر مہایوں سے ناراض ہو گیا، اس نے شاہ کے سامنے مہایوں کی ذیل رباعی پڑھ کر سنائی۔

ہستیم زجان بندۂ اولاد علی ہستیم ہمیشہ شاد با یاد علی
چون سرولایت ز علی ظاہر شد کر دیم ہمیشہ درد خود نادر علی

شاہ طہماسپ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ دل کی کدروت جاتی رہی۔ اور کہنے لگا اگر مہایوں اسی بات کا وعدہ کرے کہ وہ اپنے ملک کے تمام ممبروں پر دوازدہ امسام کے نام کا خطبہ جاری کرے گا۔ تو میں مدد کر کے اس کا کھویا ہوا موروثی ملک واپس دلا دوں گا۔

چنانچہ مہایوں دس ہزار سواروں کے ساتھ بھائیوں کو نامناسب سزا دینے کے لئے روانہ ہوا تاکہ کابل، قندھار اور بدخشاں کو فتح کر سکے۔ چنانچہ اجازت طلب کر کے شہزادہ مراد اور قزلباش امیروں کے ہمراہ اردبیل، مشہد مقدس کی سیر کرتا ہوا قندھار روانہ ہوا۔

ہفت آقلم میں لکھا ہے کہ

”بادہ ہزار سوار بکبک آنحضرت تعین فرمود و پادشاہ بعد از سیر تبریز و

اردبیل متوجہ قندھار گشت“

سب سے پہلے گرم سیر مہایوں کے تصرف میں آیا۔ وہاں مہایوں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ وہاں سے قندھار آیا قندھار کا قلعہ فتح کرنے کے بعد اس کو شہزادہ مراد کے سپرد کیا۔ چنانچہ بدائع خاں قاچار، ابوالفتح سلطان افشار اور

۱۔ تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ہندو شاہ۔ جلد اول۔ ص۔ ۲۳۷

۲۔ ہفت آقلم۔ امین احمد رازی۔ ص۔ ۵۷۷۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۶۳ء

T. 4985



صوفی شاملو سردیوں کی وجہ سے شہزادے کے ساتھ قلعہ میں کھڑے گئے۔ باقی قزلباش امیر واپس چلے گئے۔ کچھ دن بعد شہزادہ مراد پسر طہاسپ کا انتقال ہو گیا۔

ہمایوں نے راستے سے لوٹ کر قلعہ واپس لینے کے ارادہ کیا۔ ہمایوں نے بدایغ خان قاچار کو یہ پیغام بھیجا کہ قندھار کا قلعہ چند ماہ کے لئے ہمیں عاریتہ دے دیا جائے۔ کابل اور بدخشاں فتح ہونے کے بعد واپس کر دیا جائے مگر بدایغ خان راضی نہ ہوا۔ چنانچہ بیرم خاں، الخ میرزا اور حاجی محمد نے سوچا کہ کسی نہ کسی طریقہ سے قلعہ فتح کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ لوگ موقع پا کر شہر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ بدایغ خاں نے بے خبری کے عالم میں لڑنا مناسب نہ سمجھا اجازت لے کر عراق واپس چلا گیا۔

ہمایوں نے قندھار کا قلعہ بیرم خاں کے سپرد کیا۔ اور خود کابل پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔
ابوالفضل رقمطراز ہے کہ

”چون خاطر قدسی مآثر از مہمات قندھار تاریخ شد تسخیر کابل پیش نہاد“

میرزا کامران کے ساتھ کچھ دنوں لڑائی رہی ہر روز ایک دو امیر اس کی طرف سے ہمایوں بادشاہ کی فوج میں آ ملتے۔ آخر کار مجبور ہو کر کامران شہت سے بزرگوں اور عالموں کو درمیان میں کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہی۔ ہمایوں نے اس کے حاضر ہونے کی شرط پر پور ساری تقصیریں معاف کر دیں۔ کامران ڈر کی وجہ سے خود حاضر نہ ہوا اور قلعہ کابل میں بند ہو گیا۔ وہاں سے راتوں رات غرین کی طرف بھاگا۔ ہمایوں نے میرزا ہندال کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ ہمایوں کابل میں داخل ہو اپنے بیٹے اکبر سے ملا۔ یہ فتح دسویں رمضان المبارک ۹۵۲ھ میں ہوئی۔

کابل کی فتح کے بعد ہمایوں نے ۹۵۳ھ میں بدخشاں کی طرف کوچ کیا۔ سلیمان میرزا نے مقابلہ کیا آخر شکست کھائی اور بدخشاں ہمایوں کے قبضہ میں آ گیا۔ ان دنوں میرزا کامران نے کابل کو خالی پا کر اس پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ ہمایوں

نے قندھار اور بدخشاں کی حکومت جو پہلے میرزا ہندال کو مرحمت فرمائی تھی وہ میرزا سلیمان کے حوالے کر کے خود کابل کی طرف کوچ کیا۔ کامران میرزا کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایک بڑا قافلہ مقابلے کے لئے آ رہا ہے تو فوراً قلعہ میں بند ہو گیا۔ رات کے وقت قلعہ کی دیوار پھاڑ کر فرار ہو گیا۔ اس طرح قلعہ پر دوبارہ مہایوں بادشاہ کا قبضہ ہو گیا۔ الغرض میرزا کامران ہمیشہ مخالفت کرتا مگر حاضر ہو کر عفو و تقصیر چاہتا اور رحم دل، کرم نواز اور جذبہ محبت سے مجبور بھائی (مہایوں) ہمیشہ خطاؤں کو معاف کر دیتا۔ مہایوں نے میرزا کامران، میرزا عسکری اور میرزا ابراہیم کو بلایا۔ سوائے میرزا کامران اور عسکری کے جو مخالفت پر اتر آتے تھے سب بدخشاں میں جمع ہو گئے۔ میرزا کامران کے نہ آنے کی وجہ سے امرے سلطنت کو یہ خطرہ تھا کہ وہ کہیں دوبارہ تیسخیر کابل کا ارادہ نہ کر بیٹھے۔ بہر حال مہایوں نے کابل کو خدا کے سپرد کر کے بلخ کی طرف متوجہ ہوا۔ زبردست جنگ کے بعد قریب تھا کہ مہایوں کو نصرت حاصل ہوتی، لیکن مغل اسرار کے اصرار پر کابل کی جانب رخ کیا مگر ازبکوں نے تیجھے سے حملہ کر دیا۔ مہایوں کے ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اگرچہ مہایوں نے بذاتِ خود دیگر امراء کے ساتھ بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

مہایوں بادشاہ میرزا کامران کا جھگڑا ختم کرنے کے لئے کابل پہنچا۔ دونوں کے مابین جنگ ہوئی اور مہایوں فاتح کی حیثیت سے کابل میں داخل ہوا۔

میرزا کامران کو تخت نشینی کا بھوت سوار تھا لہذا وہ افغانوں کو جمع کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ چنانچہ وہ ہندوستان میں سلیم شاہ سور کے پاس مدد کے لئے آیا مگر اس کے بڑے برتاؤ کی وجہ سے وہاں سے مایوس ہو کر راجہ نگر کوٹ کے یہاں پناہ لی۔ آخر آدم کھکر کے وسیلہ سے گرفتار ہوا۔ مہایوں نے اس کی جان بخش دی۔ مگر اس کے فتنہ کر دینے کے لئے مجبوراً اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر وادی۔ اس کے بعد میرزا کامران نے تین حج کئے جو تھے حج کے دوران ۹۶۴ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

۱۔ تاریخ فرشتہ۔ جلد اول (ص ۲۳۸) پر لکھا ہے کہ مہایوں کو یہ اطلاعات ملیں تو بدخشاں کے سلیمان میرزا سے صلح کی قلعہ بدخشاں اس کے حوالے اور قندھار میرزا ہندال کے سپرد کیا اور خود کابل کا رخ کیا۔

سلیم شاہ کے انتقال کے بعد ہندوستان میں افرا تفری اور طوایف الملوک کا دور دورہ تھا۔ ہمایوں نے افغان امرار کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوبارہ تسخیر ہند کا عزم مصمم کیا۔ چنانچہ قندھار بیرم خاں کے سپرد کر کے سن ۹۶۱ھ میں کابل سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔
منتخب التواریخ میں ذیل قطعہ تاریخ نقل ہے۔

خسرو غازی نصیر الدین ہمایوں شاہ آنکہ
گوی سبقت برد از شاہان پیش بی شکی
بہر فتح ہند از کابل عزیمت کرد و شد
سال تاریخ توجہ بہ ہند و شفت و بیکی
احمدیادیار لکھتا ہے کہ

”در سنہ احدی و ستین و تسعمائے (۹۶۱) آنحضرت پای دولت
در رکاب سعادت آورد“

امین احمد رازی کا بیان ہے کہ
”در ذلحجہ ہند و شفت و یک پای سعادت در رکاب دولت
آوردہ۔ عازم تسخیر ہندوستان کرد“

پیشاور کے مقام پر بہرام خاں نے قندھار سے آکر ہمایوں سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے دریائے سندھ کو پار کیا اور اس کے بعد بیرم خاں کو سپہ سالاری کا عہدہ عطا کیا۔ ہمایوں سفر طے کرتا ہوا لاہور پہنچا۔ بیرم خاں اپنے

۱۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ جلد اول۔ ص۔ ۳۵۸

۲۔ تاریخ شاہی، احمدیادگار۔ ص۔ ۳۳۶

۳۔ ہفت اقلیم۔ امین احمد رازی۔ جلد (دوئم) ص۔ ۵۷۹

ساتھیوں کے ہمراہ سرہند پہنچا۔ وہاں کی رعایا نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ سکندر شاہ نے تاتار خاں اور ہیت خاں کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ بیرم خاں سے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دریاے ستلج عبور کر کے دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ افغانوں نے اپنے خیمے کے گرد آگ روشن کر رکھی تھی مغلوں کی جانب اندھیرا تھا لہذا ان لوگوں نے افغانوں پر تیروں کی بوجھار کر دی جس سے ان کے لشکر میں اتہری پھیل گئی۔ اور میدان چھوڑ بھاگ نکلے۔ تمام ساز و سامان ہاتھی گھوڑے وغیرہ مغلوں کے ہاتھ آئے۔ یہ فتح مغلوں کو باسانی حاصل ہوئی۔ مہایوں بادشاہ اس فتح سے بہت خوش ہوا اور بیرم خاں کو یار و فا، ہمد، غمگسار کے خطابات سے سرفراز کیا۔

بیرم خاں نوشہرہ پہنچا سکندر شاہ نوشہرہ کے قریب آکر ٹھہر گیا۔ بیرم خاں کے بلانے پر مہایوں بھی نوشہرہ آگیا۔ کچھ دن تک دونوں طرف کی فوجیں میدان جنگ میں اپنی جو ہر دکھاتی رہیں۔ آخر ماہ رجب کی چاند رات کو ۹۶۲ھ دونوں کے مابین معرکہ آرائی ہوئی۔ مغلوں نے چنگیزی بہادری کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ خدا کی مدد سے افغانوں کو شکست اور مغلوں کو فتح نصیب ہوئی۔

شکست خوردہ سکندر شاہ شوالک کی طرف بھاگ گیا۔ اور مہایوں بادشاہ دوبارہ ہندوستان کے تحت

پر جلوہ افروز ہوا۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ

”در ماہ رمضان تشریف حضور بدھلی آوردہ۔ بتوفیق و کرم ملک ملک بخش

بار دیگر فرمانروائی مملکت ہند کہ فال رخ ہفت کشورست شدہ۔۔۔

بیرم خان این رباعی در تاریخ آن فتح گفتہ۔“

رباعی :- منشی خرد طالع میمون طلبید۔ انشائی سخن ز طبع موزون طلبید

تحریر چو کر فتح ہندوستان را۔ تاریخ ز شمشیر، مہایوں طلبید

بدایونی لکھتا ہے کہ

”در ماہ رمضان المبارک سنہ ہند و شصت و دو (۹۶۲) حضرت دہلی
مستقر جاہ و جلال پادشاہی شد و اکثر دیار ہندوستان بار دیگر منجذبہ در سکہ
پادشاہی زینت یافت و سیح پادشاہی را بیش ازان میسر نشده بود کہ
بعد از شکست مرتبہ دیگر بسلطنت رسیدہ باشد“

اسی اثنا ایک روز ہالیوں قلعہ دین پناہ میں کتاب خانہ کی چھت پر چڑھا ہوا تھا۔ اترتے وقت اذان کی آواز
آئی، وہ اذان کی تعظیم میں وہیں بیٹھ گیا۔ اٹھتے وقت عصا ہاتھ سے پھسل گیا اور سیڑھیوں پر سے لڑکھا ہوا زمین تک
آپہنچا آخر کار ۹۶۳ھ میں اس عالم فانی کو الوداع کہا۔
عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے کہ

”بادشاہ غفران پناہ این عالم بیو فارا پد رو د کردنہ دار البقا خرامیدند و ایں
تاریخ یافتند کہ“

چو گشت از رحمت حق ساکن اندر وضۃ رضوان
بہشت آمد مقام پاک او تاریخ ازان باشد
مولنا قاسم کاہی نے یہ تاریخ کہی ہے

ہالیوں بادشاہ ملک معنی
ندارد کس چو او شاہنشی باد
ز بام قصر خود افتاد ناگہ
وزان عمر عزیزش رفت برباد

۱۔ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی۔ ص ۴۶۲

۲۔ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر۔ بدایونی۔ جلد اول۔ ص ۴۶۶

پی تاریخ اوکا ہی رقم زر
 ہالیون بادشاہ از بام افتاد

ایک تاریخ یہ ہے کہ

مشر غافل از سال فوتش بین
 ہالیون کجا رفت و اقبال او

صفت اقلیم میں لکھا ہے کہ:

”در جمعہ ہفتم ربیع الاول نہصد و شصت و سہ بر بالای کتابخانہ برآمدہ، لحظہ
 بالیستاد رحین فرود آمدن موذن شروع در اذان نمود و بادشاہ در زینہ
 دوم جہت تعظیم بہ بنشست و بوقت برخاستن پای ایشان لغزیدہ چون
 نوز آفتاب بر زمین افتاد و بعد از دو روز زبان بکلمہ طیبہ گویا ساختہ۔ داعی
 حق را البیک اجابت گفت ”ہالیون بادشاہ از بام افتاد“ تاریخست۔
 و دیگرے ہالیون کجا رفت و اقبال او“ یافتہ“

تاریخ شاہی میں ہے:

”یازدہم ماہ در سنہ ۹۶۳ھ نہصد و شصت و سہ داعی حق را
 اجابت فرمود۔ و بریاض جنت خرامید این تاریخ از زبان فاضل آن عصر
 برآمد۔“

۱۔ صفت اقلیم۔ امین احمد رازی۔ جلد () ص ۵۸۰۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ ۱۹۶۳ء

۲۔ تاریخ شاہی۔ احمد یادگار۔ ص ۳۲۵

ہایوں بادشاہ آن شاہ عادل کہ فیض خاص او بر عام افتاد
 ز بام قصر زیبا، بچو خورشید بہ پایان در نماز شام افتاد
 جہاں تاریک شد در چشم مردم خلل در کار خاص و عام افتاد
 پی تاریخ او از غیب گفتند ہایوں بادشاہ از بام افتاد
 ہایوں کی شخصیت :-

ہایوں بادشاہ کی عمر کیا دن سال تھی لیکن اس نے پچیس سال سے کچھ زیادہ حکومت کی۔
 در حقیقت ہایوں بادشاہ کے ظاہری باطنی صفات حد سے زیادہ تھے۔ خدا و رسول کا نام بغیر وضو نہ لیتا تھا، کبھی قسم نہ
 کھاتا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا۔ معمولی احکام شرعی پر سختی سے عمل کرتا، غصہ بہت کم آتا تھا۔ حیا ایسی تھی کہ کبھی قہقہہ
 سے نہ ہنستا تھا۔

ہایوں فطری طور پر بہادر تھا۔ سخاوت اور مروت اس کی سرشت میں داخل تھی۔ وہ حنفی مذہب کا ماننے
 والا تھا۔

دیگر خصائص کے علاوہ ہایوں بادشاہ ایک بلند پایہ شاعر، ریاضی اور ہدیت کا زبردست ماہر و عالم تھا۔
 تحفہ سامی میں ہے کہ
 ”در فن حکمت خصوصاً ریاضی ثالث افلاطون اقلیدوس بود“
 تاریخ شاہی میں لکھا ہے کہ :

”در نجوم و ریاضی بے بدل بودہ۔ در صحبت آن مقتدا می سلاطین فضلا“

۱۔ خلاصۃ التواریخ میں سبجان رائے بنالوی نے ص۔ (۳۳۵) میں لکھا ہے کہ ”مدت سلطنت مرتبہ اول وہ سال اور مرتبہ دوم
 دو ماہ ... اور ہفت آفریم ص (۸۱-۵۸۰) میں لکھا ہے کہ ”ایام زندگی آن پادشاہ پنجماہ و یک سال بودہ بیست و پنج
 سال و کسری سلطنت کردہ۔“

۲۔ تذکرہ تحفہ سامی۔ سام میرزا صفوی تصحیح و مقدمہ از۔ رکن الدین ہایوں نفرج۔ ص۔ ۲۱۔ چاپ محفوظ۔

۳۔ تاریخ شاہی۔ احمد یادگار۔ ص۔ ۳۴۶۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ ۱۹۳۹ء

علماء و شعرا بسیار بودند و مباحثہ علمی می کردند“

اکبرنامہ میں لکھا ہے کہ^۱

”در اقسام علوم خاصہ ریاضی در زمان خود نظیر وہم نہ داشتند“

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ^۲

”در علم ریاضی علم مہارت می افراشت ، مدار محبتش با علماء و فضلاء بودہ

ہمہ وقت در مجلس اومسائل علمی مذکور می شد“

جیسا کہ قبلاً تذکرہ کیا گیا کہ ہمالیوں علم ریاضی و ہیت پریدہ طولی رکھتا تھا۔ آوارہ غربت کے باوجود بھی اس کی اس فن کی طرف دلچسپی برقرار رہی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تو ہیت اور نجوم پر ماہرانہ دسترس کی وجہ سے بہتر موقع و گھڑی تلاش کرتا تھا۔ ابوالفضل نے ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلے میں لکھا ہے کہ ”جب وہ تبریز پہنچا تو اپنے ملازم بیگ محمد کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو فارسی میں کرہ گھوڑے کے پچھڑے کو کہتے ہیں۔ نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی چند پچھڑے لیکر خدمت شاہی میں حاضر ہوا بادشاہ اس غول بیانی کو دیکھ کر ہنس پڑا۔

ہمالیوں نے ہیت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا جو ہیت کے تمام فنون اور رصد بندی میں ماہر تھے۔ ہمالیوں ان کو اس قدر عزیز رکھتا تھا کہ غریب الوطنی کے زمانے میں بے تخت و تاج ہندوستان سے دور عراق و ایران میں پھر رہا تھا مگر علامہ موصوف سے ہیت و نجوم کا درس لیتا تھا ان کے عالمانہ مباحثوں سے مستفید ہوتا تھا۔ علم فلکیات میں لگاؤ و دلچسپی کے سبب دیگر لوگوں میں بھی ان علوم کی طرف ذوق و شوق پیدا ہوا۔ اور قسم قسم کے فلکی آلات وجود میں آنے لگے۔

^۱ اکبرنامہ۔ ابوالفضل۔ جلد اول۔ ص۔ ۱۳۱

^۲ تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ہندو شاہ۔ جلد اول۔ ص۔ ۲۴۳

ابوالفضل رقمطراز ہے کہ:

”توجہ اقدس باضطراب و کرہ و سائر آلات رصدی درجہ کمال داشت“

موجودہ سائنسی دور میں کرہ اور اضطراب کا جو استعمال نظر آتا ہے۔ درحقیقت اس کا رواج دینے والا مہالوں بادشاہ ہی تھا۔ اس نے خود ایک قسم کے اضطراب کا اختراع کیا تھا ”جو اضطراب مہالوں“ کے نام سے مشہور ہے۔
سیرم خاں نے مہالوں کی مدح کے ایک قصیدے میں اس کے اضطراب اور فلکیاتی شوق کی پوری تصویر

کھینچی ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ

آں چرخ چسبست کا مدہ بر محورش مدار
آں بدر کزمیانہ شہایش کند گذار
گاھے نمودہ چون حرکات فلک سیر
گاھے گرفتہ چون طبقات زمین قرار
پیوستہ چند حجرہ مقفل بروی ہم
لیکن تمام آں بیکے قفل استوار

گاھے خرمسرد دھند گاہ از جلب
گاھے ز جوئیور گئے از گوالیار
گاھے کند ز شرق حکایت گئے ز غرب
گاھے از زمین حدیث کند گاہ از بسیار

۱۔ اکبرنامہ ابوالفضل۔ جلد اول۔ ص۔ ۲۲۱

۲۔ بزم تیموریہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔ جلد اول۔ ص ۹۳-۹۲۔ معارف اعظم گڑھ ۱۹۷۳ء

”در ماه جمادی الاول ۹۴۸ھ نہ صد و چہل و ہشت نیم روز بود کہ
اضطراب را حضرت پادشاہ بدست مبارک خود گرفتہ اند و ساعت سعد
را اختیار کردہ میر ابوالبقا را طلبیدہ حکم فرمودند کہ نکاح بستند۔“
اکبری پیدائش کے وقت ۵۷۱ھ میں تھی، کہ اکبر صاحب اقبال اور دراز عمر ہو گا۔
گلابدین بیگم اس واقعہ کو اس طرح لکھتی ہیں کہ:

”تاریخ چهارم شهر رجب المرجب ۹۴۹ھ نہ صد و چهل و نہ وقت سحر روز یکشنبہ بود کہ تولد حضرت پادشاہ عالم پناہ عالم گیر جلال الدین محمد اکبر پادشاہ غازی شد، قمر در برج اسد بود، تولد در برج ثابت شدہ بغایت خوب است و منجمن گفتند فرزندے کہ دریں ساعت میشود صاحب اقبال و دراز عمر میشود۔“

مہاریں نے دوبارہ ہندوستان کی تسخیر سے پہلے فال نیک کے تحت اس جانب کوچ کا ارادہ کیا۔
تاریخ شاہی میں ہے

”بجسب آفاق روزی بسیر و شکار برآمدند، فرمودند کہ چون یورش ہندوستان

۱۔ گلبدن بیگم - ہمالیوں نامہ - ص. ۸۱

۲۱ ص ۹۱

تہ تاریخ شامی۔ احمدیادگار۔ ص ۲۵۲۶۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ ۱۹۳۹ء

بخاطر است۔ الحال سہ کس پی در پی بیانید از نام و نشان آنها پر سیدہ
گرفتہ شود مناسب خواهد بود۔ اول مردی کہ پیش آمد نام او پرسیدند۔ او
گفت نام من دولت خواجہ است اول بشارت شد۔ چون پارہ راہ رفتند
دوہی کس پیش آمد چون نام او پرسیدند او نام خود مراد خواجہ گفت۔ چون
از آنجا بیشتر شدند شخصی سیوم پیش آمد۔ چون از او پرسیدند او نام خود سعادت
خواجہ گفت۔ آنحضرت از اسب فرود آمدہ سجدات شکر بجا آورد کہ ازین فال
میمونی روی داد۔ حق سبحانہ تعالیٰ سلطنت ہندوستان بمن کرامت فرمود۔
وسہ پشت من پادشاہان عالیشان خواہند شد۔ و حکومت ہندوستان
تا دیر سال بر آل من خواہد ماند۔“

ہمایوں کی سب سے دلچسپ نجومی اختراع بساط نشاط تھی۔ اس بساط میں فلکی دوائروکرات عناصر
بنائے تھے۔ پہلا دائرہ جو فلک اطلس سے منسوب تھا، سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ،
چوتھا مشتری کے لحاظ سے منڈلی، پانچواں مریخ کے لحاظ سے سرخ، چھٹا زہرہ یعنی آفتاب کی مناسبت سے زرخین،
ساتواں زہرہ کے سبب سے سبز، آٹھواں عطارد کے لحاظ سے سوہنی، نواں مہتاب کے لحاظ سے سپید، ماہتاب کے
دائرہ کے بعد آگ اور ہوا کے کرے بالترتیب بنے ہوئے تھے، ہر دائرہ مختلف قسم کی جماعت کے لئے مخصوص تھا۔ مثلاً
امراء ہندی کو دائرہ زحل میں اور سادات علماء کو دائرہ مشتری میں بیٹھنے کا حکم تھا۔ ہمایوں نے اپنی ذات کے
لئے دائرہ زرخین اختیار کیا تھا۔ اس طرح نجوم کے قاعدے سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ ہوتا اس دن وہی رنگ
پورے دربار کا ہوتا تھا۔ مثلاً یکشنبہ کو آفتاب کے رنگ کے لحاظ سے زرد لباس اور دوشنبہ کو ماہتاب کے رنگ
کی مناسبت سے سبز لباس پہنا جاتا۔

ہمایوں نے دو خروگاہ بنائے تھے جن کی ساخت خالص ہدیت کے اصول پر تھی۔ ایک خروگاہ کو آسمان کے

برجوں کی طرح بارہ حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اور ہر برج میں ایک پنجرہ آویزاں تھا۔ جس کے سوراخوں سے کو کب دولت کے انوار چمکتے تھے، دوسرا نگاہ یونانی ہیت آسمانوں کی پورنی نقل تھی۔ ہر آسمان میں جو ستارے ہیں ان کے نمونے اس میں تھے۔

اس نے کئی رصد خانے تعمیر کروائے اور بہت سے نئے آلات رصد ترتیب دیئے۔

پرانہ دہلی کے قلعے کے اندر شیر شاہ کا بنا ہوا شیر منڈل کی ایک برجی کو اس کی بلندی کی وجہ سے رصد خانہ بنا دیا تھا۔ جہاں وہ بیٹھ کر اہل علم کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا تھا اس رصد خانے پر ایک شام وہ ریاضی دانوں کے ساتھ ستارہ زہرہ کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ اذان کی آواز سن کر کھڑا ہوا ہی تھا اگر گیا پھر زخم سے جا بھر نہ ہو سکا۔

مہایوں نہ صرف خود ان تمام علوم پر مہارت رکھتا تھا بلکہ اپنے ملک کے نجومیوں کو بھی اس علم میں اضافہ کرنے کی کوشش وسیعی میں لگا رہتا تھا۔ نور الدین ترخانی سفیدونی نے جو ریاضی، نجوم اور حکمت کے ماہر و عالم تھے دراصل انھوں نے مہایوں ہی سے درس حاصل کیا تھا۔

ماثر الامراء میں مولنا کے بارے میں ہے:

”مولنا بفضل و کمال و شجاعت و سخاوت انصاف داشت... ہندسہ

و اضطراب شوق مند بود... گاہے بادشاہ از استفادہ علوم می کرد

گاہے اواز علم ریاضی خصوص اضطراب از جناب مہایوں کہ درین فن

مہارت تمام داشت استفادہ می نمود۔“

جیسا کہ معلوم ہے کہ مہایوں بادشاہ کی تمام زندگی طوائف الملوکی، جنگ و جدال اور پریشان حالی کی نذر ہوئی مگر ان سب کے باوجود اس کے علمی ذوق و شوق کا یہ ٹھکانہ تھا کہ میدان کارزار میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ

اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ چنانچہ غریب الوطنی کی حالت میں بے تخت و تاج ادھر ادھر بھٹک رہا تھا اس وقت بھی وہ اپنے ساتھ کچھ کتابیں ساتھ رکھتا تھا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمایوں کی تمام زندگی آپسی خلفشار و نا اتفاقوں اور لڑائی جھگڑوں میں گزری مگر اس کے ساتھ ہی اس کے اعلیٰ علمی ذوق کا ثبوت یہ تھا کہ فرصت کے اوقات میں شعر و سخن اور علمی بحث و مباحثہ کا مشغلہ جاری رکھتا۔ اگرچہ اس کی مادری زبان ترکی تھی مگر وہ فارسی زبان پر بھی ماہرانہ قدرت رکھتا تھا۔ اس کا فارسی اشعار کا ایک دیوان موجود ہے۔

ابوالفضل ہمایوں کے اس والہانہ ذوق کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ^۱
 ”توجہ عالی بہ شعر و شعرا نیز داشتند و از انجا کہ طبع موزون از خصائص فطرت
 سلیم است) در خلال اوقات و واردات قدسی را چہ از حقیقت و چہ از مجاز
 در سلک نظم می کشیدند و دیوان شعر آنحضرت در کتابخانہ عالی موجود است“

ہمایوں نہ صرف خود علم و قلم کا مالک تھا بلکہ اس کی محفلیں اہل علم و فکر سے سچی رہتی تھیں۔ وہ شعرا کو اپنی محفل کی زینت بناتا اور اکثر اوقات ان کے اشعار پر بلا تکلف اصلاح بھی کرتا تھا۔ وہ ایک اچھا نکتہ شناس اور نکتہ سنج صلاحیت سے آراستہ تھا۔
 مآثر رحیمی میں ہے کہ^۲

ایک دفعہ ملا حیرتی نے اس کے سامنے ذیل شعر پڑھا
 ہچو پروانہ شمع سروکار است مرا
 پس اگر پیش روم بال و پر م می سوزد

۱۔ ابوالفضل۔ اکبرنامہ۔ جلد اول۔ ص۔ ۳۶۸

۲۔ عبدالباقی ہمایونی۔ مآثر رحیمی۔ جلد اول۔ ص۔ ۶۱۲۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ ۱۹۲۳ء

”آنحضرت کہ خلاق المعانی بودند این چنین تصرف نمودند“

۵۰ می روم پیش اگر بال و پر می سوزد
 صہایوں بہت فیاض اور سخن پرور تھا۔ چنانچہ اس کے فیض و کرم اور جو دو کرم کے بارے میں بدایونی رقمطراز ہے کہ

”شعراے بسیار نادرہ روزگار از دامن او برخاستہ“

مآثر رحیمی میں ہے کہ

”در جو دو کرم حاتم ثانی بود در شجاعت و دلیری و مردانگی در سلسلہ نسب صاحب قرانی مثل وی پیدا نہ شدہ و ہمیشہ بامردم و علماء و فضلاء صحبت میداشت۔“

صہایوں کو موسیقی سے بھی کافی دلچسپی تھی جب وہ ہندوستان واپس آیا تو اس کے دربار میں دو شنبہ اور چہار شنبہ دو دن ارباب نشاط کے لئے مقرر تھے۔ گانے والے دربار میں بلائے جاتے تھے اور وہ اپنے اپنے فن سے صہایوں کو محظوظ کراتے تھے۔ گلبدن بیگم لکھتی ہیں کہ خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے تو عورتیں بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں لیکن یہ احتیاط رہتی تھی کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہ ہو۔

صہایوں کو فن مصوری کی طرف بھی کافی لگاؤ تھا۔ ہندوستان کی سلطنت کھو کر امرکوٹ میں مقیم تھا تو ایک خوبصورت فاختہ اس کے پاس آ بیٹھی۔ صہایوں نے اس کو لپک کر پکڑ لیا۔ اس نے مصوروں کو بلایا اور تصویر کھینچوا کر اس کو چھوڑ دیا۔ اسی غریب الوطنی کے زمانے میں ایران میں اس کی ملاقات میر سید علی تبریزی خواجہ عبدالصمد شیرازی شترین قلم سے ہوئی دونوں بہزاد کی طرز مصوری سے متاثر تھے اور دونوں اپنے اپنے فن میں غیر معمولی

۱۔ ملا عبدالقادر بدایونی۔ منتخب التواریخ۔ جلد اول۔ ص ۶۱۲

۲۔ عبدالباقی بہادری۔ مآثر رحیمی۔ جلد اول۔ ص ۶۱۱

مہارت رکھتے تھے۔

بدایونی خواجہ عبدالصمد کے بارے میں رقمطراز ہے کہ: ”مشہور است کہ (خواجہ عبدالصمد) در یک طرف دانہ خشنکاش سورۃ اخلاص تمام درست خوانا نوشتہ۔“

زیر نظر باب میں ہمایوں بادشاہ کے حالات زندگی کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ جائزہ اس لئے ضروری قرار پایا کہ کسی اہم اور معتبر شخصیت کے تمام پہلوؤں کو بخوبی سمجھا جاسکے۔ کیوں کہ ان تمام تاریخی و سیاسی حالات کا عکس براہ راست یا بالواسطہ اس کی شخصیت و اس کے مزاج پر مزید پڑتا ہے۔ چنانچہ اس مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کی خطا بخش ذہنیک خصال طبعیت اس کی حکومت کی کمزوری کا سبب بن گئی۔ اور وہ بخوبی حکمرانی کے فرائض انجام نہ دے سکا جو ایک اچھے حکمران وقت کا خاصہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ بی جی مارلس لکھتا ہے کہ

”ہمایوں اگرچہ دل کا بہادر اور مزاج کا خوش طبیعت کا شاطر صحبت کا پسندیدہ، اچھا تعلیم یافتہ فیاض اور رحم دل تھا مگر اس بات میں کہ وہ اپنے خاندان کی بنیاد کسی پائیدار اصول پر قائم کرنے میں اپنے باپ سے بھی کم لائق تھا بہت سی خوبیوں کے ساتھ اس میں کتنی ہی برائیاں بھی تھیں وہ تند خو، بے پروا متلون المزاج تھا اسے اپنے فرائض ادا کرنے کا بڑا خیال نہ تھا اس کی فیاضی اسراف کی بدنامی تک پہنچ گئی تھی اس کی محبت اس درجہ کی تھی کہ جس سے آدمی کمزور اور بے بس ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ لیاقت نہ تھی کہ وقت پر کسی اہم کام میں اپنی توجہ کامل طور پر مصروف کر سکے۔“

۱۔ عبدالقادر بدایونی۔ منتخب التواریخ۔ جلد سوئم۔ ص۔ ۳۱۰

۲۔ بی۔ جی مارلس۔ نظام اکبری۔ ص۔ ۵۴۔ شمسیدہ حیدر آباد دکن

چهارم

سهم همایون در ادبیات فارسی

نصیر الدین محمد مہالیوں بھی اپنے باپ بابر کی طرح علم و ادب کا دلدادہ اور شیدائی ہونے کے ساتھ معارف پرور، سخن شناس اور علم نواز طبع کا بھی مالک تھا۔ اگرچہ اس کی ساری زندگی معرکہ آرائیوں، جنگ و جدال، خانہ جنگی اور نا اتفاقیوں کی نذر ہوئی۔ ان سب کے علاوہ رزم و بزم دونوں میں کچھ فرصت کے لمحات پا کر شعر و ادب کی طرف متوجہ ہوتا تھا ایک طرف وہ ماہر علم ریاضی و نجوم تھا تو دوسری جانب ایک عمدہ شاعر اور سخن سنج بھی تھا اگرچہ اس کی زبان ترکی تھی لیکن فارسی زبان و ادب سے بھی بخوبی واقف تھا یہی وجہ ہے مولفین اور مورخین نے جگہ جگہ اس کے ادبی شوق کی تعریف کی ہے۔

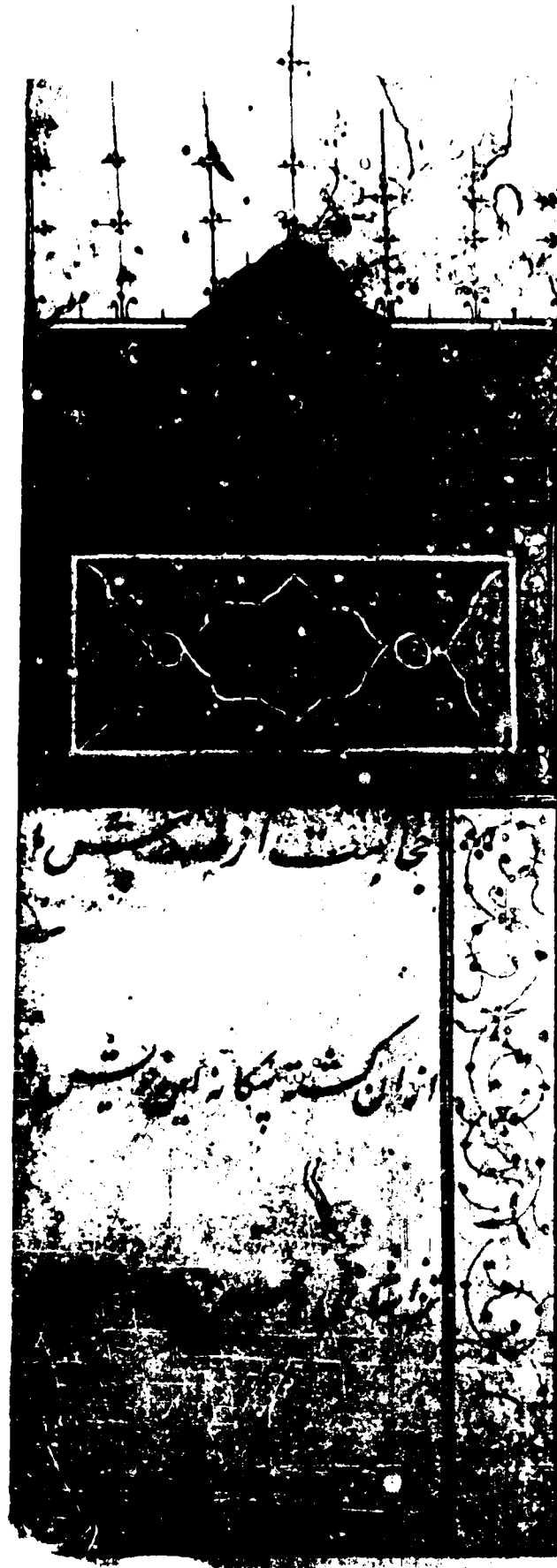
ابو الفضل کا بیان ہے:

”توجہ عالی بہ شعر و شعراء نیز داشتند و از بجا (کہ طبع موزوں از خصائص فطرت سلیم است) در خلال اوقات واردات قدسی را (یہ از حقیقت و چہ مجازا) در سلک نظم می کشیدند و دیوان شعر آنحضرت در کتابخانہ عالی موجود است۔“
بدایونی ذیل الفاظ میں تعریف کرتا ہے:

”بادشاہ بود علی ملکات و جمیع فضائل و کمالات صوری و معنوی آراستہ و در علوم ہنریات و نجوم و سائر علوم عربیہ بے نظیر و مربی اہل فضل و کمال و مزج اہل تقویٰ و صلاح و شعر و شعرا مائل خود شعر نیکو گفتی۔“

۱۔ اکبرنامہ۔ ابو الفضل۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۳۶۸

۲۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۴۶۷



صفحه اول از نسخ دیوان همایون بادشاه (کتابخانه خدابخش پینه، بهار)

ای خالق جسد خلایق

موصوف کل ذرات خلق

ای که به تنه تنهای تو بگفت
 نهی شمع صفات تو کند
 و نه به اندامی تو
 که بر پیرایه تو
 ای که در ملکوتی تو
 که در ملکوتی تو

صفحه آخر از نسخ دیوان صفایان بادشاه (کتابخانه خدابخش پهنه، بهار)

ذبح اللہ صفا رقمطراز ہے:

”خود شعر پارسی می سرودہ ”ہمایون“ تخلص می کردہ“

ہمایوں کے اسی شعری شغف اور دلچسپی کا نتیجہ ایک دیوان کی شکل میں موجود ہے۔ اگرچہ یہ دیوان بہت مختصر ہے لیکن اس کے افکار و خیالات کا بہترین عکاس ہے۔ راقم الحروف نے ہمایوں کے دیوان کا خطی نسخہ کتابخانہ خدا بخش میں دیکھا ہے۔ اور مسئولان کتابخانہ خدا بخش کے توسط سے اس کی مائیکروفلم بھی حاصل کی ہے۔ چنانچہ اس نسخہ کے پہلے اور آخری صفحے کے عکس زیر بحث باب کے ساتھ پیش کئے رہے ہیں۔ تاکہ اس کی ہیئت کا پورے طور پر اندازہ ہو سکے۔ دیوان ہمایوں کا آغاز زیر نظر شعر سے ہوتا ہے۔

تراشاہی و حسن و صد سلطنت
بلائت بر جان درویش ما

اور اختتام ذیل شعر سے ہوتا ہے۔

حق تجلی نمودہ در دل من
گشت حل ہرچہ بود مشکل من

ہمایوں بادشاہ کے فارسی اشعار کا یہ خطی دیوان کتابخانہ خدا بخش پٹنہ میں محفوظ ہے۔ ۲۸ صفحات (Folios) ۸ لائن ۱۰/۵ x ۹ لمبائی اور ۳ x ۶ ۱/۲ چوڑائی پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ مسجل عنوان، صفحات کے چاروں طرف سنہرا باؤڈر جس کے بیچ میں اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ خوبصورت اور زیبائیت سے نواکونے ہیں۔ واضح اور صاف خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ مکمل دیوان اچھی اور عمدہ حالت میں ہے۔ کاغذ کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ علم ہجا کی نمایاں خصوصیت جو ظاہر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ”س“ کے نیچے تین نقطے لکھے ہیں۔ مثلاً ”حسن“ کی جگہ ”چسن“ اسی طرح ”ک“ اور ”گ“؛ ج اور چ کے درمیان واضح فرق نہیں ہے یعنی گ کی جگہ ک، گشت کی جگہ کست؛ چون کے بجائے جون؛ ہزار کے بدلے ہزار وغیرہ الفاظ نظر آتے ہیں۔

دیوان میں کسی طرح کی الف بانی ترتیب نہیں ہے (۲۱۱) دو سو گیارہ ابیات یعنی ۶ غزلیات، ۶۰ رباعیات اور ۷ فرد پر مشتمل یہ دیوان باہم ملا جلا ہے۔ یعنی غزلیات کے درمیان رباعیات موجود ہیں اور رباعیات کے درمیان غزلیں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ رنگین روشنائی سے رباعیات کے لئے الگ عنوان قائم کیا گیا ہے چنانچہ اسی مخطوطے کو بنیادی ماخذ بنا کر زیر بحث باب کو ترتیب دیا گیا ہے۔

مہایوں کے فارسی اشعار کا یہ دیوان ڈاکٹر ہادی حسن سابق رئیس بخش فارسی علیگرہ یونیورسٹی نے بڑی جانفشانی و کاوش کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اس مرتب شدہ دیوان میں موصوف نے سب اہم نکتہ پر نشاندہی کی ہے۔ وہ اس کی صداقت (authenticity) ہے اس سلسلے میں آپ کا بیان ہے:

” مہایوں کے دیوان کا واحد نقلی نسخہ کتابخانہ خدا بخش پٹنہ میں ہے۔ لیکن ترجمہ :

بدون تاریخ، عنوان مبہم، دیوان مہایوں، اختلاف خطی کی وجہ سے سب سے پہلے اس کی صداقت مہایوں کے تخلص کی بنا پر قیام کی گئی مثلاً غزل نمبر ۱، ۸، ۹، ۱۰، ۱۲ اور رباعیات نمبر ۳۶، ۳۸، میں اس کا تخلص ’مہایوں‘ پایا جاتا ہے پٹنہ دیوان میں شاعر امیر مہایوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جس کی وفات ۹۶۱ھ/۱۵۵۷ء میں ہوئی تھی اور جس کا دیوان برٹش میوزیم لائبریری اور بانکی پور لائبریری، مخطوطہ نمبر ۲۱۴ میں موجود ہے۔ اس زمانے میں ایک شاعر مہایوں شاہ کے نام کا تھا... جس کا تخلص مہایوں شاہ تھا نہ کہ ’مہایوں‘ اس دیوان کی صداقت قائم کرنے کے لئے بہت زیادہ تحقیق کی ضرورت تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن ایک شک جو لوگوں کے دماغ میں (مذکورہ) پٹنہ دیوان کے مصنف سے متعلق پیدا ہوا۔ کیوں کہ ان شبہات کو دور کرنے کا راستہ سرازیر اور خاں دار تھا اسی وجہ سے دیوان شائع ہونے

سے رہ گیا .. دونوں دیوان بالکل غیر مشابہ ہیں۔ فارسی شاعری کے سمندر
میں بیکار اور علفت (اشعار) امیر ہمایوں کے ہیں اور اسی پانی کے اوپر تیرے
ہوئے مانند سیپ اشعار ہمایوں بادشاہ کے ہیں اس لئے آسانی سے تمیز کیا
گیا ہے۔“

جیسا کہ قبل تحریر کیا گیا کہ ہمایوں کے پٹنہ دیوان کا خطی نسخہ دو سو گیارہ ابیات پر منحصر ہے۔ لیکن مذکور استاد
نے دیگر معتبر ماخذ سے استفادہ کر کے زیر بحث نسخہ میں اضافہ کیا ہے۔
ڈاکٹر ہادی حسن نے ذیل عنوان کے تحت اس طرح بیان کیا ہے۔^۱

Present and Previous Collections of Humyun's verses.

”پٹنہ دیوان میں ۲۱۱ ابیات ہیں۔ اضافہ شدہ ابیات ۴۵ ہیں۔ اس
لحاظ سے مجموعہ (مرتب شدہ) دیوان کے ابیات کی تعداد ۲۵۶ ہے۔ جو
الف بانی ترتیب کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اور اصل دیوان کو نگاہ میں رکھا
ہے۔“

اس کے علاوہ ذیل میں ان تمام حوالوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دیوان کو مرتب کرنے میں مددگار ثابت ہوئے

ہیں۔

”مثلاً اکبرنامہ (ابوالفضل) ہمایوں بادشاہ جلد اول و دوم (اس۔ کے۔ نبرجی) تاریخ فرشتہ (محمد
ہندو شاہ) ایسٹری آف پرشین لنگویج اینڈ لٹریچر ڈی منل کورٹ ج دوم (پروفیسر عبدالغنی) ہمایوں نامہ
(بیوریج) نفائس المآثر (علاء الدولہ قزوینی) نسخہ خطی۔ رامپور۔ منتخب التواریخ (عبدالقادر بدایونی) وغیرہ ماخذ میں
جانباً ہمایوں کے اشعار نظر آتے ہیں۔ جس کی مکمل تفصیل دیوان میں ملتی ہے۔

مزید برآں ڈاکٹر ہادی حسن نے ہمایوں کے کچھ اور اشعار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ ماخذ کے حوالے سے

”میر علاؤ الدولہ ۶۱ بیت از آن ہمایوں پادشاہ نقل میکند و اگر این ۶۱ بیت را بہ اشعاری کہ ابوالفضل در جلد اول اکبرنامہ ص ۲۶۸ و فرستہ در تاریخ مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۴۳ مستقیماً از دیوان ہمایوں پادشاہ اخذ کردہ اند۔ بعد از مقالہ وبدون تکرار ابیات مشترکہ، اضافہ کنم بہ ۸۴ بیت بالغ بر آید از میان این ۸۴ بیت، ۷۲ بیت در نسخہ دیوان پٹنہ نیز موجود است۔“

ذیل میں دونوں خطوط و مطبوعہ دیوان ہمایوں سے تمام غزلوں کا مقابلہ مقالیسہ کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مرتب شدہ نسخہ میں کچھ غزلیں ایسی ہیں جن کے مزید اشعار ڈاکٹر ہادی حسن نے دیگر معتبر ماخذ کے حوالے سے اضافہ کے ساتھ قلمبند کئے ہیں۔ لہذا دونوں سے غزلیات درج ذیل ہیں۔ اس کے علاوہ ان تمام دیگر ماخذ کی طرف بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن میں ہمایوں بادشاہ کی کچھ ابیات نظر آتی ہیں۔

نسخہ مطبوعہ

نسخہ خطوط

حجا بیست از نور در پیش ما
از ان گشتہ بیگانہ این خویش ما
ترا شاہی و حسن و صد سلطنت
بلا نیست بر جان درویش ما
ملاحت نمودی و جان سوختی
نمک ریختی تازہ بر ریش ما
وفا می کنم و جفا می کشیم
بناشد جز این شیوہ در کش ما

نسخہ مطبوعہ

نسخہ مخطوطہ

ہالیون بروی تو چون بنگرد
 حجابیت از نور در پیش ما
 مکمل غزل دونوں دیوان میں موجود ہے۔ نفائس المآثر (نسخہ خطی رامپور) میں اس غزل کا ایک شعر، بزمی نے
 ہالیون بادشاہ میں مکمل غزل نقل ہے:
 غزل نمبر ۲:

گفت دیوانہ ز روی ہوا
 کہ غم عشق را کہ کرد ہوا
 آہ ازان فتنہای زلف سیاہ
 وی ازان عقد ہای بی سرو پایا
 از خم موی جعد پر شکش
 الف قائم شد دست دوتا

می نگویم دوتا کہ چون باشد
 غیر یک ذات دوست در ہر جا
 خاطر خود بفرق خوی مدہ
 گر بینی بچشم جمعیت
 نیست فراق میان ما و خدا

مطبوعہ نسخہ میں ۳ اشعار کا اضافہ ہے زیر نظر غزل کے پانچ اشعار نسخہ زبور (نفائس المآثر رامپور) میں پانچ اور

۱۔ بیت (۱) (ص ۱۸۶)

۲۔ ہالیون بادشاہ (ج دوم - ص ۲۸۶)

۳۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ - ص ۱۸۶

نسخہ مطبوعہ

نسخہ مخطوط

”ہالیون بادشاہ“ میں تین نقل ہیں۔

غزل نمبر ۳

روی تو رشک آفتاب شد دست
از رخت ماہ در نقاب شد دست
تا رخت زلف مشک بو پوشید
سنبل تر بگل نقاب شد دست
از شرابی کہ دوشش نوشیدی
جگر عاشقان کباب شد دست
دل عشاق خون شد دست تمام
اشکشاں سرخ چون کباب شد دست
در خرابات تا در آمدہ
مسجد و صومعہ خراب شد دست
بحر ہستی چو در ظہور آمدہ
آسمانہا دو حجاب شد دست
ہستی کاینات در جنبش
مثل چرخ و سیراب شد دست

دونوں دیوان میں مکمل غزل موجود ہے اس کے علاوہ نسخہ نفائس المآثر رامپور میں بھی بالانغزل کے چھ

اشعار نقل ہیں۔

۱۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ص ۱۸۶

۲۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ص ۲۹۔

نسخہ مطبوعہ

نسخہ مخطوطہ

غزل نمبر ۴:

وصف لعل تو در زبان منست
آتش در میان جان منست
اشک گلگون بچہرہ کا ہے
شرر آتش نہان منست
گرچہ تیرش زمن گذشت اما
لذتش در میان جان منست
ہر کہ باشد بجلس زندان
بیخود از نعرہ و فغان منست
ہرچہ در وصف حسن او گویند
بملہ در شرح و در بیان منست
ہرچہ از سر عشق پوشیدی
در میان تو در میان منست

آخیر در وصف حسن او گویند
جملہ در شرح و در بیان منست

دونوں دیوان میں مکمل غزل موجود ہے۔ نسخہ نفاس الماثر رامپور میں بالا غزل کے چھ (۶) اور پروفیسر عبدالغنی نے ایسٹری آف پرشین لینگویج ایٹ دی نعل کورٹ جلد دوم میں ۱۱۳ اشعار نقل کئے گئے ہیں۔

غزل نمبر ۵:

داغ عشق تو، رجبین منست
خانم لعل تو نگین منست

۱۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ (ص ۱۸۶)

۲۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳ (ص ۱۲)

نسخہ مطبوعہ

نسخہ مخطوطہ

تا کہ گشتم چو خاک بر در تو
 پشت بام فلک ز من نیست
 ہر کجا شاہ و شہر یاری بود
 این زماں چاکر مکیں نیست
 خط مشکین بصفہ کلفام
 آیت رحمت مبین نیست
 نفس خرطبع را چو کہ دم رام
 تو سن چرخ زیر زمین نیست

مکمل غزل دیوان پٹنہ میں موجود ہے۔ اس کے ماسوا بالا غزل کے ۴ اشعار فرشتہ، عبدالغنی اور بزنجی نے

نقل کئے ہیں۔

غزل نمبر ۶:

روی تو صفہ نسرین نیست
 زلف تو سنبل پر چین نیست
 زاہد منع من از عشق مکن
 عاشقی مذہب و آئین نیست
 فالی از مصحف رویت بکشا
 فتح او فاتحہ دین نیست

۱۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، (ج اول۔ ص ۴۶۰)

۲۔ مندرج بالا چاروں اشعار عبدالغنی نے ج۔ دوم۔ ص ۱۲۰ پر نقل کئے گئے ہیں۔

۳۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ (جلد دوم ص ۲۸۷)

شوخی چستی و رمیدی از من
چشم تو آہوی مشکین نیست
یہ پوری غزل دونوں دیوان میں موجود ہے۔

غزل نمبر ۷:

کار من باہویشے افتادہ است
در درونم آتشی افتادہ است
خانہ ام روشن شد از روی حبیب
ترتوی ازہویشے افتادہ است
دل مرا ای جان بہر سو میکشد
تا دم بادی لکشی افتادہ است
کام دل خواہم گرفتن این زمان
چون بدستم سرخوشی افتادہ است
عقل و ہوش از من جوئید ای بتان
چون ہمالیون ہمیشی افتادہ است
مرزا علاؤالدولہ قزوینی اور عبدالغنی نے بھی مکمل غزل نقل کی ہے۔

غزل نمبر ۸:

سراسر شادی عالم بیکدم غم نمی ارزد
بنزد عمر صد سالہ بیک نام نمی ارزد

۱۔ نفائس المآثر - ص ۱۸۶

۲۔ ایسٹری آف پرشین لنگویج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ ص ۱۰

نسخہ مخطوطہ

غنیمت دان جوانی را کہ ایام خوش است اما
ولی با عالم پیروی و پشت خم نمی ارزد

کو آن تحت سلیمان کو آن احوال مورانش
چہل خانہ زر قانون بیک جو ہم نمی ارزد
بنودی جنت المادا نبودی این مہایون را
کہ جنت ہم بسر گردانی آدم کنی ارزد

نسخہ پینہ میں ۴ اشعار ہیں اور مرتب شدہ نسخہ میں ایک کا اضافہ ہے۔ علاوہ بریں۔ اس۔ کے۔ بنرجی نے مکمل غزل نقل کی ہے۔

غزل نمبر ۹:

ہر کہ وابستہ شما باشد
دلش از خویشتن جدا باشد
گرچہ گوید کہ منظر حقے
لیک مقصود او خدا باشد
ہجر تو بر دلم بلای بد نیست
ہم بوصل تو اش دوا باشد

ہر کہ از وصل دوست می نوشد
اینچنین می خورد روا باشد

نسخہ مطبوعہ

غنیمت دان جوانی را کہ ایام خوش است اما
دلی با عالم پیروی و پشت خم نمی ارزد
اگر برگ وفا خواہی برو تحسم کرم نشان
سری کو بی کرم باشد بیک شلغم نمی ارزد

نسخہ مخطوطہ

نسخہ مطبوعہ

ای ہالیون ز عشق آھی بس

حاصل عشق ما ہوا باشد

نسخہ پٹنہ میں ۳ اشعار ہیں اور مرتب شدہ نسخہ میں ۲ زائد اشعار ہیں علاوہ ازین نفائس المآثر (راپور) ^۱

میں ایک شعر نقل ہے۔

غزل نمبر ۱۰:

برویت دل خستہ ما سپند

ز چشم بدانت مبادا گزند

براہ تو عشاق کردند پست

تو چون سرفرازی چو سرو بلند

ز شوق ریزم باران اشک

تو ای گل بعشاق گریان محمد

سگان تو یاران دیرینہ اند

بگویم رقیبان (نہ) راکشتند

دل من گرفتار زلف تو شد

مقید شد این مرغ و حشہ بہ بند

ہالیون زمولش مشوش شو

ترا فتہ غمزہ ایش بند

پوری غزل دونوں دیوان میں منقول ہے صاحب نفائس المآثر (نسخہ راپور) نے بھی مکمل غزل نقل کی۔

۱۔ بیت نمبر (۱) (ص ۱۸۶)

۲۔ نفائس المآثر (ص ۱۸۷)

غزل نمبر ۱۱:

گذشت از دل سرگشته ناوک ستمس
 بماند بر من دل خستہ لذت المش
 بقصد کشتن عشاق اگر کند میلے
 عجب بنا شد از اخلاق و شیوۂ گرمش
 کہ است زہرہ قرب حریم حرمت او
 کہ جبریل امین نیست محرم حرش
 رقم زد دست قلم در قدم بقدرت او
 کہ سر نوشت جہان ست حاصل قمش
 مرا بخت او خوشدلی بسی باشد
 ز شادی دو جہان خوشترست درد و غمش
 اگر بر سرش عشاق می نہد قدیے
 ہزار جان گرامی فدای ہر قدمش

دونوں دیوان میں مکمل غزل موجود ہے۔ اس کے علاوہ علاؤالدولہ نے مکمل غزل عبدالغنی نے ۵ اور فرستہ
 نے ۴ اشعار نقل کئے ہیں۔

۱۔ نفائس المآثر۔ ص ۱۸۶۔

۲۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵۔ (ج دوم۔ ص ۱۱)

۳۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴۔ (ج اول۔ ص ۲۴۳)

نسخہ مطبوعہ

نسخہ مخطوطہ

غزل نمبر ۱۲:

خوش آنکہ با خیالات عمری نشسته بودم
 وز شوق سرو قدت از جای بستم بودم
 عیسم مکن کہ گفتم موی ترا پریشان
 در شرح جد زلفت چون دلشکسته بودم

دی سوی من کہ دیدی پرسیده پیہ حالت
 از چشم ناتوانت بسیار خستہ بودم

در شرح غنیمت ہرگز نگفتہ حسرتی
 لب مادر آن حکایت پیوستہ بستم بودم

حقا کہ چون مہایون در حال وصل نیمخود
 بادوست در حکایت از خویش رستہ بودم

دیوان پٹنہ میں ۱۳ اور مرتب شدہ نسخہ میں ۱۲ اشعار زائد ہیں۔ اس کے علاوہ علاؤ الدولہ نے پانچ
 فرشتہ نے چار اور عبدالغنی نے بالا غزل کے پانچ اشعار نقل کئے ہیں۔

غزل نمبر ۱۳:

چشم بر رخسار جانان دو ختم
 ز آہ گرم آتشینش سو ختم

۱۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ (ص ۱۸۶)

۲۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ (ج اول ص ۲۲۳-۲۲۴)

۳۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ (ج دوم ص ۱۴)

نسخہ مخطوطہ

نسخہ مطبوعہ

دی رقیب بجزد جان را بسوخت
من ز غیرت آن زماں افروختم

سرد مہری کرد جانا نم بیسے
من ز عشق او کنون واسو ختم
کی روا باشد کہ گویم این سخن
عشق اورا چون بجان اندو ختم
حاصل کونین را در با ختم
تار موز عاشقی آسو ختم

چار اشعار دیوان پلٹنہ میں موجود ہے اور مرتب شدہ نسخہ میں ایک کا اضافہ ہے۔ فرشتہ نے پوری غزل نقل کی ہے۔

غزل نمبر ۱۴:

تا دیدہ ام بجانب رخسار آتشین
آتش قتادہ است بجان من خرن
سرد در جہاں ہنوادہ و بسیار گشتہ ام
تا سادہ گلرخنی چو توئی کردہ ام کزین
از من گناہ کاری و لطف از تو می سزد
ای دوست بر گناہ من از لطف خود مبین
بیار در فراق تو سر گشتہ گشتہ ام
لطفی نما و سوی من آ لطف نشین

نسخہ مخطوط

نسخہ مطبوعہ

چون من سگان بکوی تو در ناله فغان
تا آهوان چشم تو گشتند در کمین

من چون سگان بکوی تو در ناله فغان
تا آهوان چشم تو گشتند در کمین
دو نون دیوان میں مکمل غزل موجود ہے۔ البتہ نفاس المآثر (نسخہ خطی رامپور) میں اس غزل کا ایک شعر

نقل ہے۔

غزل نمبر ۱۵:

بر رہ افتاده است رہبر تو
تا بگرد بجیلہ بر سر تو
سر کشید ست سر در بستان
تا کند خویش را برابر تو
لعل سیراب و گوهر کافی
کی شود در، مثال گوهر تو
آنچه در کاینات موجود است
نیست جانا و رای منظر تو
کیست عاشق شکستہ بیدل
گشتہ زار و اسیر و ابتر تو
شکر الله کہ تازہ شد جانم
ناشگفتہ است غنچہ تر تو

دو نون دیوان میں مکمل غزل پائی جاتی ہے۔ علاؤ الدولہ نے پانچ اور ایس۔ کے۔ بزمی اور نے تین غزل

۱۔ بیت نمبر (۱) (ج ۱۸۶) ۲۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ (ص ۱۸۷)

۳۔ بیت نمبر ۱، ۲، ۳ (ج دوم ص ۲۹)

بالا کے اشعار نقل کئے ہیں :

غزل نمبر ۱۶:

ای حسن تو دیباچہ مجموعہ معنی
 لایع شدہ از روی تو انوار تجلی
 حاشا کہ جدا از تو تو ان زلیست و لیکن
 دارم بخالی نہ جمال تو تیسلی
 در مملکت حسن توئی شاہ ولایت
 کردم بولائی تو کنون روی تو یلے
 تا حسن تو در جلوہ گری گشت ازان
 و امق پے عذر اشد و محنوں پے لیلی
 حاجی بخیاں حج و زاپہ پی طاعت
 مارا نبوذ غیر وصال تو تمینے

دونوں دیوان میں مکمل غزل موجود ہے۔ البتہ ایس۔ کے بزرگی نے اپنی تصنیف ”مہایون بادشاہ“ میں

چار اشعار نقل کئے ہیں۔

غزلیات کے علاوہ دیوان مہایوں میں ۶۰ رباعیات پائی جاتی ہیں لیکن تمام کا بیان کرنا طول کا باعث ہوگا
 لہذا ذیل میں ان رباعیات کو نقل کیا جاتا ہے جو دیوان کے ماسوا دیگر معتبر ماخذ میں موجود ہیں۔ مثلاً

ای دل مکن اضطراب در کوی حبیب	حال دل خود گوی با صبح طبیب
کاری کہ ترابہ آن جفاکار افتاد	بس قصہ مشکل ست دلس امر عجیب

زیر نظر رباعی نفائس المآثر (۱۸۶) اکبرنامہ (ص ۱۴) ہسٹری آف پرشین ییگو یج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ (ص ۱۴) میں پائی جاتی ہے۔

ہر جا کہ اساس خانہ و بنیاد است از گردش چرخ بی بقا برباد است
از خانہ و منزل دل کس شاد نہ شد خرم دل آنکہ باز نگاری شاد است
دیوان کے علاوہ بالارباعی کو الیس۔ کے۔ برجی نے ”ہمایون بادشاہ“ میں (ج دوم۔ ص ۲۶) پر نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر ہادی حسن کا خیال ہے کہ ذیل رباعی حافظ شیرازی کے شعر پر مبنی ہے۔
خلل پذیر بود ہر بنا کہ حی بینی مگر بنای محبت کہ خالی از خلل است

ای آنکہ جفای تو بعالم علم است مارا چو غم عشق تو باشد چہ غم است
گر خون مرا ریزی و بر من گذری آن ہم بمن دل شدہ عین کرم است
بالارباعی کو مرزا علاؤ الدولہ قزوینی (ص ۱۷۶) عبدالغنی (ص ۱۶) اور ابوالفضل نے بھی ج اول ص ۳۶۸ پر نقل کیا ہے۔

ای آنکہ ہمیشہ خاطر م طالب تست چشم و دل و عقل و ہوش من را غب تست
از بہر جفا کردن اغیار و رقیب این بندہ یکی ز حاجبان، حاجب تست
زیر نظر رباعی کو اس۔ کے۔ برجی نے ”ہمایون بادشاہ“ میں نقل کیا ہے

ای دادی لامکان مکانت دور ازل وابد زمانت
ای ہستی بی نشان مطلق شد ہستی بی نشان، نشانت

ای از رخ تو نمودار الزوار صبح بر روی تو شد کشادہ ابواب فتوح
خواہم ز خدا، ہمیشہ باشی خرم در پادشہی فرید و در عمر چو نوح
بالادونوں رباعیات دیوان کے ماسوا ”ہمایون بادشاہ“ ص ۲۹۷-۲۹۳ پر نقل ہے۔

ای آنکہ بیاد تو دلم باشد شاد بیار تو خاطر دم دی شاد مباد

روزی کہ زیاد تو کم صد فریاد آیا ز من غمزدہ ات آید یاد

اس رباعی کو نفائس المآثر میں علاؤالدولہ قزوینی نے (ص ۱۸۶) اور ہسٹری آف پرشین لینگویج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ میں عبدالغنی نے (ج دوم ص ۱۷) ایس۔ کے بزرگی نے (ص ۱۰) نقل کیا ہے۔

در آئینہ گرچہ خود نہائی باشد پیوستہ ز خویشتن جدائی باشد

خود را بمثال غیر دیدن عجب است ایس بوالعجب کار خدائی باشد

اس۔ کے۔ بزرگی نے ”ہالیون بادشاہ“ (ج دوم ص ۱۰) اور بیوریج نے ”ہالیون نامہ“ (ص ۱۴۵) پر اس رباعی کو نقل کیا ہے۔

ای دل زرقیب خود جدا خواہی شد پیوستہ زرقیب خود جدا خواہی شد

پیغمبریت دست نخواهد دادن از خود گذر آن لحظہ خدا خواہی شد

(ہالیون بادشاہ۔ ج دوم ص ۲۹۳)

خواہی کہ جہاں بطبع تو راست شود آن چیز کہ خواستی همان خواست شود

باید کہ تو با طبع جہاں راست شوی تا ہرچہ خدا خواستہ آن خواست شود

(ص ۲۹۶)

ای سرور کائنات دراصل وجود تھا کہ توی حبیب حی معبود

بر خیز نما جمال عالم آرا زیر کہ توی ز خلق عالم مقصود

(ص ۲۶۶)

مائیم صفحات حی مختار و دود ظاہر شدہ از آئینہ نور شہود

چون یک شجرم جملہ در باغ وجود ما فرع وجودیم و خدا اصل وجود

(ص ۲۶۶)

مذکورہ بالا تینوں رباعیات دیوان ہالیون کے علاوہ نیز ”ہالیون بادشاہ“ میں نقل ہیں۔

ای نور خدا ز روی خوبت ظاہر اخلاق حسن ز حسن خلقت باہر
گر تو دل من بخود نخواہی بردن در شیوہ دلبری نباشی ماسہر
”نفاس المآثر“ میں علاؤالدولہ قزوینی نے (ص ۱۸۶) پر بالارباعی نقل کیا ہے۔

من صبح نیم صبح نمیدارم نام بر فضل تو مانیم شب و روز مدام
آنگاہ بجی حرمت مہتر لام بر بندہ ہمایون برسان فیض تمام
بالارباعی ایس۔ کے۔ بنرجی نے ”ہمایون بادشاہ“ میں نقل کیا ہے۔

درد دل سوس لعل تو دارم ہستم در سر ہوس قد تو دارم، ہستم
سرگشتہ دلی تبار زلفت بستم تادل بتو بستم زہمہ دارستم
عرفات العاشقین میں بالارباعی موجود ہے۔

یارب بکمال لطف خالصم گردان عارف بحقائق خواصم گردان
از عقل جفا کار دل افکار شدم دیوانہ خود خوان و خلاصم گردان

بالارباعی اکبرنامہ (ج اول ص ۴۳۵) ہمایون بادشاہ (ص ۲۵۶) اسٹری آف پرشین لینگویج اینڈ لٹریچر ایٹ
دی مغل کورٹ (ج دوم ص ۱۵) وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔

ای دل ز حضور یار فیروزی کن در خدمت بصدق دل سوزی کن
مہر شب نجیال دوست خرم بنشین۔ مہر روز بوصل یار نوزوی کن

زیر نظر رباعی نفاس المآثر (ص ۱۸۶) فرشتہ (ج اول ص ۴۴۶) ہمایون بادشاہ (ج دوم ص ۲۹۳) اسٹری آف
پرشین لینگویج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ (ج دوم ص ۱۶) پر نقل ہے۔

ای آنکہ طلبگار رہ تحقیق در شیوہ صدق و راستی صدیقی
زنہار کہ غیر حق نہ بیٹی ہرگز چون بیٹی تو (گرو) کافرو زندیقی

بالارباعی نیز دیوان کے علاوہ ”ہمایون بادشاہ“ (ج دوم ص ۲۹۶) پر منقول ہے۔

مانیم زجان بندہ اولاد علی ہستم ہمیشہ شاد بایاد علی

چون سر ولایت از علی ظاہر شد کردیم ہمیشہ درد خود ناد علی
بالا رباعی دیوان کے علاوہ تاریخ فرشتہ (ج اول ص ۴۲۶) عراقات العاشقین اے ہسٹری آف پرشین لنگویج اینڈ
لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ (ج دوم ص ۱۵) ”ہمایون بادشاہ“ (ج دوم ص ۱۲۲) وغیرہ میں بھی شامل ہے۔
علاوہ بریں دو فرد بھی دیگر کتابوں میں پائے جاتے ہیں

حالتی رونمود از لاریب ،

کاندران نہ شہادتست نہ غیب ،

دیوان کے علاوہ ”ہمایون بادشاہ“ میں بھی نقل ہے۔

لذت عشق تو جان عارف آگاہ یافت

اینچنین دولت بمدتہا کسی ناگاہ یافت

دیوان کے ماسوا علاؤ لدولہ قزوینی نے ”نفاکس الماثر“ (ص ۱۸۶) پر نقل کیا ہے۔

ہمایوں کا کلام ادب میں تاریخی حیثیت کا بھی حامل ہے چنانچہ ذیل میں کچھ ابیات پیش کئے
جاتے ہیں جنہیں اس نے اکثر مواقع پر کہا ہے۔

۹۴۱ھ میں ہمایوں بادشاہ نے بہادر شاہ گجراتی کو ایک خط میں دو شعر لکھ کر بھیجے تھے۔

اکبرنامہ میں ہے :

این دو بیت در آن جریدۂ اقبال درج نمود

ای آنکہ لاف میزنی از دل کہ عاشق است طوبی لک از زبان تو بادل موافقی است

درخت دوستی بنشان کہ کام دل بیار آرد نہال دشمنی برکن کہ رنج بشمار آرد
جب بہادر شاہ نے قلعہ چتوڑ کا محاصرہ کیا اور رانا چتوڑ نے ہمایوں بادشاہ سے مدد طلب کی تو ہمایوں نے

اس موقع پر قطعہ ذیل لکھ کر بہادر شاہ کو بھیجا۔

ای کہ ہستی غنیم شہر چتور کافران را چطور میگیری؟
بادشاہی رسید بر سر تو تو نشسته چتور میگیری؟

بہادر شاہ نے جواب میں لکھا۔

من کہ ہستم غنیم شہر چتور کافران را بجور میگیرم
ہر کہ بلند حمایت چتور تو بہین کش چتور میگیرم

ہمایوں نے زیر نظر شعر یا دگار میرزا کو ایک خط میں لکھا تھا۔

ای بر خسار چومہ چشم و چراغ دگران
سو ختم چند شوی مرہم داغ دگران

ہمایوں شیرخان سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے لاہور پہنچا تو میرزا کا مران نے بظاہر موافقت اور درپردہ مخالفت کر کے شیرخان سے ساز باز کر لی کہ شیرخان اس سے پنجاب لے کر کابل، قندھار اور غزنی کا تنہا مالک بنادے۔ اور دوسری طرف ہمایوں کا ہمدرد بن کر اسے شیرخان کے خلاف لڑائیوں کی تدبیریں بتا رہا تھا یہاں تک کہ شیرخان بہت قریب آگیا اور اپنے ایک قاصد کو ہمایوں کے پاس بھیجا، جس کا کام میرزانے بڑی خوش دلی سے استقبال کیا۔

اس موقع پر ہمایوں نے ذیل رباعی کہی۔

در آئینہ گر چہ خود نمائی باشد پیوستہ ز خویش تن جدائی باشد
خود را بہمنائی غیر دیدن عجب است این بوالبعی کار خدائی باشد

لے تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ہندو شاہ۔ ج ۱۔ ص ۲۱۴۔ نول کشور لکھنؤ۔

لے اکبر نامہ۔ ابوالفضل۔ ج ۱۔ ص ۲۰۴ (اس شعر کے سلسلے میں ہادی حسن کا بیان ہے ”چون در نامہ امی کہ ہمایوں بادشاہ بیادگار نامہ میرزا ارسال کردہ، بیت ذیل کہ ان ہم در دیوان جامی (ص ۶۰۶) پیدا کر دم۔ مجموعہ مقالات ص ۱۹۸) لے ہمایوں بادشاہ۔ ایس۔ کے۔ بنرجی۔ ج ۲۔ ص ۲۰۔

نگلبدن بیگم ” ہمایون نامہ“ ص ۴۸ پر لکھی ہیں ہمایوں نے کامران کے پاس وہ رباعی نہیں بھیجی، بلکہ قاصد کے ذریعہ سے شیرخان کے پاس ارسال کی تھی جب ہمایوں شیرخان سے ہزیمت اٹھانے کے بعد پریشان حال در بدر پھر رہا تھا اپنی فوج کے ساتھ جیسلمیر پہنچا، وہاں بیابان میں پانی کی قلت کی وجہ سے لشکر کی جان بچتے ہوئے لگے۔ آخر کار ایک کنواں نظر آیا اس کو پانی کے لینے لشکریوں میں اس قدر جھگڑا ہوا کہ بہت سے فوجی کنویں میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ اس واقعہ سے متاثر ہو کر ہمایوں نے ذیل شعر کہا۔

چنان زوچا کہا گر دون لباسِ دردمندان را

کہنے دست آیا آستین می یا بدو نے گریبان را

ہمایوں جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر ٹھہرا سپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا۔ تو اس وقت اس نے شاہ کے نام ایک خط میں ذیل شعر لکھا۔ اکبر نامہ ہے۔

این بیت در ضمن آں مکتوبی ر قوم شدہ بود

کہ گذشت از سرما آنچہ گذشت چہ بدریا چہ بکھسار ہا و چہ دشت
ڈاکٹر ہادی حسن کا اس شعر کے سلسلہ میں بیان ہے کہ

"Above letter contained also four verses quoted from salman-e-sawaji."

مولف تذکرہ روز روشن ”درج ذیل اشعار نقل کرتا ہے کہ جو ہمایوں ٹھہرا سپ صفوی کو خط میں لکھے تھے یہ

خسروا عمر پست تا غتقای عالی ہستم
قلہ قاف فناعۃ را نشیمن کردہ است

۱۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ ج۔ اول ص۔ ۴۲۹

۲۔ اکبر نامہ۔ جلد اول۔ ص۔ ۲۳۲

۳۔ دی یونیک دیوان آف ہمایوں بادشاہ۔ ڈاکٹر ہادی حسن۔ ص۔ ۲۱

۴۔ تذکرہ روز روشن۔ نواب صدیق حسن۔ ص۔ ۹۳

روزگار سفلہ گندم نمای جو فردش
طوطی طبع مراقانہ بہ ارزان کردہ است
دشمنم شیراست و عمری پشت برمن کردہ بود
این دم از راہ عداوت روی برمن کردہ است
التماس این زرشہ دارم کہ با من آن کند
آنچہ با سلمان علی دردشت ارژن کردہ است

بزم تیموریہ میں ہے اس کے ساتھ یہ رباعی بھی نقل ہے^۱۔

ای شاہ جہان کہ نہ فلک پایہ تست
شاہان جہان . حملہ مہامی طلبند -
شاہ ایران نے اس کے جواب میں ذیل شعر لکھ کر بھیجا^۲ :

شاہان ہمہ سایہ مہامی خواہند
بنگر کہ ہما آمدہ در سایہ تو

بالا اشعار کے سلسلے میں ڈاکٹر ہادی حسن نے اپنی کاوشانہ تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت کی ہے کہ زیر بحث قطعہ ہمایوں بادشاہ کا نہیں ہے بلکہ سلمان سادجی کا ہے۔
ہادی حسن کا بیان ہے :

”شاہ طہماسپ ہمایوں را از حملہ شیرشاہ آسودہ خواہد ساخت . علاوہ براین ،
جہرہ آفتابچی کہ در سفر و حضر در خدمت ہمایوں بودہ ، صریحاً در تذکرہ واقعات

۱۔ بزم تیموریہ . سید صباح الدین . عبدالرحمن . ج . اول . ص . ۳۵

۲۔ تذکرہ روز روشن . ص . ۹۳

۳۔ مجموعہ مقالات . ہادی حسن . ص . ۲۰۷

ہمایون منیسوسکہ قطعہ مزبور را ہمایون پادشاہ از موزونی طبع خود فرمودہ بودند
پس ظاہراً و باطناً چنین مینماید کہ گویندہ قطعہ ہمایون بادشاہ است معہذاً
گویندہ قطعہ ہمایون نیست بلکہ سلمان ساوجی است:
باری در پی قطعہ مزبور، ہمایون دور باغی نیز در خدمت شاہ ارسال کرد:

ای از رخ تو نمودہ الزار صبح بروی تو شد کشادہ ابواب فتوح
خواہم ز خدا ہمیشہ باشی خرم در باد شہی فرید و در عمر چو نوح

ای شاہ جہاں کہ نہ ملک پایہ تست در دست، ولایت ہمہ سرمایہ تست
شاہان جہاں جملہ ہمہ می طلبند بنگر کہ ہمہ چگو نہ در سایہ تست

شاہ طہاسب نے ہمایوں کا پر جوش استقبال کیا مگر امیروں اور درباریوں نے شاہ کے کان ہمایوں کی طرف سے بھرنا شروع کر دیئے۔ اسی دوران شاہ طہاسب کی بہن رضیہ سلطانہ بیگم، قاضی جہاں تفریدی اور حکیم نور الدین نے باہم ہو کر اسی رائے پر اتفاق کیا کہ شاہ کے دل سے ہمایوں کی طرف سے غبار کدورت دور ہو جائے چنانکہ سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی ذیل رباعی پڑھ کر سنائی۔^۱

ہستم ز جان بندہ اولاد علی ہستم ہمیشہ شاد بایاد علی

چون سر ولایت ز علی ظاہر شد کہ دیم ہمیشہ درد خود ناد علی

شاہ طہاسب یہ رباعی سن کر بہت خوش ہوا اور کدورت اس کے دل سے جاتی رہی۔

ہمایوں نے اپنی ہجرت کے زمانے میں تبریز کی سیر کی۔ عہد ماسخی کے آثار قدیمہ اور سیرگاہیں دیکھیں دنیا کی بے ثباتی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اور اس وقت ذیل رباعی کہی۔

۱۔ تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ضد شاہ فرشتہ۔ ص۔ ۲۱۵

۲۔ اکبر نامہ۔ ابوالفضل۔ ج اول۔ ۲۵۱

افسوس کہ سرمایہ بکف . بیرون شد وز دست اجل بے جگہ ہا خون شد
کس نامدازان جہان کہ تا برسم ازو کا حوال مسافران عالم چون شد

۱۹۵۲ء میں ہمایوں بدخشاں کی تسخیر کے ارادے سے روانہ ہوا۔ کامران ہمایوں کا ساتھ چھوڑ کر کابل واپس لوٹ گیا اور ہمایوں کے طرفداروں کو غارت گری پر اکسایا۔ ۱۹۵۴ء میں ہمایوں نے دوبارہ کابل کی جانب رخ کیا تاکہ قبضہ کر سکے چنانچہ قلعہ کابل کی جانب تو ہیں آراستہ کیں تو کامران پسر ہمایوں اکبر کو توپوں کے سامنے لے آیا۔ لیکن خوش قسمتی سے اکبر محفوظ رہا۔ اس موقع پر ہمایوں نے فرط محبت سے بریز ہو کر زیر اشعار کہے۔

بر رہ افتاد است رہبر تو تا بگر دو مجیدہ بر سر تو
سر کشید ست سرور لبستان تا کند خویش ز برابر تو
لعل سیراب و گوہر کافی کی شود در مثال گوہر تو
آنچہ در کائنات موجود است نیست جانا و رائی منظر تو
کیست عاشق ہ شکستہ بیدل گشتہ زار و اسیر و ابر تو
شکر اللہ کہ تازہ شد جام تا شگفتہ است غنچہ تر تو

اسی طرح ہمایوں نے ذیل اشعار اپنے بیٹے کی محبت میں قندھار کے سفر کے دوران کہے تھے جو اس کے جذبات پد رانہ کے بہترین عکاس ہیں۔
اکبر نامہ میں ہے کہ:

یابین مضمون گرہ کشائی آبلہ دل گشتند۔
خدایا تو این گوہر شاہوار ز آسیب بد گوہران دوردار
ز دریای دانش باو آب دہ ز خورشید بنیش باو تاب دہ

بسی دور زد بر فلک آفتاب کہ این نیر آمد - مردن از نقاب
 بسی کرد انجم نظر حامی سعد کہ این مہ ز طلعت بر افگند جعد
 بسی چرخ زد آسمان بلند کہ آفاق زین نور شد بہرہ مند
 فروغ ازل باد منظور او مبیناد تار یک دل نور او

ڈاکٹر ہادی حسن کا بیان ہے

"Perhaps the verses were not even quoted by Hamayun. They represent Humayun's feelings as interpreted by Abul-Fazal".

مرزبور اس واقعہ کے بعد یعنی ۱۵۵۳ء میں ہمایوں نے از سر نو فوج آراستہ کر کے کامران کے خلاف قندھار پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت ہمایوں کا رفیق و غمگسار بیرم خاں قلعہ قندھار کے محاصرے پر تھا۔ قلعہ قندھار کے مستحکم و مضبوط قلعہ کو فتح کرنا آسان نہ تھا لیکن بیرم خاں کی سپہگری اور بہادری سے ہمایوں نے فتح پائی۔ لہذا ہمایوں نے ایک فتح نامہ قندھار میں بیرم خاں کے پاس بھیجا۔

باز فتحی ز غیب روی نمود کہ دل دوستان ازو بکشد
 شکر اللہ کہ باز شادانیم بر رخ یار و دوست خندانیم
 دشمنان را بکام دل دیدیم میوہ باغ فتح را چیدیم
 روز نوروز، بیرم است امروز دل احباب بہنم است امروز
 شاد بادا ہمیشہ خاطر یار غم نگردد بگرد یار و دیار
 ہمہ اسباب عیش آمادہ است دل ب فکر و صالت افتادہ است
 کہ جمال حبیب کی بہنم ؟ گل ز باغ وصال کی چہنم ؟

لہ (الف) اے ہسٹری آف پرشین لیگنڈ کی ایڈیٹر کورٹ - عبدالغنی - ج دوم - ص - ۱۹ - ۱۸

(ب) ہمایوں بادشاہ - ایس - کے - برجی - ج دوم - ص - ۱۸۰

گوش خرم شود ز گفتارت دیدہ روشن شود ز دیدارت
در حریم حضور شاد بہم بنشینم حریم و بغم
بعد از آن فکر کار ہند کینم غم تسخیر ملک سند کینم
ہر در بستہ ای کشادہ شود ہر چہ خواہیم از آن زیادہ شود
آنچہ خواہیم از زمان و زمین گوید آہین جبریل امین
یا الہی میسرم گردان دو جہان را مسخرم گردان
ہمایوں نے زیر نظر رباعی فی البدیہہ کہی اور فتحنامہ کے حاشیہ پر لکھی۔

ای آنکہ انیس خاطر مخزونی چون طبع لطیف خویش تن موزونی
بی یاد تو نیستم زمانی ہرگز آیا تو بیاد من مخزون چونی
بیرم خاں نے اس کے جواب میں ذیل رباعی لکھ کر بھیجی۔

ای آنکہ بذات سایہ نیچونی از ہر چہ ترا وصف کنم افزونی
چون میدانی کہ بی تو چون میگذرد چون بیرسی کہ در فرام چونی
اس کے بعد ہمایوں نے بیرم خان کے خط کے جواب میں یہ رباعی کہی۔
ای یار لطیف طبع پاکیزہ گہر وی عمدہ اہل فضل و ارباب ہنر
بکشا نظر امید کز نور حضور می آرمت از تیرگی مہر بدر

ہمایوں نے کامران کے بہت زیادہ غور سے متاثر ہو کر ذیل شعر کہا تھا اکبرنامہ میں ہے:

این بیت بر زبان حقیقت بیان راندند
مبادا کس بزور خویش مغرور کہ مغروری کلاہ از سر کند دور

ایک اور جگہ کامران کو نصیحت کے طور پر مہایوں نے ذیل اشعار کہے۔

اکبرنامہ میں ہے:

”ای برادر بد خودای عزیز جنگ از تدبیر این کار کہ باعث کارزار و موجب
قتل و آزار مردم بشمارست بالرائی و بر مردم شہری و لشکری رحم تمامی
امروز این ہمہ مردم کہ کشتہ می شوند۔“

بود خون آن قوم در گردنت بود دست آن جمع در دامن
ہمان بہ کہ بر صلح رائے آوری طریق مروت بجائے آوری

کامران نے اس کے جواب میں کہا۔

عروس ملک کسی در کنار گیرد چست

کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار دھند

جب مہایوں نے آگرہ اور دہلی پر دوبارہ فتح حاصل کر لی تھی۔ لیکن سکندر سور اس شکست کو برداشت نہ کر سکا۔ چنانچہ دوبارہ مقابلہ کے لئے سرہند آیا اور زبردست معرکہ آرائی ہوئی لیکن فتح و کامیابی مغلوں کا مقدر بن چکی تھی لہذا اکبر ہاتھی گھوڑے دیگر خزانے کے ساتھ مہایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت مہایوں نے فرط محبت سے لبریز ہو کر شہزادہ اکبر کے لئے دعاؤں کے ساتھ ذیل دو اشعار کہے:

چراغی چون تو اندر دود ماسم

چرا روشن بناشد چشم جاسم؟

بہر کاری ز یزدان یاریت باد

ز عمر و ملک بر خور داریت باد

۱۔ اکبرنامہ۔ ابوالفضل۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۳۲۰۔ الہ آباد

۲۔ مہایوں بادشاہ۔ ایس۔ کے۔ بنرجی۔ ج۔ دوم۔ ص۔ ۲۵۱

ایک بار ہمایوں نے ہندو بچہ کو میدان جنگ میں دیکھا تو اس کی تعریف میں یہ رباعی کہی بلکہ
 ہندو بچہ بدیدم اندر صف جنگ رخسارہ اوز تشنہ می گلرنگ
 گفتم کہ خراب لعل می گون توام در خندہ شد و گفت ہمایوں البے سنگ
 ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے تو ایک روز اس نے صبح کی نماز کے بعد یہ رباعی سنائی :-
 یارب بکمال لطف خامم گر دان واقف بخلق خواصم گر دان
 از عقل جفاکار دل افکار شدم دیوانہ خود خوان و خلاصم گر دان

جیسا کہ ہمارے علم میں ہے کہ وہ نہ صرف علم شناس، ادب دوست تھا بلکہ اس کے شعرو سخن کی بدولت اس زمانہ
 کے شعراء اس کے جو دو کرم سے نہ صرف مستفید ہوتے تھے بلکہ علمی بحث و مباحثہ میں شریک ہوتے تھے اور ہمایوں اپنی
 نکتہ سنجی، دقت نظری اور معانی آفرینی کے سبب اکثر اساتذہ کے کلام میں بلا تکلف اصلاح بھی کرتا تھا۔
 ایک بار ملا حیرتی نے اس کے سامنے ایک شعر پڑھا :-

ہیچو پرواز بشمع سرو کار است مرا
 پیش اگر پیش روم بال و پر می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرعے میں یہ اصلاح دی :-

می روم پیش اگر بال و پر می سوزد

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوا۔

ہمایوں دیندار صوم و صلوة کا پابند تھا۔ کبھی قسم نہ کھاتا اور نہ کبھی فحش بات زبان پر لاتا تھا۔

۱۔ دیوان ہمایوں بادشاہ - (مرتبہ) ہادی حسن - ص ۵۶

۲۔ اکبر نامہ - ابوالفضل - ج ۱ - ص ۴۳۵

۳۔ مآثر رحیمی - عبدالباقی نہاوندی - ج ۱ - ص ۴۱۲

منتخب التواریخ میں ہے:

”مہایون یکدم بی وضو نبودی و نام خدا و رسول را هرگز بی طہارت بزرگا
نبردی۔ ہر گاہ اسمی کہ مرکب از عبد و اسماء حسینی چون عبد اللہ باشد با نیستی
گرفت، در آن حالت تنہا بہ عبد اکثفا کردی مثلاً عبدالحی را فقط عبد و
عبد اللہ را فقط عبد میگفتی۔“

ہمایوں کے جا بجا ابیات حمد باری تعالیٰ اور شہنای رسول اکرمؐ میں ملتے ہیں:

ای وادی لا مکان	مکان	دور ازل و ابد	زمانت
ای ہستی بی نشان	مطلق	شد ہستی بی نشان	نشانت

ای اصل وجود و ہست مطلق	غیر تو بواطل و توئی حق
ای خالق جملہ خلایق	تو مصدر کل و حق مطلق

ای حسن تو دیباچہ مجموعہ معنی	لامع شد از روی تو انوار تجلی
حاشا کہ جدا از تو توان زیست لیکن	دارم نجیالی ز جمال تو تسلی
در مملکت حسن توئی شاہ ولایت	کردم بولائی تو کنون روی توئی
تا حسن تو در جلوہ گری گشت ازان رو	وامق پے عذرا شد و مجنون پی لیلی

ای ذات تو لایزال ہست تو عدم	امر تو علی العموم، ملک تو قدم
گر بحر شود مداد و افلاک دوات	عاجز شود از شرح صفات تو قلم

ای آنکه مقید زمین و زمینی کس را نبود لائق ذاتت سخنی
جای که نبی شنائی تو نگفت کی شرح صفات تو کند، پچو منی

ای آنکه جمال تو بما اجمالی ست ماه رخ تو همیشه استقبالی ست
هر چند که چشم ما ز لغشت خالی ست ما را بخیال تو بسی خوشنالی ست

حالتی رو نمود از لاریب کاندرا آن نه شهادت است غیب

شنائی رسول اکرم

ای سرور کائنات در اصل وجود حقا که تو ی حبیب می معبود
بر خیز، نما جمال عالم آرا زیرا که تو ی ز خلق عالم مقصود

سلطان سریر انبیائی تو خورشید سپهر اولیائی تو
مردم همه پیرو طریق تو اند ره شرع بخلق ره نمائی تو

من، بیچ نیم، بیچ نمیدارم نام بر فضل تو مانیم شب و روز دوام
آنگاه بحق حرمت مترلام بر بنده همایون برسان فیض تمام

همایون درویش دوست اور صوفی مسلک بھی تھا۔

تذکرہ همایون و اکبر میں ہے:

” حضرت جہتی کہ بادرویشان داشتہ در مجلسی کہ آتش حضرت

لے تذکرہ همایون و اکبر۔ بایزید بیات۔ ج۔ ۱۷۰۔ ۱۶۹ کلکتہ۔

رسول میدانند آب بدست ایشان ریختند۔

تاریخ بخارا میں ہے:

”سر نیازی بادرویشان داشته خود را بی نیاز از ایشان نمی پنداشته“

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ رنگ بھی اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً

ای آنکہ در دخول بر خود بستی با توبہ وز ہد عافیت نیشستی
ہرگز نکند فایده این طور ترا از خود چو گذشتی بخدا پیوستی

مائیم صفات حی مختار و دود ظاہر شدہ از آئینہ نور شہود
چون یک شجریم جملہ در باغ وجود ما فرع وجودیم و خدا اصل وجود

آن را کہ بزرگی ز سر کر یاس است با خلق ہمیشہ کار او و سواس است
انسان نبود، مرد نباشد آن خرم بد مردک و فاع آدمی و کناس است

اس کی رباعیات میں پسند و مو غطت کا عکس بھی نظر آتا ہے:

ای آنکہ طلب کار رہ حقیقی در شیوہ صدق و راستی صدیقی
ز نہار کہ غیر حق نہ بینی ہرگز چون بینی تو کافر و زندیقی

خواہی کہ جہان بطع تو راست شود آن چیز کہ خواستی ہمان خواست شود
باید کہ تو با طع جہان راست شوی تا ہر چہ خدا خواستہ آن خواست شود

لے تاریخ بخارا۔ ابوبکر محمد بن جعفر الزنجی۔

(بحوالہ مجموعہ مقالات۔ ہادی حسن ص ۱۹۸)

ہمالیوں افیون کو پسند کرتا تھا۔ وہ خود اس بات کا اقرار کرتا ہے۔

گلبدن بیگم لکھتی ہیں کہ:

”بادشاہ گفتند من افیون اگر در آمد و رفت دیر تر واقع شود،

از من زنجید۔“

ابو الفضل بھی بیان کرتا ہے کہ ہمالیوں بادشاہ افیون کی طرف رغبت رکھتا تھا۔

”در قرب اتھال افیون کم میکر دند خوراک ہفت روز بنبد ہای

خاص نمودند و بر زبان اقدس گذشت کہ افیون خوردن ماہیں است۔

و در روزی کہ اول منزل سفر ملک تقدس و تجرد بود، چارحب ماندہ بود کہ

طلب داشتہ بگلاب میل فرمودند۔“

چنانچہ کچھ اشعار تاریخ فرشتہ اور نسخہ دیوان پٹنہ میں افیون سے متعلق ملتے ہیں۔

من گنج روان در شک قارون دارم

یعنی کہ درون کیسہ افیون دارم

رباعیات ذیل جو نسخہ دیوان پٹنہ میں موجود ہیں ہمالیوں کی طبیعت کا نتیجہ ہیں جو اس نے

افیون کی تعریف میں کہے ہیں۔

ادراک لطیف و طبع موزون باشد

چون موجب خدائی نہ چون باشد

وقتیکہ بکیسہ حب افیون باشد

باجملہ بقال و حال شوگون باشد

افلاک پذیر قدم خاک آمد

چون اصل من از حکم ازل پاک آمد

نام من از آن واسطہ تریاک آمد

باغز دھا چو کار تریاق کنم

۱۔ گلبدن بیگم۔ ہمالیوں نامہ۔ ص۔ ۳۸

۲۔ ابو الفضل۔ اکبر نامہ۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۳۶۳

ای دل فرحان بذکر نیچو نی باش بانیک و بدان بو صفت موزونی باش
از عادت میل اگر خوری افیونی با خلق خدا بخلق معجونی باش

ہمایوں کے کچھ اشعار نفائس الماثر اور نسخہ دیوان پٹنہ میں حمام کی تعریف میں موجود ہیں۔ مثلاً

چو در حمام آئی ای برادر مجر د باشی از جمع علائق
ز تجرید لباس و شکل تفرید شوی ممتاز از رسم خلائق
چو سر وحدت معلوم گردد شوی کاشف با سرار حقائق

ذیل بیت جو دیوان میں موجود ہے۔

حمام کہ خانہ فراغت باشد ہر گاہ در و روی فراغت باشد

ہمایوں بادشاہ مولنا جامی اور حافظ شیرازی کو بہت پسند کرتا تھا۔ اور ان کے کلام کا اس نے بخوبی مطالعہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے ہمایوں کے کلام میں صوفیانہ رنگ کی آمیزش کلام جامی کو غور و حوض کے ساتھ مطالعہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمایوں کی کہی ہوئی بہت سی رباعیات جامی کی ”لوائح جامی“ کے انداز پر ہیں۔ ذیل میں کچھ رباعیات بطور مثال ملاحظہ ہوں۔ جو دیوان ہمایوں میں موجود ہیں۔

از دیوان

یارب بکمال لطف خامم گردان
عارف بحقائق خواصم گردان
از عقل جفا کار دل افکار شدم
دیوانہ خود خوان و غلامم گردان

یارب کہ قبول دل درویشان دہ
دین ریش دل شکستہ را در مان دہ

از لوائح جامی

یارب زدو کون بی نیازم گردان
وز افسر فقر سر فرازم گردان
در راہ طلب محرم رازم گردان
زان رہ نہ سوی تست بازم گردان

یارب دل پاک جان آگاہم دہ
آہ شب و گریہ سحر آگاہم دہ

از لواحق جانی

در راه خود اوّل ز خودم بخود کن
آنکه بخود ز خود بخود را هم ده

ما نیم وجود و اعتبارات وجود
در خارج علم و عارض ذات وجود
در پرده ظلمت عدم مستوریم
ظاهر شده عکس ما مرآت وجود

سادام که در تفرقه و وسواسی
در مذہب اهل جمع شرالناسی
لاولله ناس نه نسناسی
نسناسی خود ز جهل می نسناسی

بر خود دلم نواخت یک زمزمه عشق
زان زمزمه زیبای تا سر همه عشق
صفا که بعهد هانیام . بیرون
از عهده حق گذاری یکدمه عشق

ای مالک ره سخن زهر باب گوی
جز راه وصول رب ارباب میوی

از دیوان

من هیچ نگویم این بده یا آن ده
چیزی که رضای تو در آن است ده

ما نیم صفات حی مختار و دود
ظاهر شده آئینه نور شهود
چون یک شجریم جمله در باغ وجود
ما فرع وجودیم و خدا اصل وجود

گر واجب و ممکن تو ز هم نسناسی
از جمله مردمان تو شرالناسی
شیطان نه و مرد نه ای نارد
پس دیو صفت چه مردک نسناسی

کر دست دلم هوای بازنده عشق
بر دست مرا الوای سازنده عشق
جان و دل من رفیق عشقتند دام
دل چاکر کمر بین جان بنده عشق

ای دل سخن از محنت اغیار گوی
در دهر خفا پیشه وفادار مجوی

از لواحق جامی

چون علت تفرقه است اسباب جہان
جمعیت دل ز جمع اسباب مجوی

از دیوان

خواہی کہ ز گل رنج بدستت نرسد
ز نہار گلی کہ هست باخار میوی

ای بردہ گمان کہ صاحب تحقیقی
واندر صفت صدق و یقین صدیقی
ہر مرتبہ از وجود حکمی دارد
کہ حفظ مراتب نکتی زندیقی

ای آنکہ طلبکار رہ تحقیقی
در شیوہ صدق و راستی صدیقی
ز نہار کے غیر حق نہ بینی ہرگز
چون بینی گبر و کافر و زندیقی

ہمایوں بادشاہ نے حافظ شیرازی کی طرز پر ایک غزل کہی ہے جو اس کی زائیدہ فکر کا بہترین نمونہ ہے۔

دجی با غم بہ سر بردن جہاں یک سرخی ارزد
بہ کوی می فروشانش بہ جای بر نمی گیرند
رقبیم سرزنش ہا کہ د کز این باب رخ پر تاب
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان در و درج است
چہ آسان می نمود اول غم دریا بہ بوی سود
تر آن بہ کہ روی خود ز مشتاقان بہ پوشانی
چو حافظ در قناعت کوش و از دنیای دون بگذر

بھی فروش دلق ماکزین بہتر نمی ارزد
زہی سجادہ تقوا کہ یک ساغر نمی ارزد
چہ افتادہ ان سہرا کہ خاک در نمی ارزد
کلاہی دل کش است اما بہ ترک سرخی ارزد
غلط کردم کہ این تو قان بہ سد گوہر نمی ارزد
کہ شادی جہان گیری، غم لشکر نمی ارزد
کہ یک جو منت دو مان، دوسد من زر نمی ارزد

(از دیوان حافظ شیرازی)

سراسر شادی عالم بیکدم غم نمی ارزد سبندم عمر صد سالہ بیک ماتم نمی ارزد
 غنیمت دان جوانی را ایام خوششت اما دی با عالم پیری و پشت خم نمی ارزد
 کو آن تخت سلیمانی و کو آن احوال مورانش چہل خانہ زر قارون بیک جوہم نمی ارزد
 نبودی جنت الما و نبودی این ہمایون را کہ جنت ہم بسر گردانی آدم نمی ارزد
 (از نسخہ دیوان ہمایون پٹنہ)

علاوہ بریں نیز ذیل رباعی ہمایون نے حافظ شیرازی کی طرز پر کہی ہے۔

ماتم زجان بندہ اولاد علی ہستم ہمیشہ شاد بایاد علی
 چون سر ولایت از علی ظاہر شد کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علی
 (از نسخہ دیوان ہمایون)

در مذہب ما کلام حق ناد علی طاعت کہ قبول حق بود یاد علی
 از جملہ آفرینش کون و مکان مقصود خدا علی و اولاد علی

(از دیوان حافظ شیرازی)

کلام ہمایون بادشاہ کا مطالعہ کرنے پر اس کی ذہنی اختراع اشراق ضمیر اور زائیدہ فکر کے مختلف پہلوؤں پر نظر جاتی ہے۔ دیکھا جائے تو ایک طرف وہ امور سیاسی کے فرائض کو انجام دیتا نظر آتا ہے تو دوسری طرف فرصت کے لمحات خواہ رزم میں ہوں یا بزم میں علم و شعر کی خدمت میں صرف کرتا تھا۔ خوانندہ ادب اس کی قابلیت کی داد دینے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ہمایون کی فکری صلاحیتوں کے علاوہ اس کے اسلوب نگارش پر بھی نگاہ جاتی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا جب ایک نیا طرز تحریر جو ”سبک ہندی“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ابتدائی نقوش ایران سے ہندوستان میں مغلوں کے ورود کے ساتھ داخل ہوئے۔ ان نوخیز مغلوں کے لئے ہندوستان ہر لحاظ سے نیا تھا۔ یہاں کی آب و ہوا، طور طریقے، تہذیب و تمدن، زبان و بیان اور افکار و خیالات ہر چیز ان کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ لہذا یہ مذکورہ قوم ایک نئی تہذیب و کلچر ساتھ لاتی بلکہ اپنے خارجی افکار و خیالات

کی آمیزش سے فارسی ادب میں نکھار پیدا کر دیا۔ بالفاظ اس زمانے میں جس ادب نے فروغ اور ترقی حاصل کی وہ انھیں کے افکارِ نو سے مل کر اور زیادہ سنور گیا حالانکہ آغاز میں ان کا انداز بیان بہت سادہ و سلیس اور سلجھا ہوا ہوا۔ کسی طرح کی پیچیدگی یا مشکل پسندی کا عنصر غالب نہ تھا؛ جیسا کہ بعد میں اکبر کے زمانے میں ہوا۔ اس زمانے میں اہل علم و فکر نے اندازِ بیان کو اس قدر مبہم اور دقیق بنا دیا تھا گویا تارِ عنکبوت۔ اور اس سبک میں ان صاحبِ علم و فکر نے اپنی طبع کی خوب سے خوب تر جولانیاں دکھائیں۔ الغرض اس سبک نے عہدِ اکبری میں پوری آب و تاب کے ساتھ اپنے ہنر کی جلوہ نمائی کی۔

بہر حال زیادہ دور نہ جا کر خود ہمایوں بادشاہ کے کلام پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی فکر کس قدر سلجھی ہوئی اور سادہ تھی اور اس کا طرزِ تحریر کس قدر صاف ستھرا، اور سبکِ ہندی کی رائج شدہ خصوصیات مثلاً خیالِ نبوی معنی آفرینی، جدتِ بیانی، دقیق و مشکل پسندی اور مبہم صنائع و بدائع کے استعمال سے جدا گانہ ہے۔ ذیل میں کلامِ ہمایوں سے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس کے فکر کی سنجیدگی و متانت کے ساتھ نیز اس کا سادہ اور سلیس اسلوبِ نگارش واضح طور پر سامنے آجائے۔

ملاحت نمودی و جان سوختی نمکِ ریختی تازہ بر ریش ما

از خم موی جعد پیر شکنش الف قاسم شد ست دوتا

تارخت زلف مشکبو پوشید سنبل تر بگل نقاب شد ست
دل عشاق خون شد ست تمام اختک شان سرخ چون شرب شد ست

فانی از مصحف رویت بکشا فتح او فاتحہ دین من ست

دل من گرفتار زلفت تو شد مقید شد این مرغ وحشی به بند

تادیده ام بجانب رخسار آتشین آتش فتاده است بجان من حزمین

حاجی بنیال حج و زاهد پی طاعت مارا نبود غیر وصال تو تمنی

پنجم

ادب و شعر آری دهند در عهد قاجاری
بایر و همایون

فصل اول

ادب

ابراہیم بن جریر

ابراہیم بن جریر "تاریخ ہمایون" کا مصنف ہے۔ اس کی یہ تاریخ آغاز آفرینش سے لے کر ۹۵۷ھ تک کی مختصر تاریخ ہے۔ جو ہمایوں کے عہد حکومت میں لکھی گئی۔ اس تاریخ سے زیادہ اطلاعات نہیں ملتیں۔ فقط ہمایوں اور اس کے چند ندیموں اور خدمت گزاروں کا ذکر ملتا ہے۔

مصنف کی تاریخ پیدائش وفات کی کوئی مستند اور صحیح اطلاع نہیں ملتی۔ لیکن یہ بات مسلم ہے کہ وہ ۹۰۷ھ کے بعد تک زندہ تھا کیوں کہ اس "تاریخ ہمایون" میں ہمایوں کے بھائی میرزہ خدال کے قتل کا واقعہ لکھا ہے جو ۹۰۸ھ میں رونما ہوا تھا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابراہیم بن جریر اس واقعہ تک زندہ تھا۔

کچھ صاحب علم اس کے نام کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں کیوں کہ کچھ نے جریر اور کچھ نے جریر لکھا ہے۔ "ایلیٹ و ڈائنسن بھی مولف کا نام "ابراہیم بن جریر لکھتے ہیں اور رے نے ابراہیم بن جریر

لکھا ہے۔

مولف کے نام کی طرح کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ مولف نے دورانِ تحریر پوری کتاب میں کہیں کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ بہر حال یہ کتاب مولف کے نام کی نسبت سے تاریخِ ابراہیمی کے نام سے مشہور ہے۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں اس کا نسخہ

-
1. The history of India Elliot & Dowson V. IV P. 213 Delhi.
 2. Humayun in Persia, Ray P. 91 Calcutta 1948.

”تاریخ ابراہیمی“ کے نام سے محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ ایلٹ و ڈائنسن نے اس کو تین خاص ناموں سے یاد کیا ہے ”تاریخ ابراہیمی“، ”تاریخ ہمایوں“، اور ”تاریخ ہمایونی“۔ ریو (Rich) نے بھی تاریخ ہمایوں لکھا ہے۔ ایک بات جو اس سلسلے میں اہم نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ کچھ مورخین نے اس کو بابر کے دور سے نسبت دی ہے لیکن یہ بات شواہد و دلائل سے واضح ہو جاتی ہے کہ اس تاریخ میں ہمایوں کے دور کے حالات بھی زیر بحث ہیں۔ ”تاریخ ہمایوں“ کے مؤلف نے اس کتاب میں ایران و ہندوستان کی تقریباً تمام معتبر و اہم ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً تاریخ طبری، مجمع التواریخ، نظام التواریخ، روضۃ الصفا، طبقات ناصری اور تاریخ فیروز شاہی، یہ کتاب ایران اور ہندوستان کے بڑے بڑے مورخوں کی تحقیقات کا خلاصہ وچوڑ ہے۔ اس کتاب کا مجموعی موضوع دنیا کی مختصر تاریخ اور خصوصاً اسلامی ممالک کی تاریخ آغاز سے لے کر ۹۵۰ھ تک ہے غالباً ۹۵۰ھ میں اس کا سال تصنیف ہے۔

تاریخی واقعات کے علاوہ مختلف زبانوں اور فرقوں کے مشہور لوگوں کے حالات احوال و اوضاع کے بارے میں بیش قیمت اطلاعات اس کے اندر موجود ہیں۔

ابراہیم بن جریر کا خاص انداز فکر جو اس کتاب میں نمایاں نظر آتا ہے وہ یہ کہ اس نے اپنی تالیف میں تاریخی واقعات کی نسبت اہل علم و فضل، مفکر، شاعر اور دیگر اہل قلم کے کارناموں کو سراہا ہے۔ مثال کے طور پر صوفی شاعر اور ادیب فرید الدین عطار اور دوسرے اہل قلم صوفی حضرات کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔

جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے وہ نہ صرف خود عالم تھا بلکہ اہل علم و فکر ادب کا بھی احترام کرتا نظر آتا ہے۔ ایلٹ و ڈائنسن لکھتے ہیں کہ ”یہ تاریخ عام تاریخوں کے برخلاف بغیر کسی مقدمہ کے یکایک شروع

۱۷ ”ہمایوں ان پرشیا“ ص ۹۱ پر لکھا ہے کہ ۱۵۵۰/۹۵۷ھ میں لکھی گئی

ii. It was apparently in 957/1550..

C.A. story See II. Fas I. P. 113.

ہو جاتی ہے۔ اس کتاب میں رسمی طریقے سے ابواب و فضول نہیں ہیں۔ البتہ تمام تاریخی مطالب کو ترتیب دینے میں رعایت کو برقرار رکھا گیا ہے۔

اس کتاب کے سبک کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اسلوب بہت ہی محکم اور نامناسب کائنات سے خالی ہے۔ مولف بے متوازن الفاظ اور مسیح عبارت سے کام لیا ہے۔ لیکن اعتدال کی حد کو برقرار رکھا ہے۔ اور دراز نویسی سے پرہیز کیا ہے۔ جس سے عبارت مختصر ہو گئی ہے اس تاریخ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ مولف نے کئی ہزار سالہ تاریخ کو فقط پانچ سو صفحات سے بھی کم میں سمودیا ہے۔ جو اس کی عالمانہ صلاحیتوں کی عمدہ مثال ہے۔ اس کے علاوہ دوسری چیز جو اس کتاب کی قدر و قیمت کو بڑھاتی ہے وہ بابر اور سہاویوں کے زمانے کی شرح ہے۔ کیونکہ مولف ان کا ہم عصر تھا بلکہ اس مخصوص دور میں ادبی و علمی کام بھی انجام دے رہا تھا۔ اس زمانے میں ہونے والے حالات و کوائف کو بچشم خود دیکھ رہا تھا اس لئے اس کے ذریعہ حاصل شدہ اطلاعات قابل مفید و معتبر ہیں۔ لہذا اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے نگارندہ حاضر نے یہ محسوس کیا کہ ابراہیم بن جریر جو اس دور کی اہم اور قابل سہستی ہے تعارف کرایا جائے۔

بایزید بیات

بایزید بیات کا شمار اس عہد کی نامور ہستیوں میں ہوتا۔ یہ ہمایوں بادشاہ کا خادم تھا۔ اس کی معروف تصنیف ’تاریخ ہمایوں‘ ہے۔ جو عرف عام میں تذکرہ ہمایوں و اکبر کے نام سے مشہور ہے جو ۹۹۹ھ میں تالیف کی گئی دیگر تاریخوں کی طرح یہ بھی عہد ہمایوں سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمایوں کے دور سے متعلق بیشتر تاریخوں کی طرح حکم اکبری سے یہ تاریخ بھی ابوالفضل کے استفادہ کے لئے ”اکبر نامہ“ کی تصنیف کے لئے لکھی گئی۔ چنانچہ اس کتاب کے مقدمہ میں اس کا سبب تالیف لکھا ہے،

”یون جم جاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ... از ایام سلطنت حضرت جنت
آشیانی ہمایوں بادشاہ اگر کسی را در خاطر چیزے ماندہ باشد در ان درخ نمایند
و بنام نامی ماتمام سازند و این پروانہ را نواب شیخ المشائخ شیخ ابوالفضل
ولد شیخ مبارک بایزید بصاعت رسانید۔“

بایزید بیات کی ابتدائی زندگی کے بارے میں زیادہ اطلاعات نہیں ملتی ہیں۔ البتہ آنا معلوم ہے کہ وہ ہمایوں کے بھائی میرزا کامران کا ملازم تھا۔ ۹۵۳ھ میں جب ہمایوں شاہ تہما سپ کی مدد سے افغانستان میں فاتح کے طور پر لے بزم تیموریہ۔ جلد اول۔ ص۔ ۸۹ پر سید صبا الدین عبدالرحمن لکھتے ہیں کہ ”بایزید بیات نے ۹۹۹ھ میں اکبر کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی۔“

تذکرہ ہمایوں و اکبر۔ بایزید بیات۔ ص۔ ۲۲۳۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۴۱ء

داخل ہوا، تب اس کی خدمت میں پہنچا۔ اور قلیل مدت میں اعتماد شاہی میں داخل ہو کر مدبر و مطیع شاہی کے عہدہ پر فائز ہو گیا۔ ۹۹۹ھ میں جب کہ ہمایوں کے زمانے کے تاریخی واقعات ابوالفضل کے منشی کو لکھوا رہا تھا اس وقت وہ کافی ضعیف ہو چکا تھا۔ چنانچہ اپنے بارے میں وہ خود اس طرح لکھتا ہے کہ:

”جون ایام جوان گزشتہ و ایام پیری در آمدہ بود مشارالہ می گفت و کتابت شیخ مذکور می نوشت۔“

مطالب اور محتویات کی تدوین کے سلسلے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب ہمایوں بادشاہ کے آخری تیرہ سالوں کے واقعات پر یعنی اکبر کی پیدائش ۹۴۹ھ ہمایوں کی وفات ۹۶۳ھ تک مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ۹۹۹ھ تک بادشاہ اکبر کے دور سلطنت کے کچھ حالات بھی ضمناً بیان کئے گئے ہیں کتاب کا بنیادی حصہ جو ہمایوں کے دور متعلق ہے مندرجہ ذیل چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول :- بادشاہ ہمایوں کا بھرتے خراسان اور حاکم خراسان کا شاہ تہماسپ صفوی کے نام فرمان، عراق کی طرف امام ابوالحسن علی رضا ابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام کے روضہ مقدس کا طواف، اس کے علاوہ دوران سفر پیش ہونے والے واقعات کا ذکر اور خادموں کے نام جو ہمایوں بادشاہ کے لشکر کے ساتھ تھے، عراق سے ہمایوں بادشاہ کا آنا، قندھار سے کابل روانہ ہونا اور ان امراء کا تذکرہ جو روانگی کے وقت کابل میں ہمایوں بادشاہ کے ساتھ تھے سب کا ذکر ملتا ہے۔

فصل دوم :- اس فصل میں ان واقعات کا بیان ہے جو ۹۵۲ھ میں پیش آئے۔ میر سید علی اور ملا عبدالقادر احمد شیرین قلم اور دیگر اہل کمال وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ میرزا کامران کا ہمایوں کی خدمت میں آنا۔ ہمایوں بادشاہ کا کابل سے پھر بلخ میں وارد ہونا پھر میرزا کامران کی واپسی کا تذکرہ ملتا ہے۔

فصل سوم :- میرزا کامران اور میرزا عسکری کا کولاب سے نکلنا اور ان کی بغاوت کی اطلاع پانا، دُرّہ قبچاق

کی طرف میرزا کامران رفع دفع کرنے کے لئے ہمایوں کا متوجہ ہونا، میرزا کامران کا ہمایوں بادشاہ کے حضور میں آنا اور ہمایوں بادشاہ کا قندھار کی طرف تشریف لے جانا اور پھر واپسی کو بیان کیا ہے۔

فضل چہارم :- ہندوستان کی فتح کا ذکر، ہمایوں بادشاہ کے ملازموں کے نام جو اس کے ہمراہ تھے۔ شہزادہ جلال الدین محمد اکبر کے ملازمین کے نام جو اس کے ہمراہ تھے۔ نواب بیرم خاں بہادر کے ملازمین کے نام جو اس کے ساتھ تھے۔ ہمایوں بادشاہ کا ہندوستان پر حملہ اور فتح پانا اور ہندوستان کی حکومت کا جلال الدین محمد اکبر کی طرف منتقل ہونا۔

ضمیمہ تاریخ ہمایوں و اکبر کی پرارزش اطلاعات اور سلطنت کے پر از معلومات و واقعات پر مشتمل ہے۔ اکبر بادشاہ کی ابتدائی تخت نشینی ۹۶۲ھ کے واقعات سے لے کر ۳۵ سال بعد تک ۹۹۷ھ تک حالات کو اس میں بیان کیا ہے۔

طرز تحریر :- قابل غور بات یہ ہے کہ کتاب کا مؤلف بایزید بیات کوئی عالم و فاضل انسان نہیں تھا۔ وہ فقط واقعات کا راوی یا ناقل ہے اور وہ شخص جو ان واقعات کو تحریر میں لایا وہ شخص ابوالفضل مؤلف اکبر نامہ کا منشی ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بایزید پڑھا لکھا آدمی نہیں تھا، اشار الیہ بیان کرتا جاتا تھا شیخ مذکور کے کاتب لکھتے جاتے تھے۔ کتاب کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب شیخ بایزید کے قول پر اطمینان نہیں کرتے تھے کہ جو عبارت آرائی اور انشاء نویسی کی حامل ہے، اس لحاظ سے کتاب کا طرز تحریر یکساں اور سہوار نہیں ہے۔ زیر نظر عبارت بطور مثال ملاحظہ ہو۔

” و انچہ کہ در باب توجہ نواب کامیاب۔ سپہر رکاب۔ خورشید تاب فلک
جناب در دریای سلطنت و کامرگاری۔ نہال چمن آرائی دولت و جہانگیری
نور بر سرور بوستان سلطنت و جلال۔ سرو سرافراز۔ جو بیار عز و اقبال
گل برگ رنگین گلشن سلطنت و شوکت و عظمت۔ شمرہ لذت و نخل خلافت و
نصف و البت بادشاہ البریں و البحرین۔ آفتاب عالم تاب۔ فلک کامرانی

بدر بندقدر آسمان خلافت و جہان بانی۔ صاحب دیوان عالیشان دولت و

سلطنت... نور چشم سلاطین روزگار و تاج سرخو افین نامدار نصیر الدین

محمد ہمایون بادشاہ خلدہ اللہ تعالیٰ عزّۃ الہی یوم آلامال نوشتہ بودند

اگرچہ یہ کتاب اکبر اور ہمایوں کے واقعات کا قیمتی سرمایہ ہے لیکن ہمایوں کے دور کی تاریخ کو تذبذب نظر رکھتے ہوئے اس کی قدر و قیمت و مراتب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ہمایوں کے دور کی پوری تاریخ ہے۔ اور اس کا مؤلف واقعات کا عینی شاہد ہے جو ہمایوں کے مقربین خاص میں سے ہے۔ بعد کے بڑے بڑے مورخین نے اس سے پوری طرح استفا کیا ہے اور غالباً یہ کہنا چاہئے کہ جن لوگوں نے بھی ہمایوں کے دور کی تاریخ لکھی ہے وہ بالواسطہ اس کتاب کے احسانمند رہیں گے۔ مختصر یہ کہ مذکورہ تاریخ نہایت معتبر اور سودمند تاریخ پر مبنی ہے۔

”تاریخ ہمایوں، سب سے پہلی بار ۱۵۵۴ء میں مشہور انگریزی مورخ اور مستشرق ارسلن کے توسط سے دنیا کے سامنے آئی اس کا ترجمہ چھپ نہیں سکا لیکن برلش میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔“

جوہر آفتابچی

جوہر مشہور تصنیف ”تذکرۃ واقعات“ کا مؤلف مہایوں بادشاہ کا آفتابچی تھا۔ اکثر غلوت و جلوت میں مہایوں کے ساتھ رہتا تھا۔

اکبر بادشاہ کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مہایوں بادشاہ کے حالات زندگی جو اس کی زندگی میں کتابی شکل میں نہیں آسکے ان کو تاریخی حیثیت سے لکھا جائے۔ یہ حالات و واقعات پوری صداقت و سچائی کے ساتھ وہی شخص لکھ سکتا ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہا ہو۔ چنانچہ اس دور کے عینی شاہد اور مہایوں بادشاہ کے قریب تر شخص جوہر آفتابچی کا انتخاب اس اہم کام کے لئے کیا گیا۔

”ایلیٹ اینڈ ڈائنسن کا بیان ہے

"These are the Private Memories of the Emperor Humayun written by his affabchi, or ewer-bearer Jauhar".

ترجمہ (یہ مہایوں بادشاہ کی ذاتی یادگاریں ہیں جو اس کے آفتابچی یا خدمتگار جوہر کے ذریعہ لکھی گئی ہیں۔)

1. "He entered Humayun's service as an ewer-bearer at a very young age, and attended him faithfully during his services and flight from Hindustan".

(A History of Persian language & Literature at the Mughal Court Mohd. Abdul Ghani. Part II P. 100 Allahabad 1930 A.D.)

2. The History of India-Elliot Dowson- P. 136.

جوھر کے حالاتِ زندگی کے بارے میں تفصیل سے کہیں نہیں ملتا، بجز اس کی اپنی تصنیف ”تذکرۃ الوقعات“ کے، اس میں بھی اس نے اپنی ذاتی زندگی اور حالات کا باقاعدہ ذکر نہیں کیا ہے بلکہ مختلف واقعات کے ضمن میں چند باتیں مصنف کے ذہن میں آگئی ہیں تو ان کو قلمبند کر دیا ہے۔ اس انداز سے تفصیل نہیں ملتی کہ اس کی مکمل سوانح مرتب کی جاسکے۔ بس تصنیف میں اپنی ذاتی خدمات کا تذکرہ کرتا ہے اور اپنی قربت شاہی کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ کرتا ہے۔

I was at all times, and in all stations, in constant attendance on the royal person--- I should write a narrative of all the events to which I had been an eye-witness, that it may remain as a record of the part interesting occurrences".

ترجمہ (مجھے ہمیشہ اور ہر جگہ مسلسل شاہی افراد کی حضوری حاصل تھی ... مجھے ان تمام واقعات کا ذکر کرنا چاہئے جن کا میں چشم دید گواہ رہا ہوں تاکہ ان قابل ذکر حالات سے متعلق یہ ایک دستاویز ہو سکے۔

مؤلف نے اپنی زندگی کے دور کا آغاز شاہی اصطبل کی ملازمت اور مہالیوں کے آفتابچہ کی حیثیت سے کیا، لیکن بعد میں وہ اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گیا۔ جیسا کہ تذکرۃ الوقعات کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ۱۹۶۲ء میں مصبت پور کے تحصیلداروں کے عہدے پر فائز ہوا۔ اور کافی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد وہ ملتان اور پنجاب کا خراجی بھی مقرر ہوا۔

مؤلف کی تاریخ وفات کے بارے میں صحیح اطلاعات نہیں ملتیں بجز اس کے کہ جوھر نے مہالیوں بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے اکبر بادشاہ کے زیر سایہ اپنی عمر گزاری۔ ۱۹۹۵ء جو اس تصنیف کا سال ہے، اس سے اندازہ ہوتا

ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھا۔

جو ہر تعلیم یافتہ اور عالم شخص تھا۔ کیوں کہ اس کی تصنیف "تذکرۃ الوقعات" میں قرآن شریف کی آیتوں کے علاوہ فارسی کے مشہور شعراء و ادباء کے اشعار و اقوال بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً خواجہ حافظ کی غزل اپنی تصنیف کے مقدمہ میں درج کی ہے۔ لکھتا ہے کہ جب میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مہایوں بادشاہ کے حالات احتراماً لکھوں تو میں نے دیوان حافظ سے فال نکالی، اس فال پر یہ غزل نکلی۔

مطرب عشق عجب ساز و نوای دارد

نقش ہر پردہ کہ زد راہ بہ جائی دارد

خواجہ حافظ کے علاوہ شیخ سعدی، نظامی فردوسی اور غنشی وغیرہ کے اشعار و اقوال نقل کئے ہیں۔

جو ہرنے یہ تذکرہ لکھ کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس سے نہ صرف اس کا نام بحیثیت مورخ کے زندہ جاوید ہوا بلکہ مہایوں کی شخصیت کے کچھ پہلو بھی روشن ہو گئے ہیں۔

اس کی زبان بالکل سادہ ہے۔ عبارت تصنع و تکلف سے پاک ہے۔ جو کچھ اس نے دیکھا اس کو اسی طرح قلمبند کر دیا۔ عبارت آرائی سے نہ تو واقعات کی تشکیل میں کچھ فرق آیا نہ اسباب و نتائج مرتب کرنے میں۔ اس وجہ سے اس کا شمار ایک اہم تاریخی ادب پارہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

جو ہر کے دل میں مہایوں کے لئے جو عزت و منزلت تھی اس کا وہ جگہ جگہ اظہار کرتا نظر آتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس نے دیگر مورخین کی طرح اس کی کمزوریوں اور ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ جس طرح اس کی فتوحات اور عیش و کامرانی کی تفصیل دیتا ہے، اس طرح اس کی شکست اور جلا وطنی کے واقعات بھی بیان کرتا ہے۔

تذکرۃ الوقعات میں کچھ خامیاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً کچھ واقعات بیان کرتے وقت سنہ کا استعمال بہت کم کرتا ہے۔ اس لئے بہ ترتیب واقعات بھی زیادہ قابل قبول اور اطمینان بخش نہیں ہیں۔ بعض اہم مسائل کا ذکر نہایت مختصر کیا ہے۔ اور بعض معمولی واقعات کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ باوجود ان خامیوں کے کتاب کی افادیت پر کوئی

اثر نہیں پڑتا جس کی وجہ سے مہایوں کی تاریخ کا سب سے اہم اور بہتر مآخذ ہے۔

”تذکرۃ الواقعات“ میں کچھ ایسے واقعات بھی جو مہر نے تصنیف کئے ہیں جو اور کہیں نظر نہیں آتے۔

مثال کے طور پر سب سے پہلے وہ واقعہ بیان کیا ہے جب مہایوں کو شاہ ایران نے مذہب شیعہ اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا اگر یہ واقعہ جو ہر اپنی کتاب میں نہیں لکھا تو شاید تاریخ کی روشنی میں نہیں آتا۔

تذکرۃ الواقعات، میں جو مہر نے مہایوں کے ایک خط کا بھی ذکر کیا ہے جو مہایوں نے شاہ عالم پناہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا تھا کہ ہم آپ کے ملک میں آگئے ہیں لہذا اب جو حکم ہو اس پر عمل کیا جائے۔

”عز و صداشت ارادت مشہون محمد مہایوں“

بعد از ادائے وظیفہ دعا و اخلاص بے ریا کہ شہود مرضیہ اصحاب اختصام است مشہود باد با وجود قلت بندگی

و کثرت شرمندگی خود را ذرہ مثال در نظر مہر سپہر خشمیت و جلال حضرت

شاہی منظر آگاہی و منظر اوصاف کما صی الہی است در آورده نمودی آید کہ اگرچہ

چہرہ خود را در زمرہ خدام عالی مقام انتظام نداده بود، اما سرّاً در رقبہ محبت

و اخلاص بہ رقبہ قلب چون رصاص ہمیشہ متعلق ساختہ خاطر لبونی حضور

موفور السرور فائز النیر آن حضرت کہ موجب وصول و حصول انواع سعادت

و کرامات است می کشید و ہر لحظہ از توجہ توجیہ و جہ شریف شہد لطیف می

چشید تا نہ از منبر دور دھردن و از گردش چرخ بو قلمون و از گون از

قضائی سواد اعظم بہ تنگنائی بے صوائی ظلم سندہ رسید و شد۔

کہ گذشت از سرما آنچہ گذشت

چہ بہ دریا و چہ کہسار و چہ دشت

بیت:

اکنون طائر آرزو از برای مشاہدہ جمال نیل غنیمت و جلال بال اقبال می کشاید
 امید از رحمت حضرت الہی آنست کہ بعد از وریا ہزت دولت دریا نوال کہ موجب
 وصول بسی از مراوات است ، مقالات و حارات ساختہ و پرداختہ آنچہ
 قابل عرض باشد معروض خواہد شد انشاء اللہ تعالیٰ۔“

الغرض عہد مغلیہ اور خصوصاً مہارلوں کے بارے میں معتبر و عینی شہادت کی وجہ سے ”تذکرۃ الواقعات“ کو ایک
 اہم ماخذ جان کر یہ قرار پایا کہ اس کا تعارف کرایا جائے۔ جو تنسکان علم کے لئے مفید و کار آمد معلومات کا بہترین
 ذریعہ ہے۔

”صحبّت او (سکندر) بیشنخ جمالی ازین ره گذر خوش برآمده بود.“

”از جمله شعرای عصر سکندری شیخ جمالی کنبوی دهلوی مذکور است“

”درین سال (۱۹۴۲ء) حمائی کنبوی از عالم فنا بملک و تہار سید۔“

”نامش شیخ فضل اللہ باجمال خاں ہے۔“

ۛ تذکرہ شمع انجمن - صدیق حسن خاں - ص - ۱۰۶ پٹنہ ۱۹۶۸ء

آثار الصنادید میں سرسید احمد خاں نے اس طرح دو نام لکھے ہیں کہ
 ”شیخ فضل اللہ معروف بہ جلال خاں مولانا جمالی^۱
 سیر العارفین کے دیباچہ میں مولف نے اپنا نام خود اس طرح لکھا ہے^۲
 ”معتقد اهل الله حامد بن فضل الله الحاجي الى حضرت المتعال المعروف

بہ درویش جمالی۔“

جمالی کا تعلق قبیلہ کنہوہ سے تھا۔ یہ قبیلہ زراعت پیشہ تھا یہی وجہ ہے جمالی اپنے قبیلہ کے مناسبت سے جمالی کنہوی یا کنہوی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

جمالی کی سال پیدائش کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا، اگر آپ کی وفات کے وقت ۶۰ سال عمر فرض کرتے ہیں تو اس لحاظ سے ۱۸۶۲ء ہوگی۔

جمالی بچپن ہی سے سائے پداری سے محروم ہو گئے تھے جو کچھ تعلیم حاصل کی وہ ان کی اپنی کوشش اور استعداد کا نتیجہ ہے۔

عبدالحق محدث کا بیان ہے کہ:^۳

”اور اپدرا ویتیم گذاشتہ بود، بنا بر استعداد و قابلیت کہ داشت، تربیت یافت و کسب کرد و شاعر شد“

الغرض جمالی سلطان بہلول لودھی کے عہد میں (۱۸۵۵ء-۱۸۹۴ء) میں پیدا ہوئے اور سلطان سکندر لودھی (۱۸۹۴ء-۱۸۹۲ء) میں شہرت پائی۔

جمالی کے استادوں کے بارے میں معلوم نہیں چلتا البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ ان کی تعلیم اپنے آپ میں پوری

۱۔ آثار الصنادید۔ سرسید احمد خاں۔ ص ۴۷۔ اردو اکیڈمی۔ دہلی، ۱۹۸۹ء

۲۔ سیر العارفین۔ (مخطوطہ) جمالی دہلوی (حبیب، گنج) کلکشن مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ

۳۔ اخبار الاخیار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ص ۲۲۸۔ نبتانی دہلوی ۱۹۱۴ء

تھی۔ جمالی شیخ سماء الدین کے مُرید تھے۔ اور انھیں سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ اخبار الاخبار کے حوالے سے معلوم چلتا ہے کہ جمالی نے مذکر رہ بالا شیخ کے ایمان پر جلالی سے جمالی مخلص اختیار کیا تھا۔
 ”در اول نظر باسم خود ”جلالی“ مخلص داشت اما بنا توجیہ پیر و مرشد خود
 مولانا سماء الدین آخر تغیر داده جمالی“ اختیار نمود۔“

جمالی نے تحصیل علوم کے خاطر دور دراز کے سفر کئے اور اس دوران سفر جید اور معروف مشائخ علماء و شعراء سے بھی شرف ملاقات ہوئے۔ ایک دفعہ سلطان سکندر سے دلیگیر ہو کر جمالی خراساں چلے گئے جہاں ان کی ملاقات مشہور صوفی شاعر جامی سے ہوئی جو بعد میں ان کے دوست ہو گئے۔

جیسا کہ قبل تحریر کیا گیا ہے کہ جمالی کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے تھا اسی وجہ سے ان کی شخصیت اور حیثیت نہایت اہم ہے۔ دوران سفر بھی مختلف خانقاہوں میں بڑی عزت و منزلت حاصل ہوئی۔
 شیخ جمالی طبعاً نہایت دلیر و بے باک تھے۔ بے خوف گفتگو کرتے تھے بذلہ گوئی میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ جب آپ اہل محفل کے سامنے بات کرنا شروع کرتے تو غالب رہتے اور کوئی آپ کے سامنے جواب دینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

شیخ عبدالحی جمالی کی فطرت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

”ہمایت صورت و معنی در ذات او تعبیه یافتہ بود۔ در محافل و ارتکاب

غرائم امور، بغایت دلیر بود۔ کمتر کسی را از اکابر در مجلس فرصت سخن دادی“

جمالی طبعاً خلوت گزین، درویش صفت، بے پروا، اور لاابالی قسم کے انسان تھے۔ بادشاہوں، شہزادوں، افسروں اور سرکاری مصاحبوں کی جمعیت سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ مگر زندگی میں جن بادشاہوں سے سابقہ پڑا اور ان سے دوستانہ و مساویانہ تعلقات رہے مگر کبھی ان کی بالادستی اور اپنی پستی کا احساس ذہن میں نہیں آیا۔

لے اخبار الاخبار۔ شیخ عبدالحی محدث دہلوی۔ ص ۲۲۸۔ ۲۲۷

لے اخبار الاخبار۔ ص ۲۲۸

جمالی کا جن بادشاہوں سے تعلق رہا ان کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں۔

۱۔ سلطان بہلول لودھی (۸۵۵/۸۹۲ - ۱۲۵۱/۱۳۸۹)

۲۔ نظام خاں سکندر شاہ دوم (۸۹۲/۹۲۳ - ۱۲۸۹/۱۵۱۸)

۳۔ ابراہیم لودھی (۹۲۳/۹۳۲ - ۱۵۱۲/۱۵۲۶)

۴۔ بابر بادشاہ (۹۳۲/۹۳۷ - ۱۵۲۶/۱۵۳۰)

۵۔ نصیر الدین ہمایوں بادشاہ (۹۳۷/۹۴۷ - ۱۵۳۰/۱۵۴۰)

جمالی کا تعلق بابر کی نسبت ہمایوں بادشاہ سے زیادہ تھا۔

عبداللہ نے نہ صرف اخبار الاخبار بلکہ اپنی دیگر تصانیف میں بھی جمالی کے غیر معمولی رسوخ کا ذکر کیا ہے۔

مولف ہفت اقلیم بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ

”جنت آشیانی ہمایوں پادشاہ راصحبت شیخ سیلی موفور بودہ و ہموارہ با

او مجالست می نمود و احیاناً بمعجتش می رسید۔“

ماثر الامراء میں اس طرح تحریر ہے :

”بافر دوس مکانی (بابر) صاحب گشت و از جنت آشیانی (ہمایوں) تنظیم

و احترام بسیار یافت، مکرر پادشاہ کلبہ درویشانہ اور ابہ ورود خویش

منور ساختہ۔“

ہمایوں کے ساتھ ان کے تعلق کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف دربار میں بلکہ مختلف جنگوں کے موقع پر بھی جمالی ان کے ساتھ رہا۔ جمالی کا انتقال ۹۴۳ھ میں ایسے ہی ایک سفر کے دوران گجرات میں ہوا۔

۱۔ ہفت اقلیم۔ امین احمد رازی۔ ج اول۔ ص ۳۸۰۔ چاپ تہران

۲۔ مآثر الامراء۔ شاہ نواز خاں۔ ج دوم۔ ص ۵۳۹۔ کلکتہ۔ ۱۸۸۸ء

شہنوی ہر و ماہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

”سہالیوں بسال (۹۴۲) برسلطان ابراہیم گجراتی (۹۳۲-۹۴۳) لشکر کشید۔

شیخ جمالی درین موقع ہمراہ باسہالیوں رفت۔ سہالیوں درین جنگ در (۹) صفر

۹۴۲ھ) میر بہادر فتح یافت۔“

بدلیوں کا بیان ہے کہ:

”درین سال جمالی کنبوی دہلوی از عالم فنا بعالم بقا رسید۔ خسرو ہند بودہ“

”تاریخش یافتہ اند۔“

جمالی کے جنازے کو گجرات سے لا کر دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا،

جہاں وہ زندگی بھر مقیم رہا یعنی جوان کا مسکن تھا وہی مدفن بنا۔

عبدالحمق رقمطراز ہیں کہ:

”جمالی در سہمان سال در ماہ یازدہم یعنی روز ۱۰ ذیقعدہ (۹۴۲ھ) سہانجا

در گجرات احتمالاً در احمد آباد پیدرود حیات گفت۔ مقبرہ او مقام خواجہ قطب الدین

است (قدس سرہ) بنائیت مندرہ و لطیف، بحضور خود ساختہ، و خانہ کہ

الآن قبر او در وست، در حالت حیات مسکن او بودہ۔“

جمالی نظم و نثر کا ماہر اور یگانہ روزگار تھا۔ اس نے قصیدہ غزل شہنوی وغیرہ سب کچھ ہی کیا ہے۔ جمالی شاعرانہ خصائص

پر باب آئندہ میں نظر ڈالیں گے۔

۱۔ شہنوی ہر و ماہ۔ (مقدمہ) جمالی دہلوی۔ ص ۴۳

۲۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ ج ۱۔ ص ۲۴۷

۳۔ اخبار الاخبار۔ شیخ عبدالحمق محدث دہلوی۔ ص ۲۲۲-۲۲۱

فارسی نثر میں جمالی کی یادگار ”سیر العارفین“ ہے۔ جس کو ہمایوں بادشاہ کے نام معنون کیا ہے۔ جس سے اس کا زمانہ تالیف بھی مقرر ہو جاتا ہے۔
مقدمہ ششوی ماہ میں لکھا ہے:

”جمالی این کتاب را بنام ہمایوں شاہ عنوان کرده است بنا بر این تالیف
این کتاب باید پس از (۹۳۸ھ) و قبل از (۹۴۱ھ) صورت گرفتہ باشد،
چون جمالی خودش بسال (۹۴۲ھ) درگذشت۔“

”سیر العارفین“ ہندوستان کے مشائخ و صوفیہ کا پہلا تذکرہ ہے۔ اس پہلے صوفیہ اکرام کا کوئی مفصل تذکرہ نہیں ملتا
جمالی اسکی توجیہ تالیف یہ بتاتے ہیں کہ میں جب بلاد اسلامیہ سے واپس آیا تو دوستوں نے درخواست کی کہ سفر کے
حالات اور انبیاء اسلام اور اولیاء اکرام کی سوانح جن کی زیارت کا مجھے دوران سفر اتفاق ہوا تھا، احاطہ تحریر میں
لاؤں۔ چونکہ یہ کام بہت طویل اور وقت طلب تھا، اس لئے میں نے اپنی تصنیف کو صرف ہندوستان کے مشائخ کے
حالات بیان کرنے تک محدود کر دیا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ہندوستان کے اولیاء اکرام کا تذکرہ ہے۔ جو خواجہ معین الدین
چشتی کے حالات سے شروع ہو کر شیخ سماع الدین کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔

سیر العارفین میں چشتیہ سلسلہ کے چھ مشائخ کے حالات شامل ہیں۔ جن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) خواجہ معین الدین چشتی (۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

(۲) بابا فرید گنج شکر (۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء

(۵) شیخ نصیر الدین محمود چراغ۔ دہلی (۶) شیخ نجیب الدین متوکل

اس کے علاوہ سہروردی سلسلہ کے سات (۷) مشائخ کے حالات ملتے ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل

ہیں۔

(۱) شیخ بہار الدین زکریا ملتانی (۲) شیخ صدر الدین عارف

- (۳) شیخ رکن الدین البوالفتح (۴) شیخ حمید الدین ناگوری
(۵) شیخ سماء الدین کنہوہ - دہلی (۶) شیخ جلال الدین تبریزی

(۷) شیخ جلال الدین مخدوم جہانبان
ان تیرہ مشائخ کے حالات مستقل ابواب کے تحت ہیں۔ لیکن ضمنی طور پر بہت سے مشائخ و صوفیہ کے حالات واقعات آگئے ہیں جنکی رومانی و تبلیغی کوششوں و مساعی کا ذکر ملتا ہے۔
یہ کتاب (۹۳۸-۹۴۱ھ) کے درمیان مرتب ہوئی۔ چنانچہ ہندوستان میں جمالی کی شہرت کا سبب بھی یہی تذکرہ ہے۔

یہ تذکرہ زیادہ تر ایسی روایت پر مبنی ہے جس کی تائید میں تاریخی انشاد پیش کرنا دشوار ہے۔ اس کے علاوہ یہ اپنے مصنف کے ہم عصر سیاسی، معاشرتی اور ادبی حالات پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالتا۔ اولیاء اکرام کی حیرت انگیز کرامات نہایت آب و تاب کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ سیر العارفین میں جمالی نے اپنے سفر کی مختصر روداد بیان کی ہے۔ اس سے اس کی اہمیت میں خاص اضافہ ہو گیا ہے۔
بعد میں مؤرخین و تذکرہ نویسوں نے سیر العارفین سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً اخبار الانبیاء اور تاریخ

فرشتہ وغیرہ۔
مشرقی آثار میں صرف جمالی کی ”سیر العارفین“ ملتی ہے مگر بدایوں کا بیان ہے کہ:
”غیر ازین تذکرہ جمالی راتالیفات دیگر بودہ است و غیر آن، نظم و نثر
دیگر دارد...“

بعض کتابیں دنیا کے کتاب خانوں میں پائی جاتی ہیں۔ جن کو جمالی کے نام منسوب کیا گیا ہے مثلاً
(۱) بیان الحقائق احوال سید المرسلین (۲) محبوب الصادقین

۱۔ منتخب التواریخ - ملا عبد القادر بدایونی - ص ۳۲۶

۲۔ تنویر مہروماہ (مقدمہ) - ص ۱۰۱-۱۰۰

سچ تو یہ ہے کہ جمالی اپنے دور کی ایک ایسی مایہ ناز اور قابلِ قدر سہتی تھے جو بیک وقت صوفی، سیاح
 شاعر، ادیب تھے، جن کے لئے عبدالحق نے کیا خوب لکھا ہے
 ”یگانہ روزگار و مجمع اطوار بود۔“

خواندمیر

غیاث الدین المعروف بہ خواندمیر بن خواجہ ہمام الدین محمد بن خواجہ جلال الدین محمد بن خواجہ برہان الدین محمد حسینی شیرازی عہدِ تموریہ کے اوخر اور عہدِ صفویہ کے اوائل کے مشہور و معروف نویسندوں و مؤلفوں میں سے ہے۔ اس کا باپ خواجہ ہمام الدین محمد سلطان محمود، بدخشاں اور ختلان کا حکمران تھا۔ خواندمیر نویں صدی ہجری کے اوخر میں پیدا ہوا۔

ذبح اللہ صفا کا بیان ہے کہ

”ولایت غیاث الدین خواندمیر در حدود ۸۸۰ھ در شہر ہرات اتفاق

افتاد و در همان شہر بہ تحصیل کمالات پرداخت۔“

بہر حال ان کی صحیح سال پیدائش کسی تاریخ نویس یا سوانح نگار نے نہیں لکھی ہے۔ البتہ حبیب السیر کی تصنیف سے سال پیدائش کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ جب حبیب السیر لکھی گئی اس وقت ان کی عمر ۴۷-۴۸ سال کے قریب تھی اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ تقریباً ۸۷۹ھ کے حدود میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

خواندمیر نے اپنے نانا امیر خواند سے علم حاصل کیا۔ بچپن ہی سے اچھی تربیت کی وجہ سے بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں سلطان غازی حسین بن منصور کا دربار اہل علم و شعر کا مرجع خاص تھا اور ہرات علوم و فنون کا

لے تاریخ ادبیات در ایران ذبح اللہ صفا ج ۴ چہارم - ص ۵۴۱ - چاپ خانہ رنگین تہران، ۱۳۶۳ھ ش ”خواندمیر در حدود سال ۸۸۰ھ قمری در ہرات ولادت یافت۔“

(از مقدمہ حبیب السیر۔ خواندمیر۔ ص ۹ - چاپخانہ حیدری۔ ۱۳۶۲ھ ش م)

گہوارہ بنا ہوا تھا۔ چنانچہ جب سلطان حسین بالقرہ کے وزیر میر علیشیر نوائی نے جو خود عالم و فاضل شخص تھا اور اہل علم و دانش کی تشویق و سرپرستی بھی کرتا تھا، خواند میر کا شہرہ سنا تو اس کو اپنے دربار میں مدعو کیا۔ اور دربار کے فضلا میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

یہاں خواند میر کو تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ مگر اس کے ساتھ ہی دیگر علمی مشاغل بھی جاری رکھے میر علیشیر نوائی کی علمی صحبت کی وجہ سے اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ملا۔

ذبیح اللہ صفا کا بیان ہے کہ

”ہم از جوانی بدر بار سلطان حسین بالقرہ راہ یافت و مورد توجہ و محبت امیر علیشیر نوائی شد و بیشتر بخدمت بدیع الزمان میرزا پسر سلطان حسین اختصا یافت ... و عاقبت بسال ۹۲۴ھ بآفاق شہاب الدین معمای و میرزا ابراہیم قانونی از ہرات ہندوستان رفت و در ہشتم ماہ ربیع الاول سال ۹۲۵ھ در آگرہ بخدمت بابر رسید۔ بابر خود رسالہ واقعات بابر بنام نکتہ اشارہ کردہ است کہ ”خواند میر مؤرخ کتاب حبیب السیر و مولانا شہاب الدین معمای و میرزا ابراہیم قانونی کہ از ہرات آمدہ بودند ہر یک در فن خود نظیر ہمتا نہ داشتند“ ... بعد از مرگ بابر کہ بسال ۹۳۷ھ اتفاق افتاد، خواند میر خدمت ہمایون شاہ را اختیار کرد۔“

جیسا کہ قبل ذکر کیا گیا کہ خواند میر پایاں عہد تیموری و آغاز دوران صفوی کے معروف مؤلفوں میں سے ہے۔ اور خصوصاً میر علیشیر نوائی کی علم نوازی و معارف پروری و سرپرستی کی وجہ سے اس کے کمالات کو ابھرنے و چمکنے کا پورا موقع ملا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اس کی متعدد تصانیف وجود میں آئیں لہذا وہ کثرت تالیفات کی وجہ سے اپنے عہد کی مایہ ناز

ہستیوں میں شمار ہونے لگا۔

اس کی تصنیف درج ذیل ہیں :-

۱۔ مآثر الملوک :- خواند میر نے سب سے پہلی کتاب ”مآثر الملوک کے نام سے لکھی۔ اس میں ملوک و اولیاء کے اقوال و پند و رنما کے علاوہ خلفائے بنی اُمیہ عباس کے ساتھ طاہری سامانیوں اور غزنویوں کی تاریخ بھی ملتی ہے۔ یہ ۹۰۶ھ سے پہلے تالیف ہوئی۔

۲ خلاصۃ الاخبار فی بیان اقوال الاخبار :- خواند میر نے یہ کتاب میر علی شیر نوائی کے نام معنون کی ہے۔ یہ کتاب ۹۰۵ھ میں تصنیف ہوئی۔ یہ روضۃ الصفا کی تلخیص ہے۔ اس میں ابتدائی خلقت سے لے کر ۹۰۵ھ تک کے واقعات ہیں۔ کتاب میں ایک مقدمہ جس میں آغاز آفرینش کی شرح دس مقالے جن کی ترتیب اس طرح ہے۔ (اول) انبیاء، (دوم) حکماء، (سوم) یاد شاہان پیش از اسلام ایران و عرب (چہارم) سیرۃ پیغمبر اسلام، (پنجم) خلفائے راشدین و ائمہ اثنا عشر، (ششم) امویان، (ہفتم) عباسیان، (ہشتم) سلسلہ ہائی سلاطین ایران تا دورہ مغول، (نہم) چنگیزیان، (دہم) تیموریان۔ اور کتاب کے خاتمہ میں ہرات کی توصیف اور مولف کے کچھ معاصرین کا ذکر ہے۔

۳ دستور الوزرا :- دستور الوزرا کی تاریخ آغاز اسلام سے لے کر ۹۱۵ھ تک مشہور وزیر کے احوال و سوانح پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو سلطان ابوالغازی حسین میرزا اور اس کے وزیر کمال الدین خواجہ محمود کے نام معنون کی ہے۔ چنانچہ خواند میر ”مقدمہ حبیب السیر“ میں تحریر کرتا ہے کہ

”دستور الوزرا بفارسی مشتمل است براسامی وزراء و صدور نامدار سلاطین

۱۔ تاریخ ادبیات در ایران۔ ص۔ ۵۴۳

۲۔ خلاصۃ الاخبار ہم بنام علی شیر نوائی در ۹۰۴ھ شروع و در ۹۰۵ھ ختم شد و بمنزلہ تلخیص از کتاب ”روضۃ الصفا

میر خواند است“ از مقدمہ حبیب السیر۔ خواند میر ص ۱۰

۳۔ مقدمہ حبیب السیر ص ۱۰

دلوک ایران کہ بنام سلطان حسین بالقرار و یکی از بزرگان دولت دی کمال

الدین محمود در سنہ ۹۰۶ھ تالیف کردہ سپس در سنہ ۹۱۴ھ در آن تجدید نظر نموده

است و این کتاب خوشنختانہ بطبع رسیدہ است۔“

۳۔ مکارم الاخلاق :- اس تصنیف میں میر علی شیر نوائی کی سوانح عمری لکھی ہے۔ ممکن ہے اس پر اس سے اور زیادہ لکھا جاتا مگر دوران تصنیف ہی میر علی شیر نوائی کا انتقال ہو گیا۔ لہذا خواند میر نے باقی حصہ سلطان حسین کے نام منسوب کر دیا۔

۴۔ اخبار الاخبار :- اخبار الاخبار میں صوفیوں کی سوانح عمری درج ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے البتہ اس نام سے شیخ عبدالحی محدث دہلوی کی کتاب موجود ہے۔ جو صوفیائے اکرام کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اور کافی مشہور ہے۔

۵۔ منتخب التواریخ و صاف :- یہ تاریخ شرف الدین عبد اللہ ابن فضل اللہ شیرازی کی تصنیف ہے جو ایلخانی بادشاہوں کے زمانے میں نہایت پر تسنّع انداز میں پیش کی گئی ہے۔ جس کا انداز مشکل اور دقیق ہے۔ یہ کتاب فصاحت و بلاغت کا ایک نمونہ ہے۔ برخلاف اس کے خواند میر نے اس کتاب کو نسبتاً آسان زبان میں پیش کرنے کے لئے اس کا انتخاب کیا ہے۔ اور کچھ معلومات میں دوسری جگہوں سے اضافہ کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب مکمل ہوئی اور اس کا نام منتخب التواریخ و صاف رکھا گیا۔

خواند میر اخبار الاخبار و منتخب التواریخ و صاف و مکارم الاخلاق کے بارے میں ”حبیب السیر“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ :

”تجھتق برزگارندہ معلوم نیست اما مسلم است کہ آہنائیز از مولعات از قبل از

حبیب السیر یعنی پیش از ۹۲۷ھ ہجری است۔“

۷۔ غرائب الاسرار وجواهر الاخبار :- بقول صباح الدین عبدالرحمن کے شاید صوفیانہ مسائل پر بحث، اولیاء کے حالات اور کائنات کے اثرات سے متعلق کچھ باتیں ہیں۔ مگر کسی کتب خانہ میں نہیں ملتی۔

۸۔ نفاہ نامی :- ۹۲۰ھ میں خواند میر نے فن انشاء پر ایک کتاب نفاہ نامی تحریر کی۔ اس میں انشاء کے ہر طرز کے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ خواند میر نے اپنی زندگی کے کافی سال گزر جانے کے بعد ۹۲۳ھ میں اس کا آغاز کیا اور ۹۲۹ھ میں اس کو مکمل کیا۔

۹۔ حبیب السیر فی اخبار افراد البشر :- خواند میر کی بہترین آثاروں میں سے ہے۔

مقدمہ حبیب السیر میں تحریر ہے کہ

”مہتممین تالیفات خواند میر بی شبہ مہین کتاب حبیب السراست۔“

یہ کتاب آغاز خلقت سے ۹۳۰ھ کے حالات پر مبنی ہے۔ اس میں ایک مقدمہ۔ تین جزو اور ایک خاتمہ ہے جلد اول :- در تاریخ قبل از اسلام تا ظهور اسلام و احوال خلفای راشدین در چہار بخش۔

۱۔ انبیاء و حکماء۔ (۲) ملوک قدیم غرب و عجم و قیصرہ (۳) ظہور خاتم انبیاء (۴) خلفای راشدین

جلد دوم :- در ذکر مناقب ائمہ اثنا عشر و حکام بنی امیہ و بنی عباس و سلاطین معاصرانہا در چہار جزو با چہار بخش۔

جلد سوم :- سلاطین حکام بعد از خلفای عباسی شامل سلسلہ ہای مغول و تیمور و غیرہ تا اوائل عہد صفویہ ہم در چہار جزو۔

(۱) حکومت مغولان از چنگیز و اعتقائش (۲) طبقات سلاطین معاصر عہد مغولان مانند تاجکان فارس و لرستان

و غیرہ (۳) عہد تیموریان و اخلاف تیمور و سلاطین معاصرانہ دورہ تا ظہور دولت صفوی۔ (۴) ظہور دولت صفوی و

شرح ایام شاہ اسمعیل تا ماہ ربیع الاول از سنہ ۹۳۰ھ ہجری قمری۔

لے بزم تیموریہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۸۱۔

۱۰۔ حبیب السیر۔ (مقدمہ) ص۔ ۱۰۔

۱۲۔ ” (مقدمہ) ص۔ ۱۲۔

اس کتاب کا آغاز خواند میر نے ۹۲۷ھ میں کیا اور ماہ ربیع الاول ۹۳۰ھ میں اختتام پذیر ہوا۔ یعنی اس کا خاتمہ دولت شاہ اسماعیل صفوی کے عہد میں ہوا۔
کتاب حبیب السیر ختم ہونے سے پہلے ہی حبیب اللہ جو کہ حاکم ہرات دورش خاں کا وزیر تھا۔ اور کتاب ”حبیب السیر“ کو اس کے لئے لکھا تھا۔

بہر حال اس کی وفات کے بعد خواند میر کے دن اچھے نہیں رہے۔ چنانچہ وہ خود ’حبیب السیر‘ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ۹۳۴ھ میں آگرہ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ بابر کے پاس پہنچا بابر اس کی علمی شہرت سے واقف ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کا اپنے دربار میں خیر مقدم کیا اور ندیم خاص بنایا۔ بابر کی وفات کے بعد ۹۳۷ھ میں مہایوں بادشاہ کے نزدیک تقرب پایا۔ خواند میر کو مہایوں سے خاص لگاؤ تھا۔ لہذا مہایوں کے اسی عہد حکومت میں خواند میر نے ایک اور کتاب تصنیف کی۔

۱۰۔ قانون مہایونی :- یہ کتاب مہایوں نامہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ جس کو خواند میر نے مہایوں بادشاہ کی فرمائش پر لکھا ہے۔ یہ کتاب عہد مہایوں کی تہذیب و تمدن کو جاننے کی غرض سے بہت اچھا مآخذ خیال کی جاتی ہے۔ خواند میر کو اس کو لکھنے کا حکم مہایوں بادشاہ سے گوالیر میں ۹۳۷ھ میں ملا تھا۔

بعد میں ابوالفضل نے ”قانون مہایونی“ کے کچھ حصے کو اکبر نامہ میں بھی نقل کیا ہے۔
اس کا مکمل انگریزی ترجمہ منشی صداسکھ لال کے ذریعہ ہو چکا ہے۔ اس کا اصل نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔
خواند میر ۹۴۱ھ میں مہایوں بادشاہ کے ساتھ بہادر شاہ والی گجرات کے خلاف ہم میں شریک ہوا وہاں کی آب و ہوا اس کو موافق نہ آئی اور بیمار ہو گیا۔ دہلی آکر ۹۴۲ھ میں انتقال ہو گیا۔ اور اس کی وصیت کے

۱۔ حبیب السیر۔ (مقدمہ) ص۔ ۹

۲۔ بزم تیموریہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔ جلد اول۔ ص۔ ۸۲

۳۔ تاریخ ادبیات در ایران۔ ذبیح اللہ صفا۔ ص۔ ۵۴۲

مطابق اس کو نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

خواند میر ایک معروف مورخ ہونے کے ساتھ شعر و شاعری کی طرف بھی رغبت رکھتا تھا۔ 'قانون مہایون' میں اس کے اشعار جا بجا ملتے ہیں۔ کتاب کے شروع میں جو حمد دی گئی ہے۔ اس کے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں۔

خدائی کہ ملکِ جہاں زان اوست	سر چرخ در طوقِ فرمان اوست
چو خواہد کہ معمور گر دد جہان	نمازِ بدعت بہ عالم نشان
نہد افسر سروری بر سری	کہ در عدل نبود چو او دیگری
بر آید جو بر تخت جاہ و جلال	ستم پیشگانِ راد ہد گوشمال
بر افرازد اعلام انصاف و داد	باحسان کند خاطر خلق شاد
بیاراید از تاج تائید سر	بہ بندد بہ پرہیز گاری کمر
نماید بامری الہی قیام	جو دمجتنب از مناہی مدام
بود طاقِ محراب پرہیزگار	بہ نزدش بہ از طاقِ ابروی یار
باکرام اربابِ علم و عمل	بانعام اصحابِ دین و ملل
کند تازہ قانونِ افصال را	ببفراید اسبابِ اقبال را
فروشید از آبِ ابر کرم	زر خسارہ ملک گرد ستم
چو آغازِ کشور ستانی کند	بہ مردم چنان زندگانی کند
کہ لشکر ز لطفش بود شادمان	رعیت ز بیداد گردد امان
ولایت ز میران ندارد دریغ	زد و خلعت از اہل شمشیر و تیغ

دہد سرفرازی ہر پیشہ را	ہر پیشہ و نیک اندیشہ را
بر حمت کند سوائی مردم نظر	فرو ماندگان راد ہد سیم وزر

هندی مرهمی جان افکار را بر آرد دزدل خار آزار را
 کند محو از صفحه روزگار ز قوی رسومی که نباید بکار
 بارشاد محفل و کمال خرد رسوم نگو در میان آورد له

بھاریں کے محل رواں پر خواند میر نے ایک قصیدہ مولانا شہاب الدین کے قوافی میں کہا تھا۔ اس قصیدے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

این منظر یک رشک سپهر مدو راست
از فرش مرتفع شده با عرش همبر است
چون سرو سر کشیده ستو نهایش هر طرف
گویا ز درخت سدره و طوبی مکر راست

نابت قدم چوکوه بود لبیک وقت کوچ
نقلش بهر دیار که خواهی میسر است
هر جانشین برنگ دیگر جلوه می کند
این رنگ اختراع همد آفاق کمتر است

خاتان کامیاب مہالیوں کے از مشرف
خاکہ درش چو آب خضر روح پرور است
شاہ فلک جناب کہ در جنب ہمنش
نہ گنبد سپہر سرائی محقر است

ہمایوں نے سنہ ۹۴۵ھ میں آفتاب کے رخ حمل میں داخل ہونے کا جشن منایا، اس موقع پر دیگر شعرا کے ساتھ خواند میر نے بھی ایک قصیدہ کہا۔ جس کے صلے میں ہمایوں نے خلعت اور گھوڑا انعام میں دیا۔ اس قصیدے کے ابتدائی دو اشعار اس طرح ہیں

ای نیر جمالت مہر سپہر شاہی
روشن ز نور رویت از ماہ تا . سماہی
از فیض فضل ایرد شد بر تو بار دیگر
چوں نام تو ہمایوں نوروز بادشاہی
خواند میر نے اپنی کتاب ”قانون ہمایونی“ کو ختم کیا تو ہمایوں سے انعام و اکرام کا طلب گار ہوا۔ اور اس کے لئے مدحیہ اور دعائیہ اشعار کہے۔ چند اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

اشعار مدحیہ

عدالت شعرا ہنر پرورا	خلافت پناہا جہاں داورا
عطا بخش اصحاب فضل و کمال	توئی آفتاب سپہر جلال
گرفتہ بگلزارِ لطفِ وطن	منم ببل بوستانِ سخن
باقبال تو نغمہ سازی کم	درین باغ چون سرفرازی کم
کہ باشم بمدح تو دوستانِ سرا	جز این نکتہ نبود مرادی مرا
کنم پر درد دامن روزگار	ز آثارت ای خسرو کامگار
کنم نو لباسِ سخن پردری	بآئین فردوسی و انوری
کہ ہر ش زجا نہا باید تشکیب	نوسیم نظرنامہ دل فریب

۱۔ قانون ہمایونی۔ ص۔ ۱۰۰

” ” ” ” ”

اشعار دعائیہ

الہی بحق رسول عرب
 بآل و اصحاب دین پرورش
 کہ این سر و بستان جاہ و جلال
 براورنگ کینسروی شاد باد
 نظرباد بامو کبش ہم نشین
 مہ راتیش عالم افروز باد
 جہان باد اورا مسخر تمام
 با غزار دانائی اُمّی لقب
 باقبال قوی ہدایت ورش
 ممالک ستان ملاک خضال
 نہ انصاف او ملک آباد باد
 مطعیش سلاطین روی زمین
 سپاہش بہر رزم فیروز باد
 سخن بر مہین ختم شد و السلام
 الغرض خواند میر نے اپنے آثار گرانمایہ سے فارسی زبان و ادب میں اپنے نقش اسٹ کر دیئے۔ جو شنندگان
 ذوق ادب کے لئے ایک اہم مآخذ ہے۔ لہذا یہ قرار پایا کہ خواند میر جو اس زمانے کی ایک مایہ ناز مہستی ہے تعارف
 کیا جائے۔

قاضی سمرقندی

ہمایوں کے دور کی ایک اور معروف ترین شخصیت مولانا محمد بن علی بن محمد المسکینی القاضی سمرقندی ہے۔ اس کی زندگی کے بارے میں زیادہ اطلاعات نہیں ملتی ہیں۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ ۱۵۳۰ء سے ۱۵۵۶ء تک ہمایوں کے دربار سے وابستہ رہا۔ اس کی مشہور تصنیف ”جواہر العلوم ہمایوں“ ہے۔ جو اس دور کے متداول تمام ہی علوم کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کے مصنف نے ان تمام علوم کے مبادیات ان کے ارتقاء اور اقسام پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مصنف قاضی سمرقندی ان تمام مروجہ علوم پر مہارت نہ سہی البتہ ابتدائی اور عام معلومات کا حامل ضرور تھا۔ مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مختلف علوم کی تحصیل میں بسر کیا۔ وہ اکثر ادوات مختلف چیزوں پر غور و فکر کرتا رہتا تھا۔ اس کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔

قاضی سمرقندی نے یہ کتاب ”جواہر العلوم ہمایوں“ علم دوست بادشاہ کے لئے تحریر کی ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو ہمایوں کے نام معنون کیا ہے۔ یہ ۱۴۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف علوم و فنون کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کا کام ہمایوں نے اس کے سپرد کیا تھا۔ قاضی سمرقندی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے اس کا پلان اس کے ذہن میں اس وقت آیا جب اس نے دو ایسی علمی کتابوں کا مطالعہ کیا جو اس سے قبل لکھی جا چکی تھیں۔ مثلاً امام فخر الدین رازی کی کتاب ”حقائق الانوار فی حقائق الاسرار“ اور شمس الدین محمد بن محمود امرلی کی نفائس فند فی عرایس العیون ستین آلاثار وغیرہ۔ جن سے مولف نے کافی استفادہ کیا ہے۔

قاضی سمرقندی نے تمام علوم کو تقریباً ایک سو بیس مضامین میں ترتیب دیا ہے۔ اس میں ہر باب آنا مفصل ہے کہ باقاعدہ کتاب کی اہمیت رکھتا ہے۔

”مشتل برصد و بمیت علم ترتیب دھد و موضوع ہر یک را بزبان فارسی
بر سبیل اختصار با حسن نظام و النسب ترتیب انتظام نماید بروجہی کہ مفید
خاص و عام و مستحسن جمیع طوائف انام باشد۔ چون روی امید بہ کرم کہیم جاوید
کرد... و از اجواہر العلوم ہمالیونی موسوم گردانید۔“

جواہر العلوم کو تین بنیادی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جس میں سے ہر حصہ کا نام ”مقالہ“ رکھا ہے۔ پھر ہر مقالہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جس میں سے ہر ایک کا نام ختم ہے۔ اور ختم میں بارہ سے لے کر تیرہ ابواب ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ہر باب میں الگ الگ مضمون کے مطابق کی گئی فہرستیں ہیں۔

ایک مسلم مصنف کی حیثیت سے قاضی سمرقندی نے سب سے پہلی اپنی نظر ادب تاریخ اور مذہبی اہمیت کے مضامین پر ڈالی ہے، جس میں تصوف اور علم فقہ بھی شامل ہے۔ جو مکمل طور پر آزادانہ جامع اور سماجی ماحول کی پیداوار ہے۔

۱۔ بحوالہ ہسٹری آف پرشین لینگویج اینڈ لٹرچر ایٹ دی مغل کورٹ ۔ عبدالغنی ۔ جلد دوم - ص ۸۲
طے " " " " " "

علاوہ ازیں قاضی سمرقندی نے فلسفہ نجوم، طب، ریاضی اور تمام دیگر مضامین جو سائنس سے متعلق ہیں اس کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔ جو موجودہ زمانے کے اعتبار سے سائنس کی اقسام سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں نے ابتداء میں علوم کو ہندوستانی یونانی زبانوں اور دیگر ذرائع سے ترجمہ کر کے حاصل کیا تھا اور سائنس کی ہر شاخ کو قابل ذکر ترقی دی تھی۔ اور مسلمانوں کی مجموعی کوشش سے اچھے نتائج سامنے آئے ہیں۔ مروجہ قواعد و ضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے قاضی سمرقندی نے اپنی تصنیف کو وسیع طریقہ سے ترتیب دیا ہے۔ لیکن درجہ بندی کے سلسلہ میں کہیں کہیں آزاد روی اختیار کی ہے۔

تقریباً پچیس ابواب جو سائنسی موضوعات پر مشتمل ہے۔ وہ کم و بیش کتاب کی ایک تہائی جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ مادہ سے متعلق بحث ہے۔ جس میں اولین اصول اور ابتدائی لوازمات کے تحت خلا، حرکت، سکون اور کشش وغیرہ کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں مادی اجسام ستارے، چاند سورج وغیرہ پر توجہ دی گئی ہے۔ حالانکہ اس کے بارے میں تفصیلات علم نجوم کے تحت آتی ہیں۔ کیوں کہ عام طور پر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ زمین سیاروں کی ترتیب میں مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بات تجوّب انگیز ہے کہ سمرقندی اپنی کتاب بالکل اس زمانے میں لکھ رہا تھا کہ جب ”کاپرنیکس“ اٹلی اور پولینڈ میں اسی سلسلے میں تحقیق کر رہا تھا، اور اس کے برخلاف نتائج پیش کر رہا تھا۔ جو اہل علوم ۱۵۴۶ء میں ”کاپرنیکس“ کے انتقال سے چار سال پہلے شائع ہوئی۔

قاضی سمرقندی نے ایک دلچسپ نظریہ درجہ حرارت کے تغیر کے امکان کے بارے میں دیا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے گیارہویں باب میں جو ایک مقالہ اور دو باب پر مشتمل ہے مفناطیسی کشش اور اس کی خصوصیات کے بارے میں ہے۔ جس میں قیمتی پتھر مثلاً میرے یا قوت اور ان کی مختلف اقسام چمک دمک اور رنگ کے اعتبار سے ان کے مختلف نام ہیں۔

دنیا کے حیوانات کے بارے میں دو ابواب ہیں مگر مہر جانور کے بارے میں تفصیل نہیں بیان کی ہے مصنف کا زیادہ رجحان گھوڑے اور کبوتر کی طرف ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں جانور بادشاہوں کو محبوب ہوتے تھے۔

اس باب کے بعد قاضی سمرقندی نے ادویات کا ذکر کیا ہے۔ جو آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ طب کے بعد مصنف کی توجہ سب سے زیادہ علم نجوم کی طرف مبذول ہوئی۔ قاضی سمرقندی نے چھ باب اس فن میں لکھے ہیں۔ جس سے اس کی اس مضمون سے متعلق دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ مصنف نے مضمون کو تفصیل اور آسانی سے سمجھانے کے لئے ہر سبق کو پندرہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ مصنف کے خیال میں ۱۰۲۹ تارے (سیارے) ہیں ان میں صرف سات حرکت میں ہیں باقی سب ساکت ہیں علم نجوم سے متعلق سائنس کی ایک شاخ جو جغرافیہ ہے۔ مصنف نے زمین کے سائز اور رقبہ کے بارے میں بات کی ہے۔ جغرافیہ کا مطالعہ مامون سے شروع ہو کر البیرونی کے زمانے تک جاری رہتا ہے۔ اس کتاب کا ایک دلچسپ باب علم کیمیا پر ہے۔ جو کم از کم بیس فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ مٹی پیڑ پودے یعنی نباتات وغیرہ کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔

قاضی سمرقندی ایک سیاح بھی تھا اس نے اپنی کتاب میں اسلامک دنیا کا نقشہ اور مختلف راستے بڑے آسان طریقے سے لکھے ہیں۔ جن کو ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

قاضی سمرقندی نہ صرف اپنے زمانے کا بلکہ اسلامی دنیا کا ایک عظیم اسکالر تھا۔ وہ ”جواہر العلوم ہالیون“ تحریر کرتے وقت اس بات سے واقف نہیں تھا کہ اپنی موت کے بعد آنے والے زمانے میں وہ اسے آخری مسلمان کی حیثیت سے یاد کیا جائیگا کہ جس نے قرون وسطیٰ کے تمام علوم کو ایک تصنیف میں جمع کر دیا تھا۔

گلبدن بیگم

شعبہ قارہ ہند کی ہزار سالہ تاریخ میں سب سے پہلی خاتون جہنوں نے کوئی تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ وہ گلبدن بیگم بنت ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ہیں۔ ان کی ارزندہ و پائیدہ تاریخی کتاب ”سہایون نامہ“ دنیای ادب میں اہم مقام پر فائز ہے۔

گلبدن بیگم ۹۲۹ھ میں کابل میں پیدا ہوئیں ان کی پیدائش کے وقت بابر بادشاہ کو حکمرانی کرتے ہوئے تقریباً انیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ گلبدن بیگم جس وقت پیدا ہوئیں وہ ایک طاقتور اور عظیم الشان بادشاہ کی بیٹی تھیں

گلبدن بیگم نے بچپن اپنے والد کے زیر سایہ کابل اور ہندوستان میں گزاری، نوجوانی اور ازدواجی زندگی ہندوستان میں ہی بسر کی اور عمر کا آخری حصہ اکبر بادشاہ کی حفاظت میں گزرا۔ آپ جب پہلی بار ہندوستان آئیں تو اس وقت پانچ سال کی تھیں یہاں آنے کے دو ڈھائی سال بعد آپ کے والد بابر بادشاہ کا انتقال ہو گیا جیسا کہ وہ خود لکھتی ہیں۔

”وقتیکہ حضرت فردوش مکانی از دارالبقا بدارالفاخر امیدند این حقیر ہشت

سالہ بود“

سولہ سال کی عمر میں گلبدن بیگم کی شادی سہایوں کے زمانے کے امیر الامراء حضرت خواجہ خان کے ساتھ ہوئی بعد میں ان کے ساتھ فریضہ حج کے مکہ تشریف لے گئیں جہاں آپ نے ساڑھے تین سال بسر کئے اس دوران چار مرتبہ

فرائض حج ادا کئے۔ ۱۰۰۰ھ میں ۸۲ سال کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔
 گلبدن بیگم ایک خانہ دار خاتون تھیں تصنیف و تالیف کی طرف کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ جس وقت
 آپ کی عمر ۶۶ سال کی تھی اکبر بادشاہ نے اپنی پھوپھی سے یہ خواہش ظاہر کی جو حالات اور واقعات فردوس مکانی (بابرا
 اور جنت آشیانی (مہالوں) کے بارے میں دیکھے یا سنے ہوں لکھیں۔ وہ خود لکھی ہیں:

”حکم شدہ بود کہ انچہ از واقعہ فردوس مکانی و حضرت

جنت آشیانی میدانہ باشد بنو سید

گلبدن بیگم کے علاوہ اکبر بادشاہ نے جو ہر آفتابچی اور بازید بیات کو بھی یہ حکم دیا تھا کہ بابر بادشاہ اور
 مہالوں بادشاہ کے حالات اور واقعات جو کچھ خاطرات و یادداشت میں ہوں لکھیں۔
 ابوالفضل لکھتا ہے

”باطراف ممالک... مناشیر عالی شرف صدور یافت کہ نقل مسودات

و یاداشتہائی خود را ببارگاہ حضور فرستادند۔“

سچ تو ہے کہ گلبدن بیگم کی یہ تصنیف ’مہالوں نامہ‘ اس کے باپ بابر بادشاہ کی خود نوشت سوانح عمری
 ”تزک بابری“ کے ہم پلہ تو نہیں ہے۔ لیکن اہل علم و ادب کے نزدیک اس کی افادیت و اہمیت اپنی جگہ مستلم ہے۔
 اس کتاب کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم سے اس پر ایک نوٹ لکھا اس
 وقت یورپ کے بڑے بڑے محققین و مورخین اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ گلبدن بیگم نے بحکم اکبر کوئی کتاب تالیف
 کی تھی۔ معلوم وجوہ کی بنا پر اس کی صرف ایک کاپی دستیاب ہو سکی۔ باقی کوئی اور نسخہ کسی اور جگہ سے برآمد نہ ہو سکا۔
 مسز اینٹن کا خیال ہے کہ گلبدن بیگم نے جب ”مہالوں نامہ“ تصنیف کیا تھا تو اس کے کئی نسخے تھے لیکن یہ سب دست
 زمانہ سے کہاں غائب ہوئے معلوم نہ ہو سکا۔

۱۰۰۔ اے ہسٹری آف پرشین اینڈ لٹریچر اینڈ ڈی منل کورٹ۔ جلد اول۔ ص۔ ۱۰۰

۱۰۱۔ مہالوں نامہ۔ گلبدن بیگم۔ ص۔ ۱۵۱

۱۰۲۔ اکبر نامہ۔ ابوالفضل... ج۔ اول۔ ص۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ غدر میں شریک ایک انگریز کرنل چارج ولیم ہٹن نے یہ مسودہ بعض دوسرے قیمتی مسودات کے ساتھ دہلی میں مال غنیمت کے طور پر پایا تھا جس کو بعد میں اس کی بیوی نے دوسرے قیمتی مسودات کے برٹش میوزیم کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

ڈاکٹر ریو کا خیال ہے کہ یہ نسخہ سترھویں صدی عیسوی میں اصل مسودہ سے نقل کیا گیا چونکہ اصل مسودہ محفوظ نہ رہ سکا البتہ اس کی نقل باقی رہ گئی برٹش میوزیم میں فارسی کا جو متن موجود ہے اس پر نقل نویس کا کوئی نوٹ نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ نقل نویس نے کب اور کس وقت نقل کیا ہے۔ اس پر صرف یہ عنوان لکھا ہے۔

احوال ہمایوں بادشاہ

”جمع کردہ گلبدن بیگم تبت بابر بادشاہ عمر اکبر بادشاہ“

۱۹۰۳ء میں پہلی بار سیورج نے انگریزی میں مقدمہ و ترجمہ کے ساتھ لندن سے اس کو شائع کیا۔ بعد میں اردو زبان میں بھی اس کے تراجم ہوتے رہے ہیں۔

”ہمایوں نامہ“ عہد بابر و ہمایوں کے تمدنی، سماجی، سیاسی اور تاریخی واقعات کا مفید اور اہم ماخذ ہے۔

یہ کتاب ہمایوں بادشاہ بائیس سالہ واقعات پر مشتمل ہے۔ یعنی ہمایوں بادشاہ کی تخت نشینی (۹۳۷ھ)

سے لے کر میرزا کامران کے اندھا کئے جانے (۹۴۱ھ) تک کے واقعات پر مبنی ہے۔

کتاب کا آغاز بابر بادشاہ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ اس میں بابر کے بارے میں جو اطلاعات دی گئی ہیں ان کو بیان کرنے کے لئے گلبدن بیگم کو بابر کی ”تزک بابر“ سے سہارا لینا پڑا کیوں کہ بابر کے انتقال کے وقت وہ کم سن تھیں اس نے اس زمانے کی زیادہ تر باتیں باواقعات محفوظ نہ کر سکیں۔

وہ خود بیان کرتی ہیں:

”بیان واقع شاید کمتر کہ بخاطر ماندہ بود بنا بر حکم بادشاہی آنچه شنیدہ

۱۔ ہمایوں نامہ۔ گلبدن بیگم۔ (ترجمہ اردو رشید اختر ندوی) ص ۱

۲۔ ہمایوں نامہ۔ گلبدن بیگم۔ ص ۱۔ ارد آباد ۱۹۲۹ء

و بخاطر بود نوشته میشود... در اول این جزو از واقعہ حضرت بادشاہ
بابام نوشته میشود۔ اگرچہ در واقعہ نامہ حضرت بادشاہ بابام این سخنان
مذکور است بنابر تمیناً و تبرکاً نوشته میشود۔“

ابتداء میں بابر بادشاہ کے بارے میں لکھتی ہیں کہ امیر تیمور کے زمانے سے لے کر میرے باپ کے زمانے تک کسی بادشاہ نے
اتنی تکلیف اور مشقت نہیں اٹھائی جتنی میرے والد بزرگوار نے برداشت کی۔ بادشاہت کرنے میں جتنے شدید خطروں
سے حضرت بادشاہ کو سامنا کرنا پڑا شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ میدان جنگ اور دیگر خطرات پر جس قدر تحمل، مردانگی اور
دلیری آپ نے دکھائی اس کی مثال کسی اور بادشاہ کے یہاں مشکل سے نظر آئے گی۔

علاوہ بریں ماوراءالنہر کے علاقے میں بابر بادشاہ کی اپنے دشمنوں کے ساتھ کشمکش، بے سرو سامانی اور مفلسی
کی حالت میں کابل کی جانب رخ، کابل پر فتح، ہندوستان میں بابر بادشاہ کی فوج کشی، فتح ہندوستان ابراہیم
لودھی اور رانا ساں لگا کی شکست کا مفصل ذکر ”ہمایوں نامہ“ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ بابر بادشاہ کی بیماری
اور فرزند ہمایوں کے لئے وصیتیں وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

بابر کی وفات کے بعد عباسیوں، قتالے دورۃ کامرانی ہمایوں، شہزادہ ہندال کی شادی کا جشن،
گجرات بنگال اور مالوہ وغیرہ پر ہمایوں کی فتوحات، ہمایوں کی نکت و فلاکت کا حال، شیر شاہ سوری کے ہاتھوں
اس کی شکست، اس کے بھائیوں کی خطائیں، ہمایوں کو بھگت اور ملتان کی طرف فرار، حمیدہ بانو سے اس کی شادی
اکبر کی پیدائش، ہمایوں کا ایران کی طرف متوجہ ہونا، شاہ ایران کے ہاتھوں پدیرائی، کھوئے ہوئے ملک کو دوبارہ
حاصل کرنے کے لئے شاہ ایران کی ہمایوں کے لئے مدد، ہمایوں کی واپسی، تسخیر قندھار، کابل پر حملہ، میرزا کامران
کی اطاعت، فتح بدخشاں، کامران کی شکست اور اس کا فرار ہونا، میرزا کامران کا شیخون، میرزا ہندال کا قتل،
دستگیری میرزا کامران، اور میرزا کامران کے کور کرنے تک کے واقعات کا ذکر ہمایوں نامہ میں موجود ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس زمانے کے تمدنی معاشرتی اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان
کیا گیا ہے۔ مثلاً اس زمانے کی عورتوں کے بارے میں گلبدن بیگم لکھتی ہیں کہ عورتیں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فن سپہ گری
سے بھی خوب واقف تھیں۔ شہسوار، چوگان بازی، تیراندازی اور کئی قسم کے فز کا نہ صرف شوق تھا بلکہ مردوں

کی طرح ان کو دیکھانے کے مواقع بھی حاصل تھے اس کے علاوہ فن موسیقی میں بھی ہمارت رکھتی تھیں۔
 گلبدن بیگم نے اپنی کتاب میں ہندوستان اور اس کے باشندوں کا کوئی خاص ذکر نہیں کیا ہے۔ بابر بادشاہ کی
 طرح یہاں کی خصوصیت اور رسم و رواج کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے۔ تاہم اس بناء پر یہ فرض نہیں کر سکتے
 کہ گلبدن بیگم کو ہندوستان سے کوئی دلچسپی یا لگاؤ نہ تھا بلکہ 'مہایون نامہ' ایک خاص مقصد کے تحت لکھا گیا تھا جس کا
 دائرہ بابر و مہایون بادشاہ اور ان کے متعلقین زقار تک محدود ہے۔

گلبدن بیگم کو شاعری کی طرف بھی دلچسپی تھی یہ شوق ان کو اپنے کی طرف سے وراثت میں ملا تھا۔ جس طرح
 بابر بادشاہ نے "تزک بابری" میں جا بجا مواقع پر اشعار نقل کئے ہیں اس طرح گلبدن بیگم بھی اپنی تصنیف میں مختلف
 موقعوں پر فارسی اشعار درج کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر میرزا فضل کی شہادت سے متاثر ہو کر ذیل شعر کہا۔

ای درینا اے درینا اے دریغ

آفتابم شد نہاں در زیرِ میخ

اس کے علاوہ ریاض الشعراء، مخزن الغرائب، تذکرۃ الخواتین میں گلبدن بیگم کے اشعار موجود ہیں:
 تذکرۃ الخواتین میں ہے:

"گلبدن بیگم دختر بابر بادشاہ است طبعی موزوں داشتہ" این فردا دوست :-

مهر پر یروئی کہ اوبا عاشق خود یار نیست

تو یقین میدان کہ بیج از عمر بر خور دار نیست

گلبدن بیگم فارسی کے ساتھ ترکی زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھیں۔ جس کا اثر انہوں نے اپنے والدین
 اور بعد میں شوہر سے قبول کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ "مہایون نامہ" میں آپ کی مادری زبان کی جھلک جا بجا دکھائی دیتی ہے۔
 مثلاً ایلیک لاریدہ جویاق (بے سروسامانی) تراقیہا (حملہ) تورخانہ (جالی دار کپڑا) جیم (خالہ) نیچہ (اماں)

یساول (چوکیدار) لچک قصابہ (خوبصورت رومال یا کپڑا جو بڑی عمر کی لڑکیاں یا عورتیں بالوں پر باندھتی ہیں)۔
 زلیخہ (مسند) وغیرہ اس قبیل کے بہت سے الفاظ 'ہالیوں' نامہ، میں موجود ہیں۔ ترکی کے علاوہ ہندوستان کے
 اثر کی وجہ سے کہیں کہیں ہندی الفاظ مثلاً پاٹر (لوٹدی یا ناچنے والی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے) گوران (ہندی لفظ
 گنوار کی فارسی نما جمع ہے) جمدھر و کپورہ (ہندی کے الفاظ ہیں۔ ہندی میں کھڑا چوڑی نوک کے تیر کو کہتے ہیں)۔
 ہالیوں نامہ کی نشر سادہ اور دل انگیز ہونے کے ساتھ سلف اور تصنع سے پاک ہے۔ طرز ادائیگی بے ساختگی
 کتاب کی خصوصیت ہے۔ روزہ مرہ کے محاورات سے کتاب پڑھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو اس زمانے کی دیگر تصانیف
 میں بہت کم نظر آئے گی۔ مثلاً چند محاورے "ہالیوں نامہ" کے حسب ذیل ہیں۔

(استقبال کو آئے)	پیشواز آمدند	ایستادہ دریافتم	(کھڑے کھڑے ملا)
(شوخیوں کرتا تھا)	طرفیہا میکرد	یائے میداد	(ہار جاتا تھا)
(آؤ گلے لگیں)	بیانید تا لیکد گرم دریابیم	خفتن شد	(سونے کا وقت آیا)
(تلواریں لے کر مجھ آپرے)	مرا بہ شمشیر گرفتند	نماز دیگر بود	(عصر کی نماز کا وقت تھا)
(گنوار پن)	روستانی گری	سر حضرت شوم	(آپ پر قربان ہوں)
(پانی بند نہیں کرتے تھے)	آب را تنگ نمی کردند	جان درازی	(طویل عمر)
		قلعگی شد	(محاصرہ ہوا)

غیرہ اس قبیل کے بشمار محاورے کتاب کی زینت ہیں۔
 علاوہ بریں 'ہالیوں نامہ' میں خانوادگی اور محلی زبان کی جھلک بھی نمایاں ہوتی ہے۔ چند سطور مثال

ملاحظہ ہوں۔

”آکہ جانم بخضرت پادشاہ گفتند کہ توی میرزا ہندال کے می کنید؟ حضرت
 گفتند بسم اللہ۔ و در آن اثنا آکام حیات بردند کہ میرزا ہندال نکاح
 کردند اما موتوف با سباب توی بودند کہ سپارند۔ فرمودند کہ اسباب
 توی طلسم ہم تیار است۔ اول طلسم بدھم۔ بعد اذان توی میرزا ہندال کہنم

حضرت پادشاہ بہ آکا جانم گفتند کہ حضرت عمہ چیمی فرمانیدہ ایشان گفتند
خدا مبارک و خیر گرداند۔“

”ہالیون نامہ“ انشا پردازی کے اعتبار سے ایک نمایاں ترین شاہکار ادب ہے۔ شبلی نعمانی کا بیان

ہے:

”فارسی زبان کی سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ ’تزک
جہانگیری اور رتعات عالمگیری ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی
اور لطافت کے اعتبار سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں پھوری اور وقائع نعمت
خاں ان پر شمار کر دی جائیں۔ لیکن انصاف یہ ہے ’ہالیون نامہ‘ کچھ ان
سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے سادہ اور بے تکلف الفاظ روز
مرہ کی عام بول چال طرز ادائیگی کے بے ساختگی کو بے اختیار کر دیتی ہے۔“

”ہالیون نامہ“ ہندوستان کے تیموری بادشاہوں کی بے نظیر اور زیر باترین فارسی آثاروں میں سے ایک ہے۔ یہ کتاب
دورہ بابر و ہالیوں کی سیاسی و اجتماعی زندگی کی آئینہ دار ہے۔ اس کتاب کی اہمیت مصنف کے قریب از زمانہ اور
یعنی شاہد کی وجہ سے مزید بڑھ جاتی ہے کیوں کہ انھوں نے جو سنایا دیکھا اس کو بڑی سادگی کے ساتھ قلم بند کر دیا۔
اس کتاب کی ایک اور تاریخی خصوصیت یہ ہے کہ نگار نے تاریخی واقعات لکھتے وقت اس بات کا
خیال رکھا ہے کہ کون سا واقعہ تفصیل طلب اور کون سا اختصار طلب ہونا چاہئے۔ انھوں نے کسی واقعہ کی تفصیل
اسی جگہ دی ہے جہاں اس کی ضرورت سمجھتی ہیں۔ برخلاف اس کے اگر کوئی واقعہ چندہ اہمیت کا حامل نہیں ہے تو
اس کا ذکر اختصار کے ساتھ کرتی گذر جاتی ہیں۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو ایک تاریخ نگار کے لئے بہت ضروری ہے۔

۱۔ ہالیون نامہ۔ ص ۲۱

۲۔ مقالات شبلی۔ شبلی نعمانی۔ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی۔ ج ۴۔ ص ۵۶۔ اظہار گڑھ۔ ۱۹۵۶ء

محمد بن اشرف الحسینی الرستم داری

محمد بن اشرف الحسینی الرستم داری بابر اور ہمایوں کے عہد کے نامور ادباء میں سے تھا۔ وہ نیچرل سائنس کا طالب علم تھا۔ جس میں اس کو کافی دلچسپی تھی۔ اس کی معروف کتاب ”جواہرنامہ ہمایوں“ جو اس نے اپنے باپ اور بیٹے دونوں کے نام ایک ساتھ منسوب کی ہے۔ جو کہ ایک قیمتی اور دوسرے طرح کے پتھروں سے متعلق ایک اہم مقالہ ہے۔

بزم تیموریہ میں اس طرح لکھا ہے۔

بابر کو ہندوستان کی تسخیر کے سلسلے میں جتنے جواہرات ملے ان کے اقسام پر محمد نے ایک کتاب ”جواہرنامہ ہمایوں“ لکھی۔ اس میں جواہرات سے متعلق مفید معلومات اور مباحث ہیں۔

یہ کتاب ۲۲ ابواب پر مشتمل ہے جس کی فہرست اس طرح ہے۔

مقدمہ : قدرتی مناظر کی طبقوں پر مختصر جائزہ

باب اول (Pearl) چھوٹے چھوٹے موتیوں کے بارے میں

باب دوم (Sapphire) یاقوت کے بارے میں

باب سوئم (Ruby) لعل۔ سرخ رنگ کے پتھر کے بارے میں

باب چہارم (Emerald and Topaz) زمرد۔ سبز رنگ کے پتھر کے بارے میں

لے بزم تیموریہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔ ص۔ ۸۸۔ معارف اعظم گڑھ۔ ۱۹۷۳ء

زبرجد کے بارے میں (Topaz)	باب پنجم
الماس کے بارے میں (Diamond)	باب ششم
عین الحمر کے بارے میں (Cat's eyes)	باب ہفتم
فیروزے کے بارے میں (Turquoise)	باب ہشتم
یازھر کے بارے میں (Pazahr)	باب نہم
عقیق کے بارے میں (Cornelian)	باب دہم
اسی قسم کے بہت سے پتھر کے بارے میں	باب یازدہم
جازہ کے بارے میں (a kind of stone)	باب دوازدہم
مقناطیس کے بارے میں (Magnet)	باب سیزدہم
سند بادہ کے بارے میں (a stone used for Polishing metal)	باب چہار دہم
دھانڈے کے بارے میں (amineral)	باب پنج دہم
تاجوارڈ کے بارے میں (Lapiz lauzli)	باب شش دہم
مرجان کے بارے میں (Corals and Pearls)	باب ہفتم دہم
یشاب کے بارے میں (Jasper)	باب ہشتم دہم
بلور کے بارے میں (Crystal)	باب نوزدہم
کان (جہاں سے معدنیات نکلتے ہیں) (Mine)	باب بستم
مختلف پتھروں کے بارے میں (miscellaneous kind of stone)	باب بست ویکم
دھاتوں کے بارے میں (Metals)	باب بسیت دوکم

اس کتاب کو محمد نے ہندوستان فتح ہونے کے بعد لکھنا شروع کیا۔ اور علم دوست بادشاہ ہمایوں کو پیش کی جو ایک ہزار چھ سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف علوم و فنون کی تفصیلات ملتی ہیں۔

مرزا حیدر دُغلات

معروف کتاب ”تاریخ رشیدی“ کا مولف میرزا حیدر دُغلات ہندوستان میں تیموری سلسلہ حکومت کے موسیس ظہیر الدین بابر کا خالہ زاد بھائی تھا، یعنی اس کی ماں خوب نگار خانم بابر کی والدہ قلیق نگار خانم کی چھوٹی بہن تھیں۔ اور یہ دونوں مغولی سردار یونس خاں کی بیٹیاں تھیں۔ دُغلات دراصل اس مغولی قبیلہ کا نام تھا۔ جس سے میرزا حیدر کاسلی اور خاندانی تعلق تھا، لہذا عموماً اس کو اسی قبائلی یا خاندانی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے۔ میرزا نے اپنی زندگی کے سارے حالات خود اپنی اہم تاریخ میں درج کئے ہیں جن سے پورا استفادہ کرتے ہوئے سرڈینی سن راس نے اس کی سوانح عمری اور حالات و واقعات کا مستند اور قابل اعتماد سوانحی خاکہ تیار کیا ہے۔

میرزا حیدر ^{۱۵۰۵ھ} (مطابق ۱۴۹۹ء تا ۱۵۰۵ء) میں تاشقند میں پیدا ہوا۔ جہاں اس کا باپ محمد حسین کرکان تقریباً چھ سال پہلے اس علاقہ کا عامل یا گورنر مقرر ہوا تھا۔

میرزا حیدر کی زندگی بہت سے معاملات میں بابر بادشاہ کی زندگی سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ یہ اپنی زندگی میں بڑے بڑے خطرات سے دوچار ہوا۔ لیکن کامیابی بھی حاصل کی۔ بابر کی طرح دُغلات نے بھی علم و فضل کی طرف توجہ کی اور مصنف کی حیثیت سے اپنا مقام پیدا کیا۔

^{۹۱۲ھ} میں جب کہ اس کی عمر نو سال کی تھی اس کے باپ محمد حسین میرزا کو شیبانی کے حکم سے ازبکوں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔

۱۔ (i) سی۔ ایس۔ اسٹوری۔ ۲۷۳

(ii) برٹش میوزیم۔ ص۔ ۱۶۵۔

۲۔ (i) سہٹری آف انڈیا ایلٹ اینڈ ڈالس۔ ج۔ چہارم۔ ص۔ ۱۳۵

(ii) برٹش میوزیم۔ ریلو۔ ص۔ ۱۶۵

باپ کے انتقال کے بعد حیدر میرزا کو بابر نے کابل بلا لیا۔ اس کے بعد انتہائی شفقت و محبت سے پیش آیا اور دلجوئی کی اور آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا ان تمام حالات کا ذکر میرزا نے نہایت شکر گزاری کے ساتھ کیا ہے۔

ترجمہ : ”وہ نامبارک دن تھا جس نے مجھ سے میرے والد کو چھین لیا۔ لیکن بادشاہ

کی نہ ختم ہونے والی مہربانیوں نے اس نقصان سے بچا لیا۔ اور جب تک میں بابر

بادشاہ کے ساتھ قیام پزیر رہا میرے ساتھ پدرانہ محبت اور خلوص سے پیش

آتے رہے۔“

حیدر میرزا بابر بادشاہ کی طرح بہادر اور مہم جو تھا۔ اس نے مختلف ادوار میں بہت سے کام انجام دیئے ہیں۔ بدخشاں اور کاشغر کی مہم میں فوجی لیڈر کی حیثیت سے شریک ہوا۔ اور اپنی فوجی صلاحیت کو برومی کار لایا۔ ۹۱۷ھ میں حصار کے پاس جنگ میں بابر بادشاہ کے دوش بدوش لڑا۔ اور چند سال بابر کی معیت میں گندارے تقریباً ۹۲۰ھ کے آس پاس دو غلات اپنے چچا کے بیٹے اور کاشغر کے سلطان کے پاس پہنچا اور اس کی ملازمت اختیار کر لی اور اس کے درباریوں ابو الفتح سعید خاں کے دربار میں شامل ہو گیا۔ سعید خاں نے اس کی صلاحیت اور قابلیت کو دیکھتے ہوئے اس کو ایک بڑے عہدے پر فائز کیا۔ جہاں اس کی ترقیوں خصوصاً فوجی کارناموں کا آغاز ہوا۔ اس نے اپنے محسن مربی کے لئے بہت سی درخشاں خدمات انجام دیں۔ اور کئی جگہ کامیاب لشکر کشی کے نتیجے میں بدخشاں، لداخ، کشمیر اور تبت وغیرہ میں حیرت ناک کامیابی حاصل کی۔ بہر حال سلطان سعید کی حکومت میں انیس سال تک نمایاں خدمات انجام دیں۔ ابھی وہ بہت سے جنگی معاملات میں مشغول ہی تھا کہ اس کے حامی و سرپرست سلطان سعید خاں کا (۱۵۳۳/۹۲۰ھ) انتقال ہو گیا۔

۱۵۳۹ء/۹۲۶ھ میں اگرہ مہایوں کی خدمت میں آیا اور اس کے ندیموں میں داخل ہو گیا۔ اس کو مہایوں کا پورا

لے اے ہسٹری آف انڈیا۔ ایلٹ انڈ ڈانس۔ ج۔ چہارم۔ ص ۱۲۷

۲۔ میرزا حیدر دو غلات صاحب تاریخ رشیدی مہایوں بادشاہ کا ہم عصر تھا۔

(از مقالات محمد شفیع۔ مرتب احمد ربانی۔ ص ۲۵۴۔ جلد اول۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۷ء)

اعتماد اور دوستانہ سلوک حاصل تھا اور غالباً گجرات اور بنگال کی مہموں میں اس کا ہمراہ تھا۔ مہایوں جو ابھی تک اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی واپسی کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا اس نے ۱۷۴۸ء میں دوغلات کے ماتحت ایک چھوٹا سا لشکر کشمیر کی فتح کے لئے بھیجا۔ تاکہ وہ کشمیر کو اپنا دار الحکومت بنا کر ایک بار پھر اپنے طاقتور رقیب شہشاہ افغان سے مقابلہ کر سکے۔ کیوں کہ وہ بھائیوں کی مکاریوں کی بدولت وطن سے دور شاہ پھاسپ کے دربار میں جاگزیں تھا۔ میرزا حیدر نے بڑی دلیری و بہادری کے ساتھ کشمیر کو ۱۷۴۸ء میں فتح کر کے مہایوں کے نام کا خطبہ پڑھا۔ اور مہایوں کے نائب کی حیثیت سے حکمرانی کی لیکن بعد میں دس یا گیارہ برس تک کام کرتا رہا۔ آخر کار اس کی قسمت کا تارا اچانک زوال کی طرف چلا گیا۔ نہایت درخشاں و کامیاب زندگی گزارنے کے بعد سرکش کشمیری سرداروں کی لاپرواہی اور متفقہ سازش کے نتیجے میں ۱۷۵۸ء میں قتل کر دیا گیا۔

بہر حال میرزا حیدر بہ حیثیت ایک مشیر، فوجی سردار، منظم کار اور ایک مدیر حاکم کی حیثیت سے غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ علم و ادب سے عشق و تعلق کے لحاظ سے بابر سے کم نہ تھا۔ باوجود تزک بابر میں اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ وہ بہت عمدہ نقاش اور پیدائشی شاعر بھی تھا۔ لیکن اس نے ایک مورخ کی حیثیت سے اپنے دور کے سیاسی حالات، جنگوں، خلفشار، خاندانی رقابتوں، کامیابیوں اور اقتدار کے عروج و زوال کا نقشہ بہت کامیابی اور خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اگرچہ حالات کی نامساعدت، مشکلات، اور خطرات کی وجہ سے جن میں وہ عموماً گھرا رہا، اس کی حیثیت ایک ایسے آوارہ گرداں کی تھی جو قسمت آزمائی کے لئے ایک جگہ سے دوسری مارا مارا بھٹکتا پھر رہا تھا مگر پھر بھی اس نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔ اور اپنی پوری توجہ تاریخ نویسی کی طرف لگا دی جس کا جتنا جاگتا شاہکار تاریخ رشیدی ہے۔ تاریخ رشیدی: میرزا حیدر تاریخ رشیدی کا سبب تصنیف یہ بتا لے کہ اس کا مقصد مغولستان کے ان منغل سرداروں امراء اور بادشاہوں کے حالات کو جمع کرنا اور ان کی تاریخ مرتب کرنا تھا۔ جن کے نام اور گزشتہ کارنامے ناسازگار

حالات اور مبسوط اور عمدہ تاریخ کی عدم موجودگی کی وجہ سے زمانے کے اوراق سے محو ہوتے جا رہے تھے لہذا وہ ایک منضبط تاریخ لکھ کر ان کے حالات و تاریخ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ ایک منغل ہونے کی وجہ سے اسے نہ صرف نسلی امتیاز کا شدت سے احساس تھا بلکہ اسے فخر بھی تھا، وہ ان مہتم بالشان سرداروں میں سے تھا جنہوں نے بڑی بڑی فتوحات کی تھیں۔ تاریخ رشیدی ۹۵۳ھ میں تصنیف کی گئی۔

در اصل "تاریخ رشیدی" مغولستان اور امرائے کاشغر کی تاریخ اور مولف کے حالات زندگی سے متعلق ہے یہ کتاب دو حصوں پر منحصر ہے۔

دفتراؤں :- پہلے حصہ کو مصنف تاریخ اصل (Real History or History Proper)

کا عنوان دیتا ہے۔ یہ جزو تاریخ بعد میں قلم بند کیا گیا۔ تاریخ رشیدی کا حصہ دوم جسے وہ مختصر (Epitome) کے نام سے یاد کرتا ہے پہلے تصنیف ہوا تھا، یعنی حصہ اول تاریخ جزو دوم کی تکمیل کے بعد مرتب ہوا تھا۔ پہلے حصہ یا جزو اول میں وہ اکثر جگہوں پر اس بات کا حوالہ دیتا ہے کہ اس نے حصہ دوم میں فلاں فلاں بیانات درج کئے ہیں۔ دوسری طرف اسی حصہ دوم میں وہ وعدہ کرتا ہے کہ فلاں فلاں باتیں وہ حصہ اول میں بیان کرے گا۔

اس تاریخی دور میں دو خاندان ممتاز تھے۔ جوایشیائے مرکز کے معاصر خوانین (مغول اور امرائے کاشغر) تھے۔ تاریخ خوانین مغول دو غلات تیمور خاں (۸۲۸ھ) سے شاہ خاں ۹۵۳ھ تک کے تاریخی واقعات پر شامل ہے۔ اس کے علاوہ امرائے کاشغر میں امیر جولاجی سے لے کر عبدالرشید ۹۵۳ھ کے عہد کے تاریخی حادثات ضمناً بیان کئے گئے ہیں۔ علاوہ بریں بابر بادشاہ کے حالات بھی جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے ذکر کیا ہے۔

دفتراؤں :- جیسا کہ قبل تحریر کیا گیا یہ جزو یعنی دفتراؤں میرزا حیدر نے دفتراؤں سے پہلے لکھا تھا۔ یہ حصہ مولف میرزا حیدر کی پیدائش ۹۰۷ھ سے لے کر کشمیر میں نائب السلطنت سے حکومت کے دور ۹۴۱ھ تک حادثات واقعات پر مبنی ہے۔

اس دفتراؤں کو درحقیقت ایک تاریخ ساز شخصیت کی سوانح حیات کہی جاسکتی ہے۔ اس میں مصنف نے

نہ صرف اپنے حالات زندگی ہی نہیں درج کئے ہیں بلکہ چغتائی تیموری اور ازبک امراء کے بارے میں جو معلومات اسے حاصل تھی وہ تمام واقعات بھی بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تمام تاریخی واقعات بھی زیر بحث آگئے ہیں جو اس کی مدت زندگی میں ماوراء النہر افغانستان اور ہندوستان میں رونما ہو رہے تھے۔ ان تمام حالات کو نہایت دیانتداری اور غور و فکر و احتیاط کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں۔

مناہج تاریخ رشیدی : مؤلف نے کسی خاص منابع کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن کتاب کے اندراج سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے مرکزی ایشیا کی تاریخ کا ابتدائی حصہ کے واقعات جن کو اس نے بزرگوں کی زبانی معلوم کیا ہے اور طغر نامہ یزدی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ کے بارے میں لکھا ہے ان حادثوں پر مؤلف ذاتی طور پر خود شریک رہا یا غالباً "واقعات باری" سے اخذ کر لئے ہیں۔ یا ان یادوں کا بیشتر حصہ ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے۔

طرز نگارش : جس طرح واقعات باری میں بابر نے واقعات کی تصدیق کی ہے۔ اسی طرح تاریخ رشیدی کا مؤلف بھی ادبی صلاحیت اور ذوق سے اچھی طرح سرشار نظر آتا ہے۔ اگرچہ اس دور کی تاریخی کتابیں انشاء نگاری اور سبک پیچیدہ کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں لیکن حیدر کا انداز بیان صاف ستم و واضح اور سادہ ہے کہیں پیچیدگی نظر نہیں آتی نہ ہی حشو و زوائد، تشبیہات و مجاز وغیرہ جو تاریخ گوئی کے لئے نامناسب ہوتے ہیں، نظر نہیں آتے۔ اس طرح مؤلف اپنے طرز تحریر اور تاریخ نویسی کے قواعد و ضوابط کے اعتبار سے سادہ نگاری کے ذیل میں رکھا جاتا ہے۔

تاریخی اہمیت : میرزا حیدر نے جیسا کہ سطور کا قبل میں تحریر کیا گیا یہ تاریخ (بقول خود مصنف دو دفتروں) میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ قابل اعتبار اور تاریخی ماخذ ہے جس میں تغلق تیمور کے آغاز سے لے کر عبدالرشید کے دور حکومت تک کی تاریخ جب کہ وہ سربراہ کے سلطنت تھا درج ہے۔ بعد کے مورخین نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔ اور تاریخی رشیدی کو ہی اپنی تاریخ کی بنیاد قرار دیا ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ تاریخ کے ان حوادث پر مبنی ہے جو مؤلف کی زندگی سے مربوط ہے۔ اس میں مورخ نے مفصل سوانح عمری اور واقعات و تجربات بیان کئے ہیں۔ جو کچھ اس نے دیکھا یا سنا سب اس نے من و عن صداقت کے ساتھ بیان کر دیئے۔

سب سے اہم اس کی خود ازشت سوانح عمری اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس لئے کہ اس کی ساری زندگی کی جزئیات اس میں بڑی واقعیت اور استناد کی خصوصیت کے ساتھ عرض کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بابر بادشاہ کی زندگی کے بارے میں بڑی اہم و سودمند اطلاعات فراہم ہوتی ہیں۔ مثلاً کابل قندھار اور غزنی کی جنگ، ماوراءالنہر کی تحت نشینی، سمرقند سے خروج اور بابر کے قتل کا ارادہ (جو مشہور ہے کہ ابراہیم لودھی کی ماں نے کیا تھا) شامل ہے۔

علاوہ ازیں ہمایوں کی عہد کی تاریخ کا کچھ حصہ۔ ہمایوں کی ہندوستان سے سلطنت کے ختم ہو جانے اور شیر شاہ افغانی کے تحت ہند پر قابض ہونے میں کافی معتبر اطلاعات فراہم ہوتی ہیں کیوں کہ جو کچھ لکھا ہے وہ ذاتی مشاہدے پر مبنی ہے۔

ویلم ارسکن نے تاریخ رشیدی کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ کہتا ہے کہ تاریخ رشیدی طباعت اور ترجمہ کے قابل ہے۔ یہ بہت ہی قابل اور تربیت یافتہ انسان کی تحریر ہے۔ اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف خود اس دور کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ وہ ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے :

”تاریخ مورد بحث اثر مردی دانشمند و با استعداد در قسمتہای اجزاء کس است بامردم و حوادثی را کہ شرح دادہ معاصر بودہ و آشنائی کامل داشتہ است اطلاعات دقیقہ کہ وی از دوران غلبہ ازبکان بر ماوراءالنہر خراسان دربارہ زحمات و ناراحتی ہا موفقیت ہا و ناکامی ہا و فرار ہا و ماجرا جوی ہا خودش و خویشاوندان نزدیکش در اختیار ما گذشتہ است بوسیلہ آں می نتوانم۔ برای آشنا بچگونگی اوضاع اند۔“

اس کے علاوہ تاریخ رشیدی کا ایک اور انگریزی ترجمہ مشہور مستشرق سر دینی سن راس نے کیا ہے۔ جو ایک علمی کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔ برآؤن نے اپنی شاہکار تصنیف ”اے لٹریچر ہسٹری آف پرشیا“ کی

تیسری جلد (ص ۳۹۲) میں اس کتاب اور اس کے ترجمہ کا ایک مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ نقد ادب فارسی میں ہے:

”سر ڈینی سن راس نے اطلاعات و معلومات کے اس بیش بہا مجموعہ کو اپنے انگریزی ترجمہ کے ذریعہ محفوظ اور ضبط کر دیا ہے۔ ترجمہ بہت مفصل اور مشروح ہے اور جا بجا حواشی اور نوٹ کی شمولیت نے اس کی افادیت اور کبھی بڑھا دی ہے۔ ترجمہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ متعدد موضوعات ایسے ہیں جن کو اس قدر بیانیہ انداز سے واقعہ نگاری کے اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ جس کی وجہ سے تحریر میں بڑی کشش اور دل نشینی پیدا ہو گئی ہے۔ لہذا یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ڈینی سن راس نے ترجمہ نگاری کا صحیح معنوں میں حق ادا کر دیا ہے۔“

بہر حال یہ اہم تصنیف ہندوستانی تاریخ کے اس دور کے لئے جس میں کہ وہ لکھی گئی ایک اہم ماخذ کا کام کرتی ہے۔ اس کی اہمیت و وقعت اس وجہ سے بھی اور بڑھ جاتی ہے کہ اس میں لکھے گئے بیشتر واقعات و حالات نہ صرف ایک ایسے معاصر مورخ کے عینی تجربات و مشاہدات کا نتیجہ ہیں جو خود اس وقت کی سیاسی و ملکی دنیا میں زبردست حیثیت و پوزیشن کا مالک تھا نیز اکثر و بیشتر معرکوں اور مہموں میں خود شریک و بہیم رہا تھا، لہذا ہر اعتبار سے اس کے بیان کردہ تاریخی حالات نہایت درجہ مستند و محب بیان پر مبنی اور قابل اعتماد قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ تاریخ رشیدی کے علاوہ میرزا حیدر دوغلات کی کچھ تصانیف اور کبھی پائی جاتی ہیں۔

جہاں نامہ :- یہ رسالہ جغرافیائی علم میں منظوم کیا گیا ہے۔ جو خاور شناسی کے نام سے بھی مشہور ہے۔

دیوان احمد جالسی :- بقول اسٹوری کہ زکی ولید نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ مشہور دیوان ”تاریخ رشیدی کے مؤلف“ میرزا حیدر دوغلات ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

الغرض میرزا حیدر دوغلات جو اس مخصوص دور کی ایک نمایاں ترین اور اہم ترین ہستیوں میں سے تھا چنانچہ اس کی اس اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے نگارندہ نے اس کا تعارف کرانے کی ممکن کوششیں کی ہیں۔

مولانا یوسفی

مولانا یوسفی بن ہروی درات سے آکر بابر اور مہارویوں کے دربار سے منسلک ہوا۔ طبیب اور شاعر بھی تھا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اس نے زیادہ تر رسائل نظم کی شکل میں لکھے ہیں۔ بہت سی بیماریوں، علajok اور ادویہ کا ذکر بھی نظم میں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نظم و نثر کو اپنی حکمت کا موضوع بنایا۔

بابر بادشاہ کی وفات کے بعد مہارویوں بادشاہ نے اس کی تشووق و سرپرستی کی۔ یوسفی نے اپنی زندگی میں فن طب سے متعلق چند رسالے قصیدے رباعیاں، قطعات اور نظمیں لکھیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

فوائد الاخیار :- یہ رسالہ نظم کی شکل میں ہے اور مقالات یوسفی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ رسالہ ۹۱۳ھ میں لکھا گیا اس میں مختلف امراض اور ان کے علاج کا ذکر ہے

جامع الفوائد :- یہ کتاب ۹۱۵ھ میں رمضان المبارک میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب میں بھی ہر مرض اور اس کا علاج بتایا ہے۔ اس کتاب کی تصحیح کے لئے یوسفی نے مشہور و معروف فضلا سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

اس کتاب میں مختلف بیماریوں کا ذکر مختلف ابواب میں ہے۔ اور ہر باب میں ہر عضو کی مختلف بیماریوں اور ان کے علاج کا ذکر کیا ہے۔ جس کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ بزم تیموریہ - صباح الدین عبدالرحمن - ج۔ اول - ص ۸۶

He lived at the Mughal Court a personal Physician to Babur and Humayun, and also as Chief Munshi to the latter.

(A History of Persian language and Literature at the Mughal Court by Mohd Abdul Ghani-Vol. II P. 73.

باب اول :- درد سر کے بارے میں جو گرمی سردی اور خشکی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کو ”صدرع مطلق“ کہتے ہیں۔
باب دوم :- آنکھ کی بیماری کا ذکر ہے۔

باب سوم :- کان کے امراض اور اس کے علاج کے بارے میں ہے۔

باب چہارم :- ناک کے امراض اور ان کے علاج اور اس کی مختلف بیماریوں کے بارے میں ہے۔

باب پنجم :- چہرے کی بیماری کا ذکر ہے۔

باب ششم :- ہونٹ کی بیماری کے بارے میں لکھا ہے۔

باب ہفتم :- منہ کی بیماریاں بیان کی گئی ہیں۔ اور ان کے اقسام بتائے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سی بیماریوں کا ذکر ہے۔ مثلاً حلق کے امراض بتائے ہیں۔ تپ کے بہت سے امراض کا

ذکر کیا ہے۔ دل کی بیماری کا ذکر ہے۔ معدہ اور جگر کے امراض اور ان پر درم کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ بواسیر کی

بیماری کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مسانہ، گردہ، پتہ، امراض زنان و مردان کے ذکر کے علاوہ علاج گزیدن جانور

وغیرہ بیماریوں کا ذکر ہے۔ ان بیماریوں کے ذکر بعد جامع الفوائد کا اختتام ہوتا ہے۔

۳۔ اُمورِ سنہ ضروریہ بر طبیب :- یوسفی کا یہ رسالہ نشر میں ہے۔ ۱۳۴۴ھ میں دورِ ہالیوں میں

لکھا گیا۔ شروع میں ہالیوں کی مدح میں ایک شہنوی ترتیب

دی ہے اس کا ایک شعر درج ذیل ہے :

داور دورانِ ہالیوں شہ کہ است

پیش خاک در گہن افلاک پست

اس شہنوی کے بعد اصل رسالہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں یوسفی نے کچھ مفید و سود مند باتیں بتائی ہیں کہتے ہیں

طب کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک صحت کی حفاظت اور دوسرے مرض کا ختم ہونا یعنی حفظِ صحت سے مراد

یہ ہے کہ اگر انسان میں کوئی بیماری نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود صحت ٹھیک نہیں رہتی تو اس کا علاج ضروری ہے۔

حفظِ صحت کے لئے مرض کا ختم ہونا بہت سہل اور اہم ہے بشرطیکہ طبیب اچھا تجربہ کار مرض شناس ہو۔

اور ہر مرض کی تشخیص اور علاج میں اعتماد رکھنا ہو تو مرض جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن تجربہ کار طبیب بہت کم

شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس طبیب کتنا ہی تجربہ کار ہو لیکن علاج کے اسباب مہیا نہ ہوں یا مریض وقت اور دوا کی پابندی نہ کرے تو مرض کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ یوسفی کا کہنا ہے خود رسولؐ نے فرمایا کہ پرہیز بہتر ہے دوائے۔ اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنی صحت کا خیال رکھے۔

یوسفی نے مزید حفظِ صحت کے چھ ضروری نسخے بیان کئے ہیں۔

۱۔ پہلے میں ہوا کے بارے میں بتایا ہے کہ ہوا صاف ستھری لیں۔

۲۔ دوسرے میں موکولات مشروبات کا ذکر ہے یعنی کھانے پینے میں کس طرح کی چیزوں کا استعمال کرنا چاہئے مثلاً کھانے میں خمیری روٹی، بکرے کا گوشت، آدھا تلا ہوا انڈا، خربوزہ، انگور، خوشبودار پھل، امرود، ناشپاتی، آنار بغیر دانے کا انجیر لینا چاہئے۔ اگر پیٹ میں خرابی ہے۔ تو دوا کے طور پر ان چیزوں کے ساتھ خستخاش وغیرہ کا استعمال کریں۔

۳۔ تیسرے باب میں جسم کی حرکت و سکون کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

۴۔ چوتھے میں نفسیاتی حرکت اور سکون کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ غصہ کی حالت میں حرکت نفسیاتی کم ہو جاتی ہے۔

۵۔ پانچویں میں نیند کے بارے میں بتایا ہے کہ زیادہ جاگنا اور زیادہ سونا دونوں ہی نقصان دہ ہیں۔ دن میں صبح کے وقت سونا نہیں چاہئے۔ اس سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ اور رات کو زیادہ جاگنے سے رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ رماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ غذائیں فساد پیدا ہوتا ہے۔

۶۔ آخر میں جنس کے بارے میں بتایا ہے۔

۷۔ قصیدہ فی حفظِ صحت : یہ قصیدہ یوسفی نے بابر کی علالت کے زمانے میں ۹۳۷ھ میں پیش کیا تھا۔ جب اس کی صحت ٹھیک نہیں تھی۔

یوسفی چونکہ طبیب تھا اس لئے اس قصیدے میں بار کی حفظِ صحت کے لئے موکولات و مشروبات یعنی کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں بتایا ہے۔

۵۔ رسالہ ماکول و مشروب :- یہ رسالہ نظم کی شکل میں ہے۔ جو ۴۴۴ میں لکھا گیا۔

۶۔ قصیدہ در اسم ادویہ مفروہ :- یہ رسالہ نظم کی شکل میں ہے اور ۴۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے میں دوائیوں کے نام بتائے گئے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ ہندی میں اس دوا کا کیا نام ہے۔ یوسفی نے اس قصیدے میں نباتات، معدنیات و حیوانات کے نام بھی بتائے ہیں۔

۷۔ رسالہ در کشادن رگہائی تعریف آن :- اس رسالے میں رگوں کو کھولنے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ پہلے حکیم بہت سی بیماریوں

کا علاج رگوں کو کھول کر کرتے تھے۔ یوسفی کا کہنا ہے کہ انسان کے جسم میں ۱۲ رگیں خاص ہیں جو کھولی جاسکتی ہیں۔

۸۔ رسالہ در بیان خواص لحوم چرندگان :- یہ نظم کی شکل میں رسالہ ہے۔ اس میں یوسفی نے چرندوں کے گوشت کی خصوصیت بتائی ہے کہ کس

چرند کا گوشت بہتر ہے یا نقصان دہ ہے۔

۹۔ رسالہ در خواص لحوم پرندگان :- اس رسالے میں پرندوں کے گوشت کی خصوصیت

بتائی ہے کہ کس پرندے کا گوشت گرم ہوتا ہے اور

کس کا ہضم۔ مثلاً کبک دو راج پرندوں کا گوشت گرم اور خشک ہوتا ہے۔ مرغ کا سوپ طاقتور ہوتا ہے لیکن دیر سے ہضم ہوتا ہے۔ فاختہ کا گوشت گرم ہوتا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ کبوتر کا گوشت گرم ہوتا ہے۔

۱۰۔ رسالہ در بیان عدد استخوان :- اس رسالے میں جسم کی ہڈیوں کی تعداد بتائی گئی ہے۔ کہ

پورے جسم میں ۳۶۳ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ہر عضو کی الگ

الگ ہڈیوں کی تعداد بھی بتائی گئی ہے۔

۱۱۔ جدول ادویہ :- یوسفی نے جدول ادویہ کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے

پہلے ترکاری خشک میوہ گرم مصالحے، چرندوں اور پرندوں وغیرہ کے فائدے اور نقصان بیان کئے ہیں۔ اور ان چیزوں کی تاثیر بقی ہے کہ کون سی چیزیں گرم خشک سرد یا تر ہوتی ہیں۔ اس سے پہلے بھی کئی رسالے اس طریقے کے لکھے گئے ہیں لیکن اتنی تفصیل اس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی۔

۱۲۔ قصیدہ در لغات ہندی :- یہ یوسفی کی ایک دلچسپ تالیف ہے جس میں خالق باری اور قادر نامہ کی طرز میں انھوں نے مختلف اشیاء اور ادویہ کے فارسی

اور ہندی نام دیئے ہیں۔ اس قصیدے میں ۴۴ اشعار ہیں۔

۱۳۔ بدائع الانشاء :- دور مغلہ کی فارسی خطوط نگاری کی تاریخ بدائع الانشاء کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ جو فن انشاء پر یوسفی کی بہترین کتاب ہے۔ عبدالغنی نے اس کی تاریخ ۹۶۰ھ لکھی ہے۔ اس کتاب کا عالمانہ طرز پیچیدہ زبان، علم نجوم فلسفہ منطق اور عربی زبان کی اصطلاحات اس کے وسیع مطالعہ اور کثرت علم کا پتہ دیتی ہے۔ کتاب کی شروعات قلم کے خالق یعنی خدا کی تعریف کے ساتھ ہوتی ہے۔ جو فطری علوم و دانش کا مالک ہے۔ اس کے بعد مصنف نے خطوط نگاری کے دو خاص قسموں کے بارے میں بتایا ہے۔ خط و کتابت کو تین درجوں میں بانٹا ہے۔ رقعات، مراسلات اور مراقعات۔

کتاب کے آخری میں الفاظ و تراکیب اور مناسب عنوانات کا ایک ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے۔

بدائع الانشاء ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے ہر موقع و محل کے محاورات کا بہترین نمونہ ہے۔ اس تصنیف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اس کے مشکل الفاظ کی فرہنگ تیار کی جائے۔ یوسفی نے غیر ملکی الفاظ کو بھی بڑے ہمارت سے استعمال کیا ہے۔ جیسے حطام۔ اسباب، مبعث، نسیاق مترادفات کے مختلف طریقے بیان کرنے کی وجہ سے اس کی زبان محض لفاظ ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن کہیں کہیں مبتدا اور خبر کی ترتیب میں کچھ بے اصولیاں پائی جاتی ہیں۔

ریاض الادویہ :- ریاض الادویہ ۹۳۶ھ میں لکھی۔ اس کو ہالیوں بادشاہ کے نام معنون کیا۔ اس کتاب کے دو باب ہیں۔

ان تصانیف کے علاوہ یوسفی نے ہمایوں کی مدح میں مختلف انداز میں شعر کہے ہیں۔ ہمایوں نے پارطاق تعمیر کرایا تو اس نے بھی اور شعرا کے ساتھ اس کے لئے ایک قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

نسبت شاہی کہ یاد فخر کند ملک و ملک
پارطاقیکہ بود عبرت نہ طاق فلک
تحت اوتابہ سمک فوق بود تابہ سما
کس ندید است شالش رہنما تا سماک

خواند میر نے ان کے لئے مسیحا النفاس، معانی اقتباس اور فصیح لبیب کے القاب استعمال کئے ہیں۔ یوسفی نے بھی عید الفطر کے موقع پر ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے

نمکبانگ عیش و نوش بگردون رسیدہ است
عید جلوس شاہ ہمایوں رسیدہ است

اس وجہ سے اس کو ہمایوں کی طرف سے خلعت بھی عطا کی گئی۔ اس کے علاوہ ۹۴۰ھ میں نوروز کے موقع پر یوسفی نے ایک قصیدہ کہا اور خلعت و انعام سے سرفراز کیا گیا۔ مطلع زیر نظر ہے:

خسرو جم حشمتی را ہمدردی کند
آفتابی را بکو کہا برابر می کند

ایک اور سالگرہ کے موقع پر یوسفی نے ایک قصیدہ پیش کیا جس کے کچھ اشعار ذیل ہیں

ساخت از نیت خویش جہان را خواہم
عید میلاد ہمایوں شہ جمشید حشم

۱۔ قانون ہمایونی، خواند میر ص۔ ۱۰۹۔ رائل ایشیائک سوسائٹی کلکتہ۔ ۱۹۴۰ء

۲۔ بزم تیموریہ۔ ۸۷

۳۔ قانون ہمایونی۔ ۹۹

خواہد آمد بہ ظہور آنچہ بہ طالع مولود
 خامہ زد بہروی از دولت و اقبال و رقم
 گریو دولت و اقبال چنین باشد زود
 کہ بشمشیر چو خورشید بگیرد عالم

یوں تو یوسفی کی تمام تر شہرت علم طب پر مبنی ہے لیکن بدائع الانشاء جیسی کتاب لکھ کر اس نے اپنا مقام اس دور کے ادیبوں نثر نگاروں میں مسلم کر لیا ہے۔ وہ اس زمانے کی مشہور و معروف شخصیت رہا۔ فن طب اور انشاء پر دازی پر عبور کے باعث اپنے ہمعصروں کے لئے اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے اپنے فکر و فن کی بے مثال یادگاریں چھوڑ گیا۔

فصل دوم شعر

آتشِ قندھاری

آتشِ قندھاری اپنی جوانی کے زمانے ہی میں قندھار سے ہندوستان میں دربارِ بابر سے وابستہ ہو گیا تھا۔ بحیثیتِ عمدہ واقعہ نویس کے کافی شہرت پائی۔ اور آخری ایام تک ہندوستان میں ہی مقیم رہا اور ۹۷۶ھ میں وفات پائی۔

صاحبِ تذکرہ روز روشن کا بیان ہے کہ بچے

”آتشِ قندھاری برکاب محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ ہندوستان آمدہ بخدمت وقائع نویسی سرفرازی یافت۔“

وہ کافی عرصہ بابر بادشاہ کے سایہ عاطفت میں رہا۔ اور مناسب عہدے پر فائز رہا۔ اسے شاعری کا شوق تھا مگر ابتداء میں اس کے اشعار میں نچنگی نہ ہونے کی وجہ سے معمولی درجے کے تھے۔ لیکن بعد میں ہندوستانی مزاج اور طبع کے زیر اثر اس کے کلام میں زیبائی و دلپذیری پیدا ہوتی چلی گئی اور یہاں تک کہ وہ ایرانی سخنوروں سے بھی دادِ تحسین حاصل کی۔

بدایونی نے آتش کے چند اشعار تحریر کئے ہیں جس میں ہندوستانی سبک کی پوری جھلک نظر آتی ہے جسے

ہیں۔

سر شکم رفتہ رفتہ بیتو دریا شد تماشا کن
بیادر کشتی چشم نشین و سیر دریا کن

۱۔ تذکرہ روز روشن، مولوی محمد ظفر حسین مباح، ص ۵۔ کتاب خانہ رازی تہران ۱۳۴۳ھ

۲۔ منتخب التواریخ، ج سوم، ۱۸۰-۱۸۱

خنجر بمیان تیغ بکف چین بچین باش
خون ریز و جفا پیشہ کن و بر سر کین باش

در شفق گشت شب عید نمایاں مہ نو
تا کنیم از پی جام می گلگون تگ و دو
مولف تذکرہ روز روشن نے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔
از اہل و فابے خبری را چہ کند کس
مائل بجفا سیمیری را چہ کند کس

تا با غم تو دست در آغوش کردہ ایم
از مہر چہ غیر تست فراموش کردہ ایم

تاگرد صفت دامن یاری نه گرفتیم
از پانه نشستم و قرار ی نه گرفتیم

امان پانی پتی

امان پانی پتی کا شمار دربار ہمایوں کے خاص و مشہور شاعروں میں ہوتا ہے۔ عبدالملک نام اور امان اللہ لقب تھا لیکن عرف عام میں امانی کے نام سے شہرت پائی۔ کسی نے کابلی اور کسی نے پانی پتی لکھا ہے۔ ملا قاطعی ہروی لکھتا ہے کہ:

”میرامانی کابلی از طبقہ سادات آنجا است مشہور بمیر میچو خوش فہم لطیف
طبع است، قبول صحبت و تمک کلام دارد، بلند مشرب اقتادہ و از اعوجاج
طبیعت آزارہ است۔ سلیقہ اش بدریافت تاریخ و گفتن اشعار موافق است“
تذکرہ صبح گلشن میں ہے:

”میرامانی کابلی از سادات عالی نژاد است و بر اقسام نظم قادر در تاریخ
گوی استاد بہ عہد اکبر بادشاہ درس نہ صد و ہشتاد و یک رفت بہ ہندوستان
کشد در شہر جوینور بمفار اسپ تازی از خانہ زین بزین رسید و طائر و خوش
از قفس قالب ببرند۔“

امانی توحید پرست عالم اور صوفی ہونے کے ساتھ ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ اس نے ہمایوں کی تعریف میں بہت سے قصائد کہے ہیں۔
عبدالغنی کابیان ہے:

لے تذکرہ مجمع شعرائ جہانگیر شاہی۔ ملا قاطعی ہروی ص۔ ۲۳۸۔ تحقیقات علوم آشیانی میانہ و عربی دانشگاہ کراچی۔ ۱۹۷۹ء

لے تذکرہ صبح گلشن۔ ص۔ ۳۷

لے اے ہسٹری آف پرشین لینگویج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ۔ عبدالغنی ج دوم۔ ص۔ ۳۶

"Shaikh Amanullah Panipati was one of Humayun's Chief Poets, and wrote several qasaid in preise of him. His style is compartively simple and his poetry sweet and full of pathos".

ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس سے ان کے انداز بیان کی سلاست اور روانی کا بخوبی اندازہ ہوتا

ہے۔

مدام از حسرت آن لعل میگو ن دلی دارم صراحی دار پر خون
تو چون لیلی مقیم خلوت ناز منم آوارہ عالم چو مجنون
گراز تن جان بصد حسرت برآید ز دل ہرت نخواہد رفت بیرون
امانی کامران در بزم عیش است بعہد خسرو دوران ہمایون

امانی ایک خوش کلام شاعر تھا۔ ذیل میں حبیب گنج بیاض سے اس کی دو غزلیں حسب ذیل ہیں۔

باتیغ سر جو آفتاب خا و ر مرا جانی و بی جان زندہ بودن کی توان بودن
ماتیغ شدیم وسینہ (۹۰۰۰۰۰) تو انم کاش در کویتو در سلک سگان بودن
تمام عمر (۹۰۰۰) ای مہ بہ بیدردان دی ہم می توان بادر دمندی مہربان بودن
بصبح حشر چون از خواب مستی چشم بکشایم چو نہ کسی (۰۰۰) عشق تو خواہم سرگران بودن
امانی غنچہ سال لب بستہ دار از گفتگو دیگر چو سوسن تابکی خواہی ز سر تا بازیان بودن

گر نیم مایل رخسار تو حیرانی چسیت درندارم سر زلف تو پریشانی چسیت
گفتم ای دل تو صد بار کہ عاشق نشوی چون شدی عاقبت انکار پریشانی چسیت

۱۔ اے ہسٹری آف پرشین لینگویج اینڈ لٹریچر ایٹ دی نعل کورٹ۔ عبدالغنی ج۔ دوم۔ ص۔ ۳۶

۲۔ حبیب گنج بیاض نمبر ۹۲/۵۱ (مذکور اشعار میں کہیں کہیں عبارت کرم خوردہ ہے)

گر نہ چون شمع ز سودای رخت میوزم غنچہ ساں در دلم این آتش بہانی چسیت
درہ عشق علاج از من رسوا مطلب کافر عشق چہ داند کہ مسلمانی چسیت
سرکشی (۴۰۰۰) بے سامانی۔ چارہ درویش بیجہ نمیدانی چسیت

امانی عمدہ شاعر ہونے کے ساتھ ایک اچھا تاریخ گو بھی تھا۔ اس نے اکثر مواقع پر تاریخیں کہی ہیں۔ ۹۸۵ء
میں میرزا ہندال اور کامران کے مابین لڑائی ہوئی تو ہندال ایک شہنشاہ کی یورش میں ہلاک ہو گیا۔ اس کی شہادت
کی جہاں دوسرے شعرا نے تاریخیں کہیں وہیں امانی نے بھی ذیل قطعہ تاریخ کہی ہے۔

شاہ ہندال سرو گلشن ناز چون ازین بوستان محنت رفت
گفت تاریخ قمری نالان سروے از بوستان دولت رفت

’بوستان دولت‘ سے مراد ہمایوں کی بادشاہت کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ میرزا ہندال اور ہمایوں بادشاہ
کے درمیان بڑے اچھے برادرانہ تعلقات تھے، ہندال کی وفات کے بعد ہمایوں نے اس کا سارا مال و اسباب شہزادہ
اکبر کے حوالے کر دیا تھا۔

سلطان خجستانی جو ہمایوں کا ندیم خاص تھا اس کی وفات پر امانی نے تاریخ کہی ہے۔

سلطان خجتا بود گل گلشن خوبی ناگہ اجلش سوے عدم راہنمون شد
چون موسم گل عزم سفر کرد این باغ دلہاز عیش غنچہ صفت غرقہ بخون شد
تاریخ دے از ببل ماتم زدہ جستم در نالہ شد و گفت گل از باغ بردن شد

۱۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۲۵۲

۲۔ اکبرنامہ۔ ابوالفضل۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۲۰۷

بیرم خاں

بیرم ہمایوں واکبر کے نامور امراء میں سے تھا۔ اس کا تعلق ترکمانوں کے قبیلے قراقلوں میں سے تھا۔ بلخ میں تعلیم پائی۔ سولہ سال کی عمر میں ہمایوں کی زیر سرپرستی آگیا اور اس کے دربار کے نزدیک خاص میں شامل ہو گیا۔ بدایونی کا بیان ہے:

”در ابتدائی حال در خدمت بابر بادشاہ ورود وسط بملازمت ہمایوں
پادشاہ نشوونمایافت و بخطاب خانخانان سرافزای یافت و بندگان پادشاہ
در البقالبش بابا افزودند“

قدرت اللہ پاموی رقمطراز ہے:

”بیرم خاں بدخشان کی کہ از امرای نامدار دولت ہمایونی واکبر لیت پدرش
از ملازمین بابر بادشاہ بودہ بیرم خاں بعد از وفات پدر در بلخ رفتہ تحصیل
علم رسمی پرداختہ و عمر شانزدہ سالگی بہارگاہ ہمایوں پادشاہ رسید و بہر شرف
و مرام خسروی کامیاب گردید و در عہد اکبری ترقیات نمایان یافتہ۔“

بیرم خاں ہمیشہ رزم و زہم میں ہمایوں کے ساتھ رہتا تھا جب ہمایوں اور شیرشاہ کے مابین قنوج کے مقام پر لڑائی ہوئی تو اس نے جدا ہو کر ہمایوں کی حمایت میں بڑی شجاعت و جانبازی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ہمایوں کی شکست کے بعد اس سے جدا ہو کر سنبل کے راجہ ترسین سے ہمایوں کے لئے مدد چاہی۔ شیرشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس کو اپنے

منتخب التواریخ۔ جلد دوم ص۔ ۱۹۰

لے تذکرہ نتائج الافکار ص۔ ۳-۱۰۲ چانچانہ سلطانی بمبئی ۱۳۳۶ھ

پاس بلایا اور بڑی عزت و تعظیم سے پیش آیا۔ شیرشاہ کے علاوہ محمود گجراتی نے بھی اپنے یہاں مدعو کیا۔ اور بڑی تکریم و تحريم کی۔ لیکن بیرم خاں ہمایوں کی وفاداری اور رقابت کا دم بھرتا تھا اس لئے کسی طرح بھی ان کا معاون و مددگار ثابت نہ ہوا اور کسی نہ کسی طرح ہمایوں سے دوبارہ جا ملا۔

عبدالباقی ہنود نے بیرم خاں اور ہمایوں کی محبت کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ ہمایوں کی جلاوطنی کے زمانے میں بھی وہ قدم بہ قدم اس کا ساتھ دیتا رہا۔ ایران میں شاہ ایران نے اسے خان کا خطاب عطا کیا۔ ایران سے واپسی کے بعد ہمایوں کی طرف سے کامران میرزا کے پاس دو فرامین لے کر گیا اور یہ خیال کیا کہ ہمایوں کو بادشاہ تسلیم کرانے کے لئے ضروری ہے کہ کامران فرامین کو کھڑے ہو کر وصول کرے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ کامران ایسا نہیں کرے گا۔ ہند بڑی بڑی ہوشیاری سے پہلے کلام پاک کا نسخہ پیش کیا۔ جس کو لینے کے لئے کامران احتراماً گھڑا ہوا۔ اسی وقت بیرم خاں نے ہمایوں کی دونوں فرامین بھی پیش کر دیئے۔ یہ اس کی ہمایوں کے ساتھ وفاداری اور محبت کا ثبوت ہے۔

ہمایوں نے قندھار کو فتح کرنے کے بعد اسے بیرم خاں کے سپرد کر دیا اور شاہ ایران کو لکھ کر بھیجا کہ بیرم خاں میرا اور اس کا دونوں کا غلام و ماتحت ہے۔ ہمایوں نے جب دوسری بار ہندوستان کی جانب رخ کیا اس نے بیرم خاں کو مقابلے کے لئے روانہ کیا چنانچہ چھپور کے مقام پر اس نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اور افغانوں پر غالب رہا۔ چنانچہ ہمایوں نے خوش ہو کر سرہند کا علاقہ اسے جاگیر میں دیدیا۔ اور یار و فاء، برادر نیکو پسر اور فرزند سعادت مند کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ۱۵۵۵ء میں شہزادہ اکبر کا تالیق مقرر کیا گیا۔ اس کی اس قدر قربت کو دیکھ کر حاسدوں نے اکبر کو بیرم خاں کی طرف سے بدظن کر دیا اور دونوں میں ایسی کشیدگی پیدا ہو گئی کہ اس کے بعد بیرم خاں مقامات مقدسہ کی اجازت چاہی مگر اس کو بغاوت کے الزام کی وجہ سے اجازت نہیں دی گئی۔ لیکن جالندھر کی لڑائی کے بعد اکبر اس سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے اجازت طلب کر کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا لیکن وہ پٹن پہنچا ہی تھا وہاں ایک پیٹھان مبارک خاں نے اس کو قتل کر دیا پہلے اس کی لاش دھلی لائی گئی۔ پھر مشہد میں دفن کیا گیا۔ اس نے مدتوں پہلے ایک خواب کی تعبیر میں اپنی ذیل تاریخ وفات کہی تھی۔

بیرم بطواف کعبہ بست احرام
در واقعہ ہاتھی بے تاریخش
در راہ شد از شہادتش کار تمام
گفت کہ شہید شد محمد۔ میام (۱۹۶۸)

لے نفاس الماثر مرزا علاء الدولہ قزوینی۔ نسخہ خطی نمبر۔ ۹۲۰۔ ص۔ ۳۰۔ کتابخانہ مولانا آزاد۔ علیگڑھ

نتائج الافکار میں لکھا ہے :

”آخر الامر بارادہ زیارت حرمین شریفین از پیش گاہی پادشاهی دستوری حاصل ساخته بجزات رسیده بدست نا، بخاری ۹۶۸ھ شمان وستین و تسما لہ جام شہادت کشید تا بوقت اور البشا، بجهان آباد آورده بجاک سپردند و بعد چندی بر طبق وصیت بمشهد مقدس رسانیدید“

طبقات اکبری میں لکھا ہے :

”بسی آن صاحب اقبال، بنیان سلطنت ایندولت استحکام پذیرفت۔ و فتح ہندوستان از رای جهانگشاہی خان خانہ شد۔ و تربیت علماء و فضلاء جبلی و طبعی آن بزرگ نہاد بود۔“

منتخب التواریخ میں ہے :

”از اولاد میرزا جهان شاہ است بوفوردانش و سخا و صدق و حسن خلق و نیاز انکساری سبقت از همگنان ر بوده ... بسیار در ویش دوست و صاحب جمال و نیک اندیش بود بہ کین سعی و جلادت و حسن تدبیر او ہندوستان دومرتبہ ثانی ہم فتح شد و ہم تعمیر یافت فضلائی جہان از اطراف و اکناف رو بد رگاہ او آورده از کف بجر مثالش شاداب میرفتند و بارگاہ آسمان با شش، قبلہ از باب فضل و کمال بودند۔ زمانہ را بوجود شریفش تفاخر آخر حال از باب نفاق مزاج بندگان بادشاہی را با و متغیر ساختند و کار او بانجا رسید کہ شہ از ذکر آن در سنوات تقدیم یافت“

لے تذکرہ نتائج الافکار۔ محمد قدرت اللہ گویاموی۔ ص ۱۰۲۔

لے طبقات اکبری۔ نظام الدین نجفی۔ جلد دوم۔

لے منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۹۰۔

بیرم خاں شعرو شاعری کی طرف کافی رغبت رکھتا تھا۔ اس کو اساتذہ کے قصائد اور اشعار کے انتخاب میں بڑا دخل تھا۔ جن کو جمع کر کے اس نے دغلیہ نام رکھا۔ چنانچہ ہمایوں اس کے ذوقِ شعری کا خیال رکھتے ہوئے اس سے منظوم خط و کتابت کرتا تھا۔

بیرم خاں نے ہمایوں کی شان میں بڑا طویل قصیدہ اس موقع پر کہا جب ۹۵۴ھ میں ہمایوں نے قندھار فتح کرنے کے بعد اس کے حوالے کر دیا۔ اور خود کابل کی فتح کے لئے روانہ ہو گیا۔ اسی دوران بیرم خاں کی جانب سے ہمایوں تک کچھ ایسی باتیں پہنچی جس سے ہمایوں کو بیرم خاں کی طرف سے گمان پیدا ہو گیا۔ کہنا جاتا ہے اسی وقت بیرم خاں نے ذیل قصیدہ کہا جس میں اس کی والہانہ محبت و شوقِ ملاقات کا اظہار ہے۔ ایک قصیدہ میں اصطراب کی تشبیہ ہے۔ کیوں کہ ہمایوں کو اصطراب سے بڑی دلچسپی تھی۔

ہمایوں کی مدح میں کہتا ہے:

شاہ بلند قدر ہمایوں کہ از شرف	بر در گمش سپہر ہند روی افتخار
عیسیٰ مکان نوح زمان خلیل خواں	یوسف رخ کلیم وقار خضر شعار
گردون شکوہ عرش جناب خضر شعار	خورشید خیز چرخ سیر بر فلک مدار
از راہ قدر جاہ چو جمشید کام بخش	وز روی فیض جو دیو خورشید کامگار

ہمایوں کی فیاضی اور بروباری کی تعریف کرتا ہے۔

در رنگ جو داو بود فیض در سحاب	ہم سنگ جلم او بود کوہ در وقار
لعل و گہر نشاؤے از درج معرفت	ہر دم مزار گوہر معنی کند نثار

ہمایوں سے اپنے شوقِ ملاقات کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

شاہان من شکستہ دل خستہ حزین	دارم عریفہ ز سر لطف گوش دار
-----------------------------	-----------------------------

زان روز کز تصرف تقدیر ایزدی شدر خستم از خطہ کابل بہ قندھار
 از سوز اشتیاق جگر سوختہ بہ تہ وز داغ انتظار بدل ماند خار خار
 در حسرت گل چمن آرائی عارضت با غار خار سوخت مرا داغ انتظار
 بیزار زار بودہ ام و بار زار تر امسال صد برابر بیزار ملکہ بار

اوجہ ہمایوں سے ملاقات ہو جاتی ہے تو اس خوشی کا اظہار بھی بڑے غلصۂ انداز میں کرتا ہے کہ:
 از آنجا کہ اعتقاد من و التفات تست پیوستہ بودہ ام بوصالت امیدوار
 دور از حضور نور جمالت زلفت بود تا این زمان غبار غم از چشم اشکبار
 امروز از غبار درت یافت روشنی شکر خدا کہ روشنی دید از غبار

پھر ہمایوں کے لطف و کرم کا خواستگار ہو کر کہتا ہے کہ:
 ہر کس کہ آفتاب فلک دید عارضت بے اختیار مہر ترا کرد اختیار
 لطفی عنایتی کر می شفقتی کہ ما مسکین و مستمند و فقیریم و خاکسار

اپنی محبت و عقیدت و اخلاص کا یقین دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ:
 دین پرورا بجان لم مدح خوان تو کر باشدم سپہر مددگار و بخت بار
 بہر نثار بزم تو از بحر طبع خویش دارم سفینہ از گہر ہائے آبدار

ہمایوں کے علاوہ بیرم خاں نے اکبر کی مدح میں قصائد کہے ہیں۔ بطور مثال ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ

اکبر کی قوت، عدل، یوروری اور اس کے جاہ و جلال کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ بیرم خان خود شاعر ہونے کے ساتھ نیز ایک عمدہ سخن شناس، علم پرور اور قدردان اہل علم و ادب تھا۔ بدایونی کا بیان ہے کہ اسے ہاشمی قندھاری کی زیر نظر غزل بہت پسند تھی۔

۱۔ منتخب التواریخ۔ ملا عبد القادر بدایونی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۴۸

سائنس کا کون سا شعبہ ہے جس کا تعلق
نہر سے ہے؟

۲۰۵

بیرم خان نے غزل پسند آنے کے بعد ہاشمی قندھاری کو سناٹھ سکے دے کر اس غزل کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ یہ رقم دے کر معلوم کیا کہ یہ کم تو نہیں ہے۔ ہاشمی نے فی البدیہہ بطور لطیفہ کہا ”شصت کم است“ یعنی ۶۰ کم ہے۔ اس جواب کی خوبی یہ ہے کم کے عدد نکالے جائے تو سناٹھ ہوتے ہیں۔ لہذا خانانان نے مزید چالیس ہزار تنکہ بھیج کر ایک لاکھ پورے کر دیئے۔

بہر حال بیرم خان کی فیاضی کا شہرہ دور دور تک تھا۔ ارباب علم و ہنر کی کثیر تعداد اس کے زیرِ جو دو فیض میں آتی تھی اور انعامات و نوازشات گراں قدر سے بہرہ مند ہوتی تھی۔
طبقات اکبری میں ہے:

”درفن شعر، سلیقہ تمام داشت، و دیوان اشعار ترکی و فارسی داد۔“

بیرم خان فارسی کے علاوہ ترکی زبان کا بھی ماہر تھا اس نے ایک فارسی دیوان مرتب کیا گیا ہے جو ۱۹۱۵ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہوا تھا جس کے شروع میں ڈینی سن راس کا ایک مختصر دیباچہ بھی ہے۔ بیرم خان نے فارسی منقبت، رباعی اور غزل وغیرہ اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ چند منقبت کے اشعار جو حضرت علیؑ پر لکھے تھے حسب ذیل ہیں:

شہی کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او
اگر غلام علی نیست خاک بر سر او
محبت شہ مردان تجوز پی پداری
کہ دست غیر گرفت است پای مادر او

منتخب التواریخ میں نیز بیرم خان کی رباعیات نقل ہیں:

ارباب فنا بلند و پست ایشانند
وز جام بقا مدام مست ایشانند

۱۔ طبقات اکبری۔ نظام الدین بخشی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۴۲۵

۲۔ منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص۔ ۱۹۱

در معرض نیستی است ہر چیز لہ ہست
میدان بہ یقین کہ ہر چہ نیست ایشانند

ای کوی تو کعبہ سعادت مارا
وی روی تو قبلہ ارادت مارا
خوش آنکہ بجزبہ غایت سازی
وارستہ ز قید رسم و عادت مارا

نفائس المآثر میں ہے:

”این دو رباعی کہ جنت آشیانی و محاو یہ یکدیگر نوشتہ اند ایراد رفت از
حضرت جنت آشیانی واقع شد“

ای آنکہ خاطر مخزوننی چون طبع لطیف غولیشن مخزوننی
بی یاد تو من نیم زمانی ہرگز آیا تو بیاد من مخزون چونی

بیرم خان در جواب عرض نموده

ای آنکہ بذات سایہ نیچونی از ہر چہ ترا وصف کنم افزونی
چون میدانی کہ بی تو چون میگردد چون می پرسی کہ در فرا قم چونی

بیرم خان کی غزلیات لطافت و دلکشی کے علاوہ سادگی، روانی اور برجستگی سے پر ہیں۔ چند غزلیات بطور مثال ملاحظہ ہوں

لہ نفائس المآثر نسخہ خطی ص ۲۲ پر یہ رباعی اس طرح ہے۔
ارباب وفا بلند و پست ایشانند از جام بقای عشق مست ایشانند
در معرض نیستی است ہر چیز کہ هست هست ایشانند و ہر چہ هست ایشانند

۲۷ نفائس المآثر۔ مرزا علاء الدولہ قزوینی۔ نسخہ خطی نمبر ۹۲ ص ۳۲۔ الف

مرزا علاء الدولہ قزوینی نفائس المآثر میں بیرم خان کی ذیل دو غزلیں نقل کرتا ہے۔

دلا گر غم دستانی نداری	اگر حضر رفتی کہ جانی نداری
اگر سینہ ات لالہ سا چاک نبود	زراغ محبت نشانی نداری
ندانی با سمرار خوبی رسیدن	اگر عشق زیبا جوانی نداری
نداری ز سہم سعادت نشانی	اگر میل ابرو کمائی نداری
دلا گشت شہور اسرار عشقت	ازین خوبتر داستانی نداری
چہ شد حالت ای بلبل زار کاشب	چو شہبانی دیگر فغانی نداری
بہ بیرم نظر کن کہ در ملک معنی	چنین عاشق نکتہ دانی نداری
گر بر آرم مشعلہ از دل دہان میسوزم	در نہاں دارم درون سینہ جان میسوزم
(۹۰۰) گویا زبان من سخن گواہگر میست	بسی کہ شرح آتش عشقت زبان میسوزم
روز و شب از رود آہ آتش دل روشن است	ایک عشقت آشکارا دہان میسوزم
از وجود ماندہ ثبت استخوانی و سہوز	داغ بجران تو منرا استخوان میسوزم
(۹۰۰) با آن بلبل بیجان و ماتم در فراق	کز دل پر سوز ہر شب آشیان میسوزم

نیز حبیب گنج بیاض میں بیرم خان کی چند غزلیں منقول ہیں جن میں سے دو غزلیں حسب ذیل ہیں:

بروی او گناہی جز نگاہی خود نمیدانم	نمیدانم چہ بد کردم گناہ خود نمیدانم
چہ میسوزی تباب قہرای خورشید ہم رویان	کہ غیر از سایہ لطف پناہ خود نمیدانم
خریدار (-) غیر جان خود نمی	ہواداری بکوبت غیر آہ خود نمیدانم
امید از تو بسیار است شاہ من چو میدانی	کہ جز خاک درت امید گاہ خود نمیدانم

۱۔ نفائس المآثر مرزا علاء الدولہ قزوینی نسخہ خطی نمبر ۲۹ ص ۳۲۔ الف

۲۔ بیاض (حبیب گنج) نمبر ۲۹ کتابخانہ آزاد علیگر۔

(۹۰۰) کارم بریش یار بیرم لیک درویش گناهی جز نگاہی گاہ گاہ خود نمیدانم

بی سخن داعیہ خون نش معلوم است
بیرہن نازک ازوی بدنش نازکتر
گرچہ طوطی شدہ مشہور بشرین سخنی
پیش لیلیٰ بود محنت مجنون مجہول ،
صورت حال نہاں نیست کہ از عاقبت لطیف
راز در غنجہ شرین سخنش نہاں است
با خرام قد رعنائی تو در گلشن راز
مرزا علاء الدولہ قزوینی کا بیان ہے۔

”بیرم خان اشعار ترکی نیز خوب گفتہ است“

لہذا نفائس المآثر سے چند ابیات جن میں فارسی اور ترکی کا حسین امتزاج نظر آتا ہے، حسب ذیل

ہیں۔

اول سرو قد کہ سید اہل قبول دور
ہم عارضی گل چمن آرائی مسر تصنی
گلدیک یوزی نشانہ آل رسول دور
ہم قامتی نہال ریاضی بتول دور

منتظر وصال ایدم بیدل و بے قرار
امی فتنہ مستار کو زنگ منظمہ اشیا
رحم کہ امید قالمدی طاقت انتظار ہم
کوندک باری ذرات جہاں عنید پیدا

۲۰۹ بیکسی

بیکسی خراسان کے شہر غزنی کا رہنے والا تھا۔ علم و فضل اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے اپنے ہمعصروں میں کافی ممتاز تھا۔
بدایونی رقمطراز ہے کہ
”بوفور فضائل و صوف کمالات انصاف داشتہ“

ہفت اقلیم میں ہے کہ
”از فاضلان زمان خود بودہ“

اس کا زیادہ تر وقت سیر و سفر میں گذرا چنانچہ وہ زیارت حرمین سے بھی شرف یاب ہو چکا تھا۔ سلاطین چغتائی کے بہت قربت حاصل تھی۔ وہ اس کی عزت و تعظیم بڑے اخلاص کے ساتھ کرتے۔ بیکسی شاعرانہ مزاج کا مالک تھا اس لئے اس کا رجحان طبع شعر و سخن کی طرف مائل تھا۔ چنانکہ اشعار آبدار اس کی یادگار میں بادشاہ وقت کی تعریف میں عمدہ قصائد کہے ہیں۔

کابل میں شہزادہ حکیم میرزا کے ساتھ منسلک تھا اور اس کے دربار کے تمام اساتذہ ہ وقت میں تعلیمی اعتبار سے برتر تھا۔ ملایار محمد خواص خاں جو اس عہد میں اپنا پورا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اس کی کوشش سے خلیفہ تعلیم مقرر ہوا۔ مگر پھر اس نے مولانا کے مقابلے میں تقرب کے لئے سبقت حاصل کرنا چاہی تو مولانا اپنے فضل و کمال کی بنا پر ان باتوں کو برداشت نہ کر سکے۔ لہذا انھوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ کافی زمانہ آگرہ اور لاہور میں رہے پھر علانی سرحوم میر مرتضیٰ شریقی کی صحبت میں پہنچے۔ مختلف علوم پر کمال حاصل کیا۔ کبر سنی کے باوجود میر مذکور کے شاگردوں میں شامل ہو گیا۔ جہاں بعض حدیث کی کتابیں مثلاً مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ اور شمائل رسول کے بارے میں احادیث

منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی ج سوم۔ ص ۱۹۲

۱۔ ہفت اقلیم۔ امین احمد رازی ج۔ دوم۔ ص ۳۳۹۔ ایشیا نک سوسائٹی ملکتہ۔ ۱۹۶۳ء

پڑھیں۔ لیکن ضعف کمزوری کی وجہ سے اپنے وطن مالوف کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہیں وفات پائی۔
تذکرہ علمائے ہند میں ہے۔^۱

”بہجت استلای ضعف پیبری متوجہ وطن مالوف غزنین شدہ در سال

۹۴۳ھ بجوار رحمت اینزدی پیوست۔“

ہفت اقلیم میں ہے کہ ہے:

”پس ازان غزیمت ہندوستان نمودہ برسم مصاحبت بالمرای این

درگاہ روزگار میگذرانید تا در خلخال احوال خواست کہ معاودت نمودہ تن بہم

آغوشی عاقبت سپارد کہ در آشنای راہ بموضع پرشاور ہادم اللذات بر سرش

تافہ دست آرزویش را از دامن مامول کوتاہ ساختہ“

دم مرگ چون آتشین ہولناک

ندارد ز برنا و خرقوت باک

مولنا بیکی نے ہمایوں بادشاہ کی ملازمت کی سعادت پائی۔ اور حضرت شاہ کے بشمار عطیات و نوازشات سے بہرور ہوتا رہا۔ اس نے ہمایوں بادشاہ کی مدح میں بہت سے قصیدے کہے۔ چند فقرے ہمایوں کی وفات کے وقت کہے تھے جو درج ذیل ہیں۔

درین شاہ ہمایوں بوقت رحلت خویش نوشت بر در سر منزل کہ ساکن بود

خطی کہ عاقبت کار حملہ محمود است محسن عاقبت خود اشارتی فرمود

^۱ تذکرہ علمائے ہند۔ رحمان علی۔ ص۔ مطبع نیشنل کتب خانہ لاہور۔ ۱۹۱۴ء

^۲ ہفت اقلیم۔ امین احمد رازی۔ ج۔ دوم۔ ص۔ ۳۹

چو شد بہ حکم قضاہ فنش مہاں غزل
کہ بود قبلہ حاجات و کعبہ مقصود
بنابرین بے تاریخ حلتش گفتم
بنائی منزل سلطان عاقبت محمود
کمال رسم و فابے کسی بجا آورد
کہ نقد عمر درین آستانہ صرف نمود

مولانا نے قصائد کے علاوہ بہت سی تغریلے اور رباعیاں بھی کہی ہیں۔ ذیل میں کچھ اشعار ملاحظہ ہوں گے
در دیر و کعبہ جز بتو مسایل نہ بودہ ام
ہر جا کہ بودہ ام از تو غافل نہ بودہ ام

فلک را رسم بہر می نہ در دوراں ما بودہ
کہ دوران فلک تا بودہ می مہر و وفا بودہ

بکیسی گر شنود طعنہ دشمن صد بار
لائی آنت کہ آشفہ و در ہم نشود
زانکہ این بیت کمال ست بعالم مشہور
انجین بیت چرا شہرہ عالم نشود
سنگ بدگوہر اگر کاہ زرین نشکند
قیمت سنگ نیفزاید و زر کم نشود

ای دل تو مرا بغضہ و غم نہ ہی
یک لحظہ خوشی بہ ملکیت جسم نہ ہی
باری اگر تہ بدست افتد ز نہار
خاک قدمش بہر دو عالم نہ ہی

”جاہنئی تیمان کہ از بخار است و بدین نسبت اشتہار یافتہ در کابل وقت
توجہ شاہ غفران پناہ بجانب ہند ملازمت نمودہ شمول عواطف بادشاہی
گشتہ۔“

خبرویان همه بی مهر و وفا نید شما
و عده که دید و فاطور دروغی گفتید
مادرین شهر نه از بهر شما رسوائیم
چند پرسید که مقصود تو در عالم چیست
جابهی از دست شما جان نتواند بردن
با سیران ز پی جور و جفا نید شما
راست گو نید که این طور چرا نید شما
همه جا باعث رسوائی ما نید شما
راست گویم که شما نید شما نید شما
که بلای زبلاهای خدا نید شما

دوش ماه عید شد بر شکل مصقل آشکار
کز بخار روزه بود آئینه دل را غبار

یا تراشیدند بہر ناقۃ یلی خصب
باتن خم گشتہ مجنون شد از غم زردوزار
خویش را در سلک خدام تو میخواستند فلک
زان کمان حلقہ آوردہ است بہر برگذار

بدایونی کا خیال ہے کہ ”خویش را در سلک خدام تو میخواستند فلک“ نظامی انسر آبادی کے اشعار سے لیا ہے۔
جاہی نے ایک ہجو بھی لکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مہالیوں نے شاہ محمد خاں شاہ پور کو کابل میں بطور
سزا دی کے مقرر کیا اس نے اور عوام کی طرح ملا جاہی کو بھی بہت ایذا دی۔ ملا نے ایک ترکیب بند شاہ پور کی ہجو
میں لکھا۔ چونکہ شاہ پور کی بیٹی مہالیوں کے نکاح میں تھی اس لئے اس سے تو کچھ تعرض نہ کیا اور اس کے سارے خاندان
کی نسبت بڑی فحش باتیں لکھیں یہاں تک کہ کسی مرد و عورت کو خالی نہ چھوڑا۔ مہالیوں بھی شاہ پور کی طرف سے کچھ رنجیدہ
تھا اس لئے اس ہجو کو دربار عام میں شاہ پور کے سامنے ملا کی زبانی سنا اور سنس کر معقول صلہ شاہ پور سے دلویا۔
ذیل میں چند ہجو یا اشعار ملاحظہ ہوں۔

شاعر شاہ مہالیو نم و خاک درگہ
میزند کو کبہ شاعریم طعنہ بمسمہ
خسرو شعرم و ابیات خوشم خیل مسپہ
دیدم از قحطہ زنی ظلم نہ جرم و نہ گفتہ
پارہ کاغذ اگر از ہدیایان گشتہ سینہ
سوی ہجوش اگر اندیشہ شود روی برہ

۹۵۶ء میں جاہی ایک غلام کے زہر دینے کی وجہ سے جا بخت ہو گیا۔

جلالی ہندی

جلالی ہندی سماویوں کا درباری شاعر تھا، وہ ہندی اور فارسی دونوں زبانوں کا ماہر تھا۔ اس نے اس کے اشعار دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ شاعری کے علاوہ فن معما میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس کی دو غزلوں کے مطلع ذیل میں بطور مثال بیان کئے جا رہے ہیں جس سے اس کے اندازِ سبک کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

زاہد زجام بادہ لعل تو مست شد
روی تو دید عاشق و آتش پرست شد

وعدہ وصل تو اے ماہ بعید افتادہ است
وہ کہ این وعدہ چہ بیار بعید افتادہ است

جمالی دہلوی

جمالی کا شمار نہ صرف نو سیدہ روزگار بلکہ شاعر آبدار میں ہوتا ہے :
عبدالحق نے کیا خوب کہا ہے کہ :

” یگانہ روزگار و مجمع اطوار بود اقسام شعرا ز شنوی و قصیدہ و غزل گفتہ
حالت شعرا و براہل سخن ظاہر است۔ قصیدہ او بہتر از غزل و شنوی است۔“

جمالی صاحب دیوان شاعر ہے۔ اس نے قصیدہ، غزل، شنوی ہر اصناف سخن پر صرف طبع آزمائی کی بلکہ
دنیا سے ادب میں اپنی شہرت کی انمٹ ہر مثبت کردی۔ جمالی کی شہرت دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں تک
کہ مولانا جامی نے اس کے اشعار کو سراہا ہے۔ جمالی کو نصرت ثانی، کالقب حاصل تھا۔

جمالی درویش انسان تھا اس نے دوسرے سہروردی بزرگوں کی طرح سیر و سیاحت کی تھی۔ اسی
دوران سیاحت مولانا جامی، ملا حسین واعظ کاشفی اور مولانا جلال الدین دوانی جیسے بزرگوں سے ملاقات کی۔
جامی اور جمالی ان دونوں شاعروں کی ملاقات ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔

مولانا آزاد دربار اکبری میں لکھتے ہیں :

” بزرگوں سے سنا ہے کہ پہلی ملاقات میں اپنا حال کچھ ظاہر نہ کیا اور پاس جا بیٹھے تن برہنہ فقط لنگی باندھے
تھے، فقیرانہ حالت تھی انھوں نے کہا ” میاں خرد تو چند فرق است “ انھوں نے بالشت نیچ میں رکھ دی تھل کیا
اور کیا ” کیستی “ انھوں نے کہا ” از خاکسار ہند “ ان کا کلام وہاں تک پہنچ چکا تھا پوچھا ” از سخنان جمالی چیزے

۱۔ اخبار الاخیار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ص۔ ۲۲۲۔ مجتبیٰ دہلی۔
۲۔ دربار اکبری۔ مولانا آزاد۔ ص۔ ۹۰۔ ۸۵۹۔ لاہور نول کشور پریس ۱۹۱۰ء

حواہ
۸

یاد داری ”... انھوں نے مطلع پڑھا

مار از خاک کولیش پیراہن است بر تن

آن ہم ز آب دیدہ صد چاک تاب دامن

یہ کہا اور آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے بدن پر تمام گرد پڑی تھی سینہ پر آنسو پڑے تو گرد پاک ہو گئی۔ جامی سمجھ گئے، گلے ملے اور تعظیم تواضع سے پیش آئے۔“

لیکن شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ دوسرے تذکروں میں یہ روایت اس طرح لکھی ہے۔ جمالی جامی کی مجلس میں بغیر کسی تعارف یا تمہید کے مسند پر شاعر کے پہلو جا بیٹھے۔ جامی نے بگڑا کر پوچھا میاں شما خرچہ قدر تفاوت است“ اس وقت جمالی اور جامی میں ایک پالشت کا فرق تھا انھوں نے جواب دیا۔ یک وجہ۔“ نفاس الماثر میں ہے:

”شیخ جمالی دروادی فضیلت و سلیقہ شعر کلام داشت“

شاعری کا تمام سلیقہ و صلاحیت جمالی کے تمام اصناف شاعری سے ظاہر ہوتا ہے۔ زیر نظر ابیات بطور مثال ملاحظہ ہوں

عشق را طے لسانیت کہ صد سالہ سخن

درست باد و ست بیک چشم زدن می گوید

مار از گرد کولیش پیراہنی بر تن

آہنم ز آب دیدہ صد چاک تاب دامن

ویرانہ دلم را گنجی است یاد رویت

رو روی خلیل زلفت چون مار کردہ مسکن

۱۔ آب کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔ ص ۴۶

۲۔ ہفت اقلیم۔ امین احمد رازی۔ جلد دوم۔ ص ۴۸۹

زاہد بامن گفت کہ روی بتان مبین

ای بی تمیز دیدہ بینا برای چیست

تذکرہ نتائج الافکار میں جمالی کے کچھ اشعار ملتے ہیں۔

جان کندن از فراق تو شرین بود مرا	یاد لب تو در دل غمگین بود مرا
بیا اجل مکن از یار شرمسار مرا	چو زندگی ہمہ شرمندگی بود بی یار
حیراب ابروی تو مراد نماز کشت	گویند زندہ می شود اندر نماز دل
چون کنم کز آب چشم من بگویت خاک نیست	خاک گویت خواستم در گریہ فشانم سیر
چشم بگشاد و ترا یکبار بہر بالین ندید	چون دید بخستہ بیماری کہ صبا بازار امید
خاکش ز کف باد صبا در دہن افتد	چون غنچہ کند پیش دہان تو تبسم

دست کوتہ دارم امامی کنم فکر دراز	می کنم فکری کہ آن زلف دراز آید بدست
مباد ادرد تو بیرون فتد از سینہ چاکم	ز تیغ سینہ ام صد چاک شدای دای می ترسم
یعنی این دل ریش را قربان روی خویش کن	عید قربان است لطفی بر من دل ریش کن

بروی زدم از دیدہ گریان نمک آبی	شد مرغ دلم ز آتش عشق تو کبابی
چون نیشکر شکستہ شود بند بند او	ہر کسی کہ بند آن لب مانند قند او

تذکرہ روز روشن میں سبھی جمالی کے کچھ اشعار نقل ہیں۔

تا ہر دم بخون نکند غرق دیدہ را	از سینہ بر کشم دل محنت رسیدہ را
--------------------------------	---------------------------------

۱۔ نتائج الافکار۔ محمد قدرت اللہ گویا موی۔ ص۔ ۵۴۔ ۱۵۳

۲۔ تذکرہ روز روشن۔ مولوی محمد مظفر حسین صبا۔ ص۔ ۸۰۔ کتابخانہ رازی تہران ۱۳۳۳ھ

شب بگرد کعبہ کوئی تو ہی آرام طواف
 ہر روز چون جمال تو بی پردہ ظاہر ست
 بردوش مرد جمال سگ او نوحہ گرفت
 صبر و آرام و دل و دین جمالی ہمہ رفت
 شمشیر کشید آں بت و در کوی خودم دیدم
 ترا در نیکوی کر دند مشہور
 تو بدین صورت کہ زیبا کہ روی بہر نماز
 مرا از تیرہائی او پر از برگشت ہر پہلو
 شب روز کل دیدہ سازم خاکپائی خوش را
 در حیرتم کہ وعدہ فردا برای چیست
 از مقیمان درش اینقدر اکرام خوش ست
 تو مرا باش اگر ہیج بنا شد غم نیست
 گفتا کہ جمالی نتوان صید حرم کشت
 جمالی را نگو خواہ آفریدند
 مسجد از روی تو میخانہ حسین میگردد
 کنون پرواز خواہم کہ دسوی آن کمان برو

غزلیات کے علاوہ جمالی نے سکندر لودھی، ظہیر الدین محمد بابر و ہمایوں کے علاوہ اپنے مرید سہار الدین کی مدح میں قصائد کہے ہیں۔ جمالی نے اپنا دیوان غزلیات کا شیخ قطب الدین کے معنون کیا ہے۔ اس لئے اس کا دیوان قطب جمالی کے نام سے مشہور ہے۔ بابر کی تعریف میں کہے ہوئے قصیدے کے کچھ اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

از عرصہ خراساں را بات شاہ باذل
 نعل سم سمندش نقشش کہ بر زمین زد
 آنکو خطابش از حق نازل ظہیر و بن شد
 شاہ یگانہ بابر فرمادہی کہ کردون
 خورشید چرخ غفت جمشید تحت غرت
 آن لہ فتنوت و آن معدن مروت
 چون رحمت الہی بر بند کشت نازل
 عین عدالت آمد انصاف شاہ عادل
 ہنجون محمد آمد در دین و داد کامل
 ہنگام بار جوید در خدمتش وسائل
 ہم بادشاہ عالم ہم شہر یار عامل
 و آن مخزن معانی و آن منبع فضائل
 قصائد جمالی میں چھ قصائد ظہیر الدین بابر اور چھ قصائد ہمایوں کی مدح میں ملتے ہیں۔ چنانکہ ہمایوں

کی مدح میں کہے گئے قصائد کے چند اشعار زیر نظر ہیں:۔
 جانب برج سعادت اگر باز کشت
 تا سواد ہند باز از طلعتش گیرد بیاض
 نور چشم بادشاہ از قلعہ عالی تفسر
 آن ہما فرو مہایون فال و ہم نام نبی
 یا بد بدرج دولت آن پاکیزہ گوہر باز کشت
 از خراسان ہنجو خورشید منور باز کشت
 سرفراز و شاد و منصور و مظفر باز کشت
 کش بود ہموار با خلق پیہمیر باز کشت

دوسرے قصیدے کے اشعار اس طرح ہیں:
 سنبلت بر گل سیراب تو چون خم کرد
 تن بی تاب مرا تاب دوزلفت خم داد
 دلم از یک نظرش ترک دو عالم کرد
 رشتہ ہر چند کہ در تاب کشی خم کرد

ای ز خورشید رخت شرمندہ ماہ و مشتری
 در کمان ابروت چشمت ببرد دم رونمود
 مشتری و ماہ و خورشیدت بعد جان مشتری
 ہچنان کہ قوس برگردون بتابد مشتری

ای شک تر نشانده ز سنبل در آفتاب
 بکشودہ نافہ ہر کرہ سنبلت ہچین
 وز خط کشیدہ دائرہ شب بر آفتاب
 بنمودہ ذرہ نقش ذہانت در آفتاب

جمالی کی کئی یادگاریں ہیں جو علمی دنیا میں بڑے فخر کے ساتھ یاد کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک ثنوی ”مہر و ماہ“ ہے۔ یہ جمالی نے اہل تبریز کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس میں شہزادی ’مہر‘ اور شہزادہ ’ماہ‘ کی داستان محبت کو نظم کیا گیا ہے۔ یہ طویل ثنوی ۹۰۵ مصرعوں میں مکمل ہوئی۔ اس عیش و محبت کے علاوہ عرفانی مسائل و رموز و نکات

لے قصائد جمالی نسخہ خطی ۴۹ صبیب گنج کلکشن ص ۱۰۶۔ ۹۷

۷۷ ادب اردو۔ شمارہ ستمبر۔ ص ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۹۵۶ء

موثر انداز میں بیان کئے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے اپنے مضمون (خسر و شانی جمالی دہلوی) میں بڑی عمدہ بات کہی ہے کہ اہل ایران کا کسی ہندوستانی سے اس طرح فرمائش کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جمالی نے شعرو سخن کی دنیا میں کافی نام حاصل کر لیا تھا۔ یہ شنوی جمالی نے شیخ سہار الدین کبزوہ کے نام معنون کیا ہے۔
ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

نہادم مہر و مساه راقصہ در بیش در آن جبار نغیم درد دل خویش
بردن در دم غم دل در فسانہ حدیث مہر ماسم شد فسانہ

سوادنامہ خود افسانہ ماست کہ این درد ازل دیوانہ ماست
مرآء دل بہ ایمان و یقین است محبت مذہب است و عشق دین است

دوسری معروف شنوی ”مرآۃ المعالی“ ہے جو سات سو اشعار پر مشتمل ہے۔ اس شنوی میں مسائل تصوف بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ تشبیب میں لکھتا ہے

ہرچہ بردانہ آشکار او نہاں

اصطلاح مآرفانہ کردم بیان

نامہ را چون روشنائی بر فرزد کشت مرآئی کہ روی حق نبود
چون معانی کرد حق الہام او کشت مرآۃ المعالی نام او
شنوی کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ پھر نعت اور نعت کے بعد پیر کی مدح پھر سبب تالیف بیان کیا گیا ہے۔ کلام نچتہ صاف صوفیانہ ہے اور حشو و زوائد سے پاک ہے

حمد : نام آغاز بنام ذوالجلال آنکہ بیرون ذاتش از دم خیال

نعت : احمد مرسل کہ محبوب خدا است در صف اول امام انبیاء است

مدح : از بس تو چند نام مصطفیٰ
برکشایم مدح پیر مصطفیٰ
خاتمہ : ای جمالی جملہ دریا کوشش باش
چون صدف پر دشوار خاموش باش
جمالی کا دیوان بقول بدایونی ”ہشت و نہ ہزار بیت“ پر مشتمل ہے۔

منظوم کلام کے علاوہ جمالی نے نثری کارنامے بھی انجام دیئے ان میں سب سے اہم ”سیر العارفین“ ہے جو ہندوستان کے مشائخ و صوفیہ کا پہلا تذکرہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جمالی پر بحیثیت نثر نگار کے باب گذشتہ میں بحث کی جا چکی ہے۔

جنوبی بدخشان

مولانا جنوبی بدخشان کا شمار عہد ہمایوں کے بلند پایہ شاعروں میں ہوتا ہے۔ ہمایوں نے شہزادگی کے زمانے میں جب بدخشاں کو فتح کیا تو اس کی کامیابی پر خوش ہو کر ایک لاجواب قصیدہ ذوالفقار شروانی اور سلمان ساوجی کے قصائد کی طرح مشکل صنعتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہا۔ اس قصیدے کی تشبیہ حسب ذیل ہے۔

شہنشاہ رخ تو لالہ و نسرین لب تو جان
ہمیں بینم لب تو غنچہ رنگین شدہ خندان
نمی گویم خط تو سبزہ و ریحان خد تو گل
شود ظاہر قد تو فتنہ دوران دم جولان

عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ صنعت تو شیخ سے ہر مصرعے کے شروع کے ایک حرف لینے سے یہ مطلع ہو جاتا ہے۔

شہنشاہ وین پادشاہ زمان
ز بخت ہمایوں شدہ کامران

صنعت عکس میں اس طرح ہو جائیگا۔

خط تو سبزہ ریحان رخ تو لالہ و نسرین
قد تو فتنہ دوران لب تو غنچہ رنگین،

۱۔ منتخب التواریخ۔ ج. ۱۔ اول۔ ص. ۴۶۹

۲۔ ایضاً ” ”

اگر مصرع کے خط کشیدہ الفاظ کو ترتیب دیا جائے تو یہ مطلع ہو جائے گا۔

رخ تو لالہ و نسرین خط تو سبزہ و ریحان

لب تو غنچہ رنگین قد تو فتنہ جولان

اس طرح قصیدہ میں معما اظہار مضمر اور تاریخ گوئی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ قصیدہ کے ماسوا جنوبی بدخشانی نے رقطعات در باعیات بھی کہے ہیں۔

قطعه : توی شاہ شامان دوران کہ شد ہمیشہ ترا کار فتح یا ظفر
گرفت بدخشان و تاریخ شد محمد ہمایون شہ بحر و بر

رباعی : تا خاک درش گشت تن زار گدا دل از غم و غصہ خود افتاد جلا
جان من زار از غم یار برفت غم شد ز حد این دم دھران شاہ نلا

حیدر تونیائی

حیدر تونیائی ہمایوں کے زمانہ کا مشہور شاعر ہے۔ شعر و شاعری کے علاوہ نغمہ و موسیقی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ یہ بڑا لائق آدمی تھا۔
بدایونی رقمطراز ہے:

”حیدر تونیائی مرد اہل و دروادی نغمہ بے بدل بود سلیقہ بشعرو
موسیقی مناسب داشت اکثر و قاتلش در ہند بسر شدہ“

بدایونی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیدر تونیائی کی زندگی کا زیادہ تر حصہ ہندوستان میں گزرا۔
ماہ محرم میں ایک مرثیہ حضرت امام حسینؑ کی شان میں اپنے ہندوستان کے دوران سفر میں کہا جس کا مطلع ذیل ہے۔

ماہ محرم آمد و شد گریہ فرض عین
گر نیم خون میا دل ب تشنہ حسینؑ

رباعیات و غزلیات بھی کہی ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

آنی کہ ز رشک مہر و مہر مہر گویند
مہر و یان را خیل و سپاہت گویند
تو لائق آنی کہ بدین حسن و جمال
شاہان زمانہ پادشاہت گویند

هر لحظه نازنین مسرانا از دیگر است
نازش بجان کشم چکنم ناز پرورست

باغچه نسبت دهن یار چون کنم
تنگ است غنچه لیک سخن جای دیگر است

دلا چون غمش مهربانی نداری
بحر دردش آرام جانی نداری

خواجہ ایوب

خواجہ ایوب اپنی علمیت و فضیلت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ یہ خواجہ ابو البرکات کا فرزند تھا۔ دونوں باپ بیٹے علم و فضل میں یکساں تھے۔ ابو البرکات کے قصائد میں سلمان سادگی کی تقلید کی ہے۔ ابو البرکات بابر کے زمانے میں ماوراء النہر سے ہندوستان آئے۔ اس کی نوازشات و عطیات سے فیضیاب ہوئے۔ بابر کی طرح اس کے جانشین ہمایوں نے بھی اس کی بڑی عزت و قدر کی، اور ان کے بیٹے خواجہ ایوب کو اپنا ندیم خاص بنایا۔ خواجہ ایوب فن شاعری کے تمام ہنر سے آراستہ تھا۔

بدایونی کا بیان ہے کہ:

”خواجہ در اشعار گامی ایوب و گامی فراقی تخلص می کند“

خواجہ ایوب نے غزل، شہنوی، رباعی اور قصیدہ وغیرہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ خواجہ ایوب کے طور طریقے صحیح نہیں تھے ان سب کے باوجود ہمایوں کی توجہ کا مرکز رہتا تھا۔ اور وہ دل جان سے اس کی صحبت کا طالب تھا۔ ہمایوں نے اس کی طبیعت کی کج روی کے سد باب کے لئے شاہی بیگمات میں ایک کے ساتھ نکاح بھی کرا دیا تھا۔ مگر بقول بدایونی خواجہ اپنی وضع سے باز نہ آیا۔ کیونکہ خواجہ اپنی بری عادتوں کی وجہ سے مجبور تھا۔ ایک دن محفل ہمایوں میں ایسا کام کیا جو ناقابل ذکر ہے۔ مگر ہمایوں نے اپنی نیک فطرت و مروت کی وجہ سے اس کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد ہمایوں نے خواجہ کو حج کے لئے روانہ کیا رخت سفر تیار ہو گیا۔ تو کشتی پر سوار ہوتے وقت اس نے ساتھیوں سے دریافت کیا۔ اس سفر پر جانے سے کیا فائدہ ہے۔ انھوں نے کہا گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے بدایوں کے بقول یہ سن کر خواجہ نے کہا تو اکٹھے ہی گناہ کر کے حج کے لئے جائیں گے

تاکہ تمام گناہوں سے پاک ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ اس سعادت سے محروم رہا۔ اس کے بعد علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان بہادر گجراتی کا وظیفہ خوار ہو گیا۔ سلطان بہادر نے خواجہ ایوب کی شاعری کی تعریف سنی تھی۔ تو اس نے اس کے کلام سے محفوظ ہو کر خلعت، گھوڑا نقدی اور مختلف اجناس وغیرہ اس کی خدمت میں پیش کئے لیکن خواجہ ایوب کی شاہ گجراتی کے ساتھ زیادہ دن تک نباہ نہ ہو سکا، اس لئے مجبور ہو کر دکن چلا گیا۔ اور نظام شاہ سے ملاقات کی۔ لیکن وہاں بھی زیادہ نہ رہ سکا آخر کار رختِ آخرت اختیار کیا۔

اس کے کلام کے کچھ اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

ای شاخ گل کہ پیچو سہی قد کشیدہ
 برگرد لب خطی ز زمرد کشیدہ
 قدت برآمدہ جو الف مدظلہ
 وزا بروان فراز الف مد کشیدہ
 بر حرف دیگران زدہ قرعہ قبول
 بر حرف عاشقان قلم زد کشیدہ
 از دولت وصال فراقی طمع مسبر
 جو روح فای یار چو بید کشیدہ

۱۰۰

رکن الدین علاء الدولہ سمنانی کے خاندان سے تعلق تھا۔ فلسفہ اور منطق کا علم مولانا عصام الدین اور ملا حنفی سے سیکھا اور حدیث میں خاتم العلماء المحدثین شیخ ابن حجر ثانی سے شاگردی اختیار کی۔
خواجہ حسین کو بالائے علوم کے علاوہ شعر و شاعری کی طرف بھی رغبت تھی۔
بدایونی کا بیان ہے:

”دروادی سلاست شعر و انشاء صنائع و بدائع و تقریر فصاحت و بلاغت و ظرافت و لطافت بے نذیر بود۔ دیوان با تمام رسانید و شعرا، مرتبہ وسط دارد۔“

ذیل میں منتخب التواریخ سے کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

ای از مردہ بے تو آب رفته
وز دیدہ خیال و خواب رفته

۱۔ تذکرہ نتائج الافکار۔ محمد قدرت اللہ گویا موسیٰ۔ ص۔ ۶۱۸۔

۲ منتخب التواریخ - عبدالقادر بدایونی . ج . سوم . ص . ۱۷۷

تے ارضاً " " ص. ۱۷۸-۱۷۷

خود را بما چنانکہ بنودی نموده افسوس آنچنانکہ نمودی نموده

باما گرہ چو غنچہ در ابرو فلکندہ باغیر لب چو پستہ خندان کشودہ

محبی کہ مرا باتو هست بخواہم ہمیں تودانی و من دانم و خدا داند

رباعی :

آنم کہ ممالک سخن ملک من است

صراف خرد صیر فی سلک من است

دیباچہ کن ز دفتر من در قیست

اسرار دو کون بر سر کلک من است

زیر نظر ابیات کے بارے میں بدایونی کا کہنا ہے کہ :

”این ابیات در لغت از کتاب سنگھاسن بتیسی است کہ بندگان پادشاہ

باد فرمودہ بودند و با تمام رسید۔“

کحل ز گس از کحل سازاغ

خوش الحان عندلیب باغ ابلاغ

قلم بر نسخہ توریت و انجیل

کشیدہ در زبور نسخہ بی قیل

امام الانبیاء ختم الرسالہ

نبوت را بدرگاہش حوالہ

خواجہ حسین مروی نے نیز شہزادہ سلیم کی پیدائش کے موقع پر ایک قصیدہ کہا۔

عبدالغنی کا بیان ہے :

۱۔ منتخب التواریخ۔ ص ۱۷۷

۲۔ اے سہسری آف پرشین لیگنچ ایٹڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ۔ عبدالغنی۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۹-۱۰۷

"One of his marvellous compositions is a Qasida which he wrote and presented to Akber on the occasion of Jahangir's birth in 977 AH. It was consider as masterpiece of Surprising skill ever designed by any one before him."

گوهر مجد از محیط عدل آمد در کنار	لله الحمد از پے جاہ و جلال شہر یار
کو کبی از اوج عز و ناز گردید آشکار	طائرے از آشیان جاہ وجود آمد فرد
لالہ زینگو نہ نکشت از میان لالہ زار	گلبنے اینگو نہ نمودند بر دور چین
باز دنیا زندہ شد کز مہر ایام بہار	شاد شد دلہا کہ بازار آسمان عدل و داد
و آن نہال آرزوئے جان شاہ آمد بہار	آن ہلال برج قدر وجود جاہ آمد بروں
شمع جمع بیدلان کام دل امیدوار	شاہ اقلیم وفا سلطان ایوان صفا
پادشاہ نامدار کام جوی و کامکار	عادل کامل محمد اکبر صاحبقران
عادل اعلائے عاقل بے عدیل روزگار	کامل دانائے قابل عدل شاہان بدھر
پادشاہ دین پناہ آن عادل عالم مدار	سایہ لطف الہ آن لائق تاج و نگین
موکب ویرا سماک راح آمد نیزہ دار	مجلس ویرا سمار چارمین دان خود سوز

تا بود باقی حساب روزہائے ماہ سال وان حساب از سال و ماہ و روز دورانی پایدار

شاہ پایاندہ باد و باقی آن شہزادہ ہم
روزہائے بحساب و سالہائے بشمار

با اهل و عیال باراده دارالامان ہندوستان برآمد۔“

٢ // ص ۳۷ //

ہندوستان آنے کے بعد ابتدا میں کچھ عرصہ آگرہ میں مقیم رہا۔ وہ ایک کٹر شیعہ مذہب کا اُدعی تھا۔ اور آل حضرت علی کا زبردست پیرو و مطیع تھا۔
عبدالغنی کا بیان ہے:

"He was an orthodox Shi'a and a zealous advocate of his religion he after discussed with the sunni court religious questions which eventually led to a friction between himself and his Sunni associates."

میر جمال الدین صدر استرآبادی نے اس کو شدید اذیتیں پہنچائیں۔ لہذا وہ آگرہ سے اپنے بڑے بھائی شاہ جعفر کے پاس دکن چلا گیا اور یہاں سے احمد نگر کے حاکم برہان نظام شاہ کی خدمت میں آگیا۔ لیکن نظام شاہ کی صحبت اسے پسند نہ آئی لیکن اس نے وہاں شیعہ منسلک سے متعلق تبلیغ بڑے جوشیلے انداز میں شروع کی خصوصاً اس کی یہ کوشش تھی کہ شاہ نظام شیعہ ملک اختیار کر لے۔
بدایونی کا بیان ہے:

"نظام شاہ بھری را کہ بیماری نرسن لا علاج داشت بطیفیل فسوس خوانی
شاہ جعفر صحبتی روی داد و این معنی را... حمل بر کرامات شاہ جعفر نموده
باغوائی او از مذہب سنت و جماعت کے بطریق مہدویہ داشت برآمدہ
مترفع غالی شد"

نتیجتاً شاہ جعفر کی تبدیلی اعتقاد کی وجہ سے اس علاقے میں شیعہ ملک مستحکم ہو گیا۔
شاہ طاہر علم نجوم میں مہارات کے علاوہ شاعرانہ مزاج بھی رکھتا تھا۔ اس نے ثنوی، قصیدے و منقبت

۱۔ اے سٹریٹف پرشین یلگوئج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ۔ ج۔ دوم ص۔ ۹۸

۲۔ منتخب التواریخ عبدالقادر بدایونی۔ ج۔ سوم ص۔ ۴۸۳

وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے۔ قصائد میں انوری استرآبادی کے طرز کی پیروی کی ہے۔ اس نے ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے انوری کی اتباع میں ایک قصیدہ ہمایوں کی مدح میں کہا جس کے چند اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں:

محل مہر چو آید بہ شبستان حمل
لالہ فانوس برافروزد وز گس مشعل
کوہ از درد سر بہمن ودی رست کنون
مشوید از ناصیہ اش ابر بہاری مند
ایک اور قصیدہ جو حضرت امیر علیہ السلام کے حال کی مناسبت سے ہے کہا ہے:
باز وقتست کہ بر طبق تقاضائی فلک
افگند بر سر ایوان چمن گل تو شک
ابر نیساں بر سر خجھر آلودہ برق
حرف برف از ورق روی زمین سازد حک
بر سر لشکر دی صبح شبنم آرد
تنگ چشمان شگوفہ چو سپاہ اوزبک

کہ بانجا نتوان برد خزاں را بکتک
آئین گلشن مدح شہ عالی قدر لیست
کز فلک بہر طواف دوش آیند ملک
مر تہنی یاد شہ صورت و معنی کہ از دست

۱۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ جلد سوم۔ ص ۴۸۳

۲۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ جلد سوم۔ ص ۴۸۶۔ ۴۸۴

ان قصائد کے مطلع حسب ذیل ہیں۔

اور کچھ قصائد قابلِ تعریف ہیں^۱

در غم آباد جہاں عیش از دل ناشاد رفت
خوبہ غم کر دیم چندانی کہ عیش از یاد رفت

ما بجرم عشق بدنا میم و زاهد از ریا
هر دو بدنا میم اما ما کجا و او کجا

بیرون میا کہ شہرِ ایام میثوی
ما کشتہ میثویم و تو بدنام میثوی

هر آنکس کے بر کام گیتی نہد دل
بزدیک اہل خرد نیست عاقل

تذکرہ خوشگو میں بندرا بن داس نے مزید ایک شعر لکھا ہے:

حلوہ زلف شاہدی برد دل رمیدہ را

پی بجا برد کسی مرغ بشب پرندہ را

مولف نتائج الافکار اس کے اشعار کو کلام درد انگیز کہہ کر پکارتا ہے۔

کس بیخیز ز حال دل غافل تو نیست

تو در ہمہ دل و کسی در دل تو نیست

^۱ منتخب التواریخ ج۔ سوم۔ ص۔ ۴۸۷

^۲ خوشگو۔ بندرا بن داس۔ (مخطوط) یونیورسٹی نمبر ۳۵۔ ص۔ ۲۴۔ کتابخانہ مولانا آزاد۔ علیگر۔

جدائی از تو بنا کام در اوائل عشق چنان بود کہ بحسرت کسی جوان مرد

رباعی : مایم کہ ہرگز دم بیغمم نزدیم خور دیم بسی خون دل و دم نزدیم
 بی شعلہ آہ لب زہم انگشودیم بی قطرہ اشک چشم برہم نزدیم
 حقیقتاً وہ ایک عمدہ شاعر تھا اور اس شعری اصناف سخن خصوصاً قصیدہ و مثنوی جس میں مہالیوں اور نظام شاہ بہری کی مدح کی ہے۔ اور اپنی صلاحیت کے عمدہ جوہر دکھائے ہیں۔
 شاہ طاہر نے ۹۵۲ھ میں وفات پائی۔ اس کی تاریخ وفات ”اقبلع اہل بیت بودہ“ سے نکلتی ہے۔
 بدایونی کا بیان ہے :
 ”وفات او در سنہ اشنی و خمیسین و تسمایہ (۹۵۲) در دکن بود۔ تابع
 اہل بیت تاریخ یافتہ شد۔“

شیخ زین الدین خوانی

شیخ زین الدین خوانی خان نام اور وفائی تخلص۔ لیکن عرف عام میں شیخ زین الدین کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ اس کا شمار بابر بادشاہ کے مقرب امراء میں ہوتا ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے وہ ہمیشہ سفر و حضر میں بابر بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا۔ بابر بادشاہ کی جانب سے ہندوستان کی ممدارت پر مامور تھا۔ طبقات شاہ جہانی میں ہے:

”... در ہندوستان صدر مستقل بابر بادشاہ بود۔... میگویند کہ در مجلس اول کہ بابر بادشاہ را ملازمت کردہ برسیدہ اند کہ سن شما چند باشد، بداہستہ گفتہ قبل ازین بہ پنج سال چہل سالہ بودم و حالا چہل سالہ ام و دو سان دیگر را چہل سال تمام می شود۔“
جب بابر بادشاہ نے ہندوستان کو فتح کیا تو شیخ زین نے ہی دہلی میں اس کا خطبہ پڑھا تھا۔
بابر نامہ ہے:

”مولانا محمود شیخ زین و بعضی دیگر رفتہ در دہلی نماز جمعہ کردہ بنام من خطبہ خواندند۔“

ہمایوں بادشاہ جو اپنے باپ کی طرح شوق و معاصد اہل و علم تھا۔ چنانچہ شیخ زین نے اسی علم پر ور کے زمانے میں ۹۴۰ھ

۱۔ طبقات شاہ جہانی۔ محمد صادق۔ نسخہ خطی نمبر ۲۲۔ ج دوم ص ۲۷۳

۲۔ بابر نامہ۔ بیرم خان خاناں۔ ص ۱۷۶

۳۔ برٹش میوزیم۔ چارلس رے۔ ص ۲۹۶

میں وفات پائی۔ اس نے اپنی زندگی میں آگرہ میں ایک مدرسہ اور مسجد تعمیر کرائی تھی، اسی میں دفن کیا گیا۔
 شیخ زین بیک وقت عمدہ نثر نگار اور اچھا شاعر تھا۔ بابر بادشاہ کی زندگی میں اس کی زندہ جاوید کتاب
 ”تزک بابری“ کا فارسی زبان میں ’طبقات بابری‘ کے نام سے ترجمہ کیا۔
 بدایونی کا بیان ہے:

”... از جملہ فضلاء عہد شیخ زین خوانی است کہ واقعات بابری را کہ آن
 بادشاہ مغفور نوشتہ بعبارتی بلیغ ترجمہ کرد... در ہندوستان صدر مستقل
 پادشاہ بود... و صاحب کمالات صوری و معنوی بودہ است در مہما و
 تاریخ و در بدیہ یافتن در شعر و سایر جزئیات نظم و نثر و اشاری قریبہ
 زمان خود بود۔“

جیسا کہ معلوم ہے کہ شیخ زین کو تاریخ گوئی پر مہارت حاصل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ میر محمد یوسف نے دو راتوں میں اختلاط
 کے لئے اپنے اہالی و موالی کو جمع کیا۔ جس میں علمی مذاکرے و مباحثے ہوئے ان دونوں راتوں میں شیخ زین بھی شریک
 رہا اس موقع پر ذیل تاریخ لکھی۔

سرد فتر اہل فضل از روی طرب ابگندہ بساط عیش بر ہفتہ دوشب
 شبہ شب معراج و شبہ شب قدر آمد پی این دوشب چہ تاریخ عجوب
 شیخ زین ایک مرتبہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مزار پر گیا وہاں حکایت سنی کہ ’الہدایا مشترک و تنہا
 مشترک‘ فوراً ذیل قطعہ کہا:

شیخا باد اتر از حق ہدایا بر دوام آن کدام من کہ گویم الہدایا مشترک
 گوئی تنہا خوشترک نہ انسا کہ گفتی پیش ازین ساز از نمی گوئی کہ تنہا مشترک

مولف طبقات شاعری کا بیان ہے:

”این شعرو فانی است۔“

غم گریبان گیر شد سر در گریبان چون کشم
شوق دامن گیر آمد پاید امان چون کشم
ای گریبانم ز شوق پیارہ دامن چاک چاک
بی تو پا در دامن و سرور گریبان چون کشم

بسکہ گشم تنگدل در آرزوی آن دہن
تنگ شد بر جان من راہی بردن رفتن زن

شیخ عبدالواجد بلگرامی

شیخ گدائی بن جمالی کنہوی کی طرح عبدالواجد بھی ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتا تھا۔ اس کے علاوہ گوناگوں صلاحیتوں کا مالک تھا۔ تذکرہ نتائج الافکار میں ہے:

”میر عبدالواجد بلگرامی کہ اصلش از ترند است یکسوت حسن و اخلاق آراستہ
و بجللیہ اوصاف پسندیدہ پیراستہ بود طبع لطیفش در زبان فارسی و ہندی
بنظم پردازی ممتاز و ذہن سلیمش بفکار جمہد در سخن طرازی دمساز اور انسجہ
ایست مسمی بشکرستان خیال محتوی بر نظم و شرکہ در توصیف اقسام شیرینی با
برقم در آورده۔“

کہا جاتا ہے آخری زمانے میں عبدالواحد کی بیانی لکھنے پڑھنے کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی۔ ۱۷۹۷ء میں حب کہ بدایونی نے اس سے قنوج کے مقام پر ملاقات کی تو کافی ضعیف ہو چکا تھا۔

اس کا اہم کارنامہ تصوف سے متعلق ”زہد الارواح“ ہے۔ دوسرا خاص کارنامہ ”سنابیل“ جس سے تصوف کی اہم و ضروری اصطلاحات پر روشنی ڈالی ہے۔

جیسا کہ قبل تحریر کیا گیا ہے۔ اسے ہندی زبان پر بھی قدرت حاصل تھی نہ صرف ہندی زبان میں شعر کہتا بلکہ ہندی لہجہ میں گاتا بھی تھا برخلاف اس کو فارسی کی طرف اس کی زیادہ توجہ تھی۔ اس نے فارسی زبان میں اس کی غزلیں موجود ہیں۔ اس کی تمام غزلوں میں فصاحت و بلاغت بدرجہ اتم موجود ہے۔

بدایونی نے اس کے کچھ اشعار بیان کئے ہیں:

اے کردہ خیال تو بہ تحت دل ما جا
ھرگز بنود در دل ما غیر ترا جا

مرو بجنک چو اول بصلح آسردہ
دی بلطف نشین ناز خویش برخیزم

نتائج الافکار میں عبدالواحد کی ذیل رباعی نقل ہے لے

رباعی: تاکہ بہواو حرص مسائل باشی زان رہ کہ بریدنی است غافل باشی
اکنوں کہ گذشتہ راتلافی خواہی از خنجر انفعال بسمل باشی

شیخ گدائی دھلوی

عبدالرحمن نام اور گدائی تخلص تھا۔ عہد ہمایوں کا زبردست عالم تھا اور سکندر لودھی کے دربار کا مشہور شاعر جمالی دھلوی کا فرزند ارجمند تھا۔

مولف اخبار الاخیار نے اس کی بزرگی و جاہ و جلال و مرتبہ و احترام کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے :

”... در بزرگی و جاہ، پہلو بہ پدری زد و در اول و آخر ہمت بر کسب معالی

و مفاخر داشت۔ در رعایت اطوار بزرگی و عزت ملاحظہ اوضاع جاہ و دولت

می بود۔“

اس نے اپنی ابتدائی زندگی درس و تدریس میں گزاری۔ جب ہمایوں نے شیر شاہ سوری سے ۹۶۴ھ میں شکست کھائی تو تعلق خاطر کی بنا پر جو اس کو ہمایوں سے تھا، ایک مدت تک گجرات میں گوشہ نشین رہا۔ پھر اپنے اہل و عیال کے ساتھ زیارت حرم شریف کے لئے روانہ ہوا اور وہاں سے واپس آنے کے بعد بیرم خاں کے بلانے پر دربار اکبری سے منسلک ہو گیا۔

جس زمانے میں جب بیرم خاں نے شیر شاہ کے ہاتھوں شکست کھائی اور وہ گجرات کی جانب چلا گیا۔ تو وہاں گدائی نے اس کے ساتھ اظہار مہمدری و محبت کا اظہار کیا۔ اور شاہان شان خاطر و مدارات کی۔

۹۶۵ھ میں بیرم خان نے اس کے حسن سلوک کی وجہ سے اس کو صدارت کے عہدے پر فائز کیا۔

طبقات اکبری میں ہے :

”... سال سیوم او ہمد رین اوقات منصب صدارت ممالک باستقواب

خان خانان، شیخ گدائی... دھلوی بتقریب آشنائی کہ خانان را از شیخ
گدائی در ایام غربت در گجرات بہم رسیدہ بود تفویض یافت“

اکبر نامہ میں ہے:

!! در ہمین ایام شیخ گدائی کنہوا ز گجرات آمدہ ادر اک ملازمت نمود و چون
در زمان غربت در گجرات بہ بیرم خان حسن سلوک نمودہ لوازم مروی بہا
آورده بود، درین وقت کہ عنان اقتیار بدست بیرم خان بود۔ بہ پاداش
آن، پایہ شیخ رومی در افزائش نہاد و بہ منصب صدارت سر بلند شد۔
و در میان اقران بہ تعظیم و ترفع زندگانی کرد...“

المختصر ج ۷ واپسی کے بعد شیخ گدائی گجرات واپس آیا اور وہاں سے اکبر کے دربار میں پہنچا اور منصب درباری پر
فائز ہوا صاحب نفوذ و جاہ و جلال ہوا۔

مولف مآثر الامراء نے اس کے نفوذ کو اس طرح بیان کیا ہے:

!! چنان نقش محبت او بہ بیرم خان درست نشست کہ خان جمیع مہمات مالی
و ملکی بی استصواب و سرنبی کرد، و با آنکہ متعہد منصب صدارت بود، بز ظہر
مناشیر مہراوی شد، و اورا تسلیم معاف داشتہ، در محافل و مجالس، بز جمیع مسات
صحیح النسب تزیج و تقدیم و عظمت شان شیخ بہ مرتبہ رسید کہ سوارہ بہ عرش
آشیانی مصافحہ می نمود...“

شیخ گدائی کا منصب تقریباً خان خانان کے مرتبہ کے برابر تھا۔ سلطنت کے تمام کام اس کے مشورے سے انجام پاتے
تھے۔ اور جب تک کہ تمام سرزمین و مناشیر پر وہ دستخط نہیں کر دیتا جاری نہیں ہوتے تھے۔ اور رسمی مجالس میں علماء

و سادات کے مقابلے میں اس کو ترجیح دی جاتی تھی اور اس کے جاہ و جلال کی انتہا اس قدر تھی کہ وہ اگر گھوڑے پر سوار ہے تو بادشاہ سے مصافحہ کر سکتا تھا۔ لیکن شہزادے اس کا زیادہ احترام و اکرام، عزت و قدر نہیں کرتے تھے۔ تمام امراء اور اہل دربار شاہی اس سے بیزار اور متنفر ہو گئے تھے ان سب کے علاوہ اہل علم بھی اس سے پر دل برداشتہ ہو گئے تھے۔

اکبر نامہ میں ہے:

”... شیخ گدائی کہ با و عداوت قدیمی داشت، بتازگی کمر دشمنی بر بست در سال اورا کہ در گجرات نوشتہ بود... بہ خانخانان رساندہ خاطر اورا برو متغیر گردانید واد بہ وسیلہ بعض مردم از آسیب خانخانان نجات یافتہ بہ گوالیار منزوی شد۔“

لیکن جب اکبر بادشاہ بیرم خان سے بدگمان ہو گیا تو ۹۶۷ھ میں بیرم خاں حج کے ارادے سے گجرات پہنچا۔ شیخ گدائی بھی اس کے ساتھ تھا۔ ۹۶۸ھ میں بیرم خان قتل کر دیا گیا۔ گدائی نے کوئی چارہ نہیں پایا واپس دھلی آیا تو مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن بادشاہ کے مراہم خسرا نہ اور لطف کمال اس کے ساتھ تھا۔ لیکن اثر و نفوذ باقی نہ رہا۔ مآثر الامراء میں ہے:

”... اما، عرش آشیانی از کمال عاطفت و مہربانی بغایت پیش آمد، آن رتبہ و حالت و عزت و اعتبار نہاند۔“

بہر حال گدائی نے دھلی میں نہایت کمال و عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزاری۔ مانی وضع کے لحاظ سے بھی مطمئن تھا جیسا کہ بدایونی کے قول سے ظاہر ہوتا ہے:

”... آن زمان ہم معزز و مکرم بود، در مزارات مشایخ دھلی... در ایام عرش

۱۔ اکبر نامہ۔ ابوالفضل ج۔ ۲۔ ص۔ ۹۹

۲۔ مآثر الامراء۔ شاہ نواز خان ج۔ ۱۔ ص۔ ۵۴۱

۳۔ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالعزیز بدایونی ج۔ ۳۔ ص۔ ۷۶

حاضر می شد و مجالس عالی را بہ حشمت و کرم و فساد ترتیب می داد:

گدائی تقریباً ساٹھ سال زندہ رہا اور ایک پر شکوہ زندگی گزارنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں وفات پائی۔ اس کی قبر اس کے باپ شیخ جمالی کے مقبرہ میں ہے۔
عبدالقادر بدایونی نے اس کی ایک غزل نقل کی ہے۔

گہی جان منزل غم شد گہی دل
عنت را می برم منرم بمنزل
مشو غافل ز جال درد مندی
کہ از حال تو یکدم نیست غافل
دل دیوانہ در زلف تو بستم
گرفتارم بآن مشکین سلاسل
بجان دادن اگر آسان شدی کار
بنودی عاشقان را کار مشکل،
گدائی جان بنا کامی بر آمد
نشد کام ز لعل یار حاصل

فارغی

مولانا شیخ وحید الدین ابوالواجد فارغی بن شیخ وجہ الدین شیراز سے ہندوستان آیا اور دربار ہمایوں سے منسلک ہو گیا اور بحیثیت درباری شعرا کے کافی شہرت حاصل کی۔
 شیخ ابوالواجد فارغی شیخ زین الدین خوانی کے اقارب میں سے تھا۔ کہا جاتا ہے فارغی اور خوانی دونوں نے عسرت و تنگی کی زندگی آ کر ہندوستان کا رخ کیا تھا۔
 فارغی صوفیانہ مزاج کا مالک تھا بدایونی کا بیان ہے :
 ”بنایت درویش مشرب بود۔“

اس کے علاوہ فارغی شیرینی زبان، خوش طبع اور بڑے سخی بھی تھا۔ ہمیشہ ہمایوں اور بیرم خانان کی شامانہ فیاضیوں و مہربانیوں کا مرکز بنا رہا۔ ہمایوں نے اسے ”امیر الشعراء“ سے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔
 قانون ہمایونی میں خواند میر فارغی کو مختلف القاب مثلاً قدوة المشائخ، الاتیقار، عمدة العرفاء والفضلاء سے یاد کیا ہے۔^۱

فارغی کی درویشانہ طبع کا رنگ اس کے کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی شاعری ترجم روایت سے بھرپور ہے، اس نے خاص طور سے غزلیں کہی ہیں : کچھ اشعار ملاحظہ ہوں
 از بس کہ آں جفا جو آزار میمناید اندک ترجم ادبیار میناید

^۱ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ جلد اول۔ ص۔ ۴۷۵

^۲ قانون ہمایونی۔ خواند میر۔ ص۔ ۵۹۔ الیشیا نک سوسائٹی کلکتہ۔ ۱۹۴۰ء

^۳ منتخب التواریخ۔ جلد اول۔ ص۔ ۴۶۔ ۴۵

بھلا اللہ کہ وارستم ز عشق مست بد خوئی کہ می افتاده چون چشم خود از مستی بہر کوئی
چو ساغر از برائی جزو لب بلب ہر کس صراحی دار بہر ساغری مائل بہر سوئی

عمری کہ دل بوصل توام بہرہ مند بود ننمود آنقدر کہ تو ان گفت چند بود
القصہ در فراق بسر شد شمار عمر سرمایہ وصال کے داند بہ چند بود
اغیار دوش پیش تو بودند و فارغی از دور ہا بر آتش حرمان سپند بود

رشتہ جمعیت ای یاران مہدم گسلید در پریشانی پریشانیست از ہم گسلید

چو تیر خود کشی از سینہ ام بگذار پیکان را مراد دل دہ کہ تا مردانہ در راہت و ہم جان را
فارغی نے ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ سوئی اتفاق دونوں درست شیخ زین الدین اور فارغی ایک ہی ساتھ ہندوستان
آئے، ایک ہی سال کے اندر وفات پائی۔ اور ایک دوسرے کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

قاسم کاہی

نجم الدین محمد عرف میاں کالی نے کاہی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ یہ عہد ہمالیوں میں کابل سے ہندوستان آیا۔ وہ بیک وقت مختلف علوم و فنون مثلاً تفسیر کلام، تصوف، ہیئت اور شاعری میں کما حقہ قدرت رکھتا تھا۔
نفائس المآثر میں ہے:

”شیوہ فضل و کمالات و حسن طبع و صفت افضال آراستہ است مرد مہانی

صفت از تقیدات عادی و ارستہ است“ چنانچہ میفرماید۔

ھرگز از کاہی بیدل مطلب زہد و صلاح

ز آنکہ از دائرہ عقل خرد بیرون است

کاہی کی تمام عمر الحاد و زندقہ میں گزری۔ آزادی اور سخاوت اس کے مزاج میں بہت تھی۔

بدایونی کا بیان ہے:

”اگرچہ صحبت مشائخ متقدمین زمان مجذومی مولوی خان قدس سرہ وغیرہ

ایشان را دریافتہ۔ اما ہمہ عمر الحاد و زندقہ کردہ و با این ہمہ صفت و ارستگی

و بذل و ایثار او بروہ است۔ و قلندران بسیار طوطی و لولی ہمیشہ گرد و پیش

اومی بودند و اختلاط با سگان بی تحاشی داشت ... بنا بر آن قطعہ گفتہ: کہ

این نصیحت بشنواز کاہی۔ تا ہمہ عمر ترا بس باشد

شعر خوب و پسر زیبارا معتقد باش زہر کس باش

لے نفائس المآثر۔ ص ۱۴۵

۲ منتخب التواریخ۔ ج ۳۔ سوم۔ ص ۱۴۳

عام طور پر کاہی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس کے کلام کا مضمون دوسروں سے مستعار لئے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک بار لوگوں نے اس سے کہا تمہارے اکثر اشعار میں دوسروں کا مضمون ملتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں کوئی خاص التزام نہیں کرتا اگر تمہیں پسند نہیں تو قلم تراش لو اور ایسے اشعار کو میرے دیوان سے کاٹ دو الغرض اعتراض و تنقید کے باوجود کوئی بھی اس کی برابری نہیں کر سکا۔

قاسم کاہی صاحب دیوان شاعر ہے اس نے غزل قصیدہ مثنوی رباعی قطعہ وغیرہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے کلام کی نمایاں اور اہم خصوصیت یہ ہے سادگی و سلاست کے ساتھ اس میں موسیقیت کا عنصر غالب ہے۔

کاہی کا دیوان ۱۷۲۸ اشعار پر مشتمل ہے جس کو ڈاکٹور ہادی حسن نے اس طرح لکھا ہے:

”۲۹۵ غزل داری ۱۵۳۵ بیت، ۳ قصیدہ داری ۵۳ بیت، ۳ مثنوی

داری ۱۲ بیت، ۳۲ قطعہ داری ۸۱ بیت، ۱۷ رباعی و ۱۳ فرد“

کاہی دوبار ہندوستان آیا پہلی بار ۱۵۳۵ء سے ۱۵۵۶ء تک رہا اس سفر میں ہاشمی قندھاری معروف شاہ جہانگیر سے بھکڑ میں ملاقات کر کے سونمات کی طرف چلا گیا۔ کہتا ہے

ہندو پیری بدر سونمات خواند یکی بیت دمن آمو ختم
حاصل عمرم سخن بیش نیست خام پدم پختہ شدم سو ختم

اس سفر کے دوران پہلا قصیدہ بہادر خاں سلطان گجرات کی مدح میں کہا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہے۔

غباری شد بخاک ز بگذارت جسم غنما کم
سمند ناز را جولان دہ و بردار از خاکم
سمندت گر مرا چون باد از خاک تو بردارد
عجب بنود کہ مساید از تنافر سر بر افلاکم

دلم چون لاله دارد داغها گر با ورت نآید
 بیا و از شکاف سینه بنگر بر جگر چاکم
 فلک تا کشتی بختم کشد بر ساحل شادی
 کسی در بحر و بر سر گشته دارد پجو خاشاکم
 سپهر مکرمت سلطان بہادر خسرو غازی
 مبادا آفتاب دولت او از سرماسم
 بہ مصر بفہم کاہی رانمی بینم سریاری
 اسیر زمرة طعم، غلام اہل ادراکم

دوسرا مدحیہ قصیدہ اس نے مرزا عسکری کے لئے گجرات میں کہا:

ما چشم مردی ز تو داریم ای پری	مہر چند در پری بنود رسم دلبری
حاشا کہ نسبت تو بخورشید و مہ کنم	کرمہ زیادہ ای وز خورشید برتری
دور فلک بنجاک سیاحت کنہ کی	خورشید اگر زند بتولاف برابری
گلہای آتشین ز جالت نخل شوند	باروی آتشین چو بگلزار بگذری
بالای تو بلای دل و جان مابس است	سودای کاکل تو بلای ست بر سری
گفتم نہال قد تو عمر و برش بفاست	در خندہ رفت و گفت کہ از عمر بر خوری
ای بردہ چشم شوخ تو مدد دل بیک نگاہ	آخر چہ شد بکاہی بیچارہ ننگری
شاہنشہ زمانہ خاقان روزگار	سلطان عصر خسرو دین شاہ عسکری
بادا دعای جان تو ورد سخن و ران	تا در جہان بود سخن از شعر و شاعری

اور تیسرا شخص جس کی مدح میں اشعار کہے وہ محمود خان سلطان گجراتی ہے۔ چند مدحیہ شعر ملاحظہ ہوں۔

یارب ہمیشہ یاد در اوج سرفسرازی
گویند اہل معنی ظل اللہ است سلطان
لطف تو بچو آب است قہر تو بچو آتش
از دولت تو شادند ہر سو نیازمندان
ہر جا کہ درد مند است درمان درد اوئی
در چشم دشمنانت چون اژدہا نماید
چنگ از کمان رستم ناہید ساز کردہ
کامی قبول محمود ہر بندہ ای نگردد
خالی مباد بزم مت یکدم ز خوب رویان
سلطان ملک معنی، محمود خان غازی
یعنی حقیقت آمد در صورت مجازی
زان دوستان نوازی زان دشمنان گدازی
باید کہ بچو آتش با وجود خود بنازی
ہر جا کہ چارہ جوئی ست اورا تو چارہ سازی
گر تازیانہ در کف روز مصاف تازی
باشد چو مطربانش در بزم خود نوازی
تا در وجود نماید زو خدمت ایازی
تا هست جلوہ حسن تا هست عشق بازی

دوسرا سفر کاہی نے ۹۶۱ھ سے ۹۸۸ھ تک جاری رکھا اور اس سفر کے دوران اس نے اپنے ممد و حسین کی تعریف میں جو اشعار کہے ہیں وہ اس کی بہترین غزلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمایوں کی تعریف لکھتا ہے کہ:

لالہ گرد دعویٰ کند از عارض گلگون او
درد دل پر خون خیال خال او نتوان نہفت
خوبی گل را مہی بلبل شناسد در چمن
نور اگر گیرد مہ از خورشید رویش ساہا
چون بوصف لعل او کاہی فرو ریزد گہر
خامہ شاہنشاہ ملک دل ہمایوں پا دشاہت
اضطراب ہمایوں سے متعلق جہاں دیگر شعرا نے قصیدہ خوانی کی ہے وہاں قاسم خواہی بھی نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر عادی حسن کا بیان ہے۔

”از قصیدہ کہ نغز در باب اضطراب ندیل بمدح ہمایوں بادشاہ کہ

کاهی داد سخن در آن داده بود . . . کاهی بہترین سعی خود را در قصیدہ

سازی مبذول داشتہ :

شبّی در خواب دیدم جمال ساقی کوثر
بدستم دایک دفتر کہ در وی نام مردان بود
علی عالی اعلیٰ، ولی ولی والا
ندارد اختصاصی با محمد چون علی ہر کس
چہ بود افضل ولایت از نبوت زان سبب احمد
علی مرتضیٰ نیست شیر حضرت یزدان
کف کافی آن شاہ جوان مردان ید افتد بود
ہنوزش ہمد منزل بود کز سر بیخہ مردی
حریم کعبہ تاشد مولد ذات شریف او
بنودش در نماز از خود خبر چند بچون گل
بحکم اوست گردون، زان بہت بہر نماز او
بعلم غیب در کوفہ زن از شوہر جدا کہ دہ
عجب نبود کہ دیو نفس باشد زیر مانش
نصیر از لطف وقہر او بہر دوزندہ شد صد بار
جوی بغض علی ہر کس کہ کار در زمین دل
بسائل داد خاتم در نماز آن معدن احسان
صبار ساخت مرکب جانب اصحاب کہف آمد
جلال الدین محمد اکبر کی مدح میں کاهی کے کثیر تعداد میں اشعار ملتے ہیں کچھ درج ذیل ہیں :

کی رود داغ فراغت لالہ سان از دل مرا

چون بطوف کعبہ کوی تو میایم قدم گرد باد آہ میار د یہ آن منزل مرا

یاد شاہ بحر و بر اکبر شہ جمشید فسر جزو دمای دولتش بنود بہ ہر محفل مرا
گفتہ ای: کاہی چہ حاصل کردہ ای در عاشقی اشک سیم و چہرہ چون زر بود حاصل مرا

چہ شاہ کہ او صید کند آہو را ہمہ تن چشم شدہ تاکہ ببیند او را
سگ کوی تو ندارد بر قیبان تو میل بہ سگان رام ندید است کسی آہو را
کاہی ارباب سخن شعر تر کردہ پسند بدنگویند ظریفان سخن نیکو را

تا شگوفہ در چمن افتادہ بر برگ گل است مرہم کافوری بر داغ جان بلبل است
نیست ہر سو کوکب تابان شب تاریک ماہ ماہ رخسارش عیان از حلقہ ہانی کامل است

باز گلہای چمن را جلوہ ہای دیگر است ببلان باغ را برگ و نوای دیگر است
دشت را از تازہ گلہا دادہ گردون آب و رنگ کوہ را از نالہ مرغان صدای دیگر است
ہایوں کی بہ نسبت اکبر کی شناخوانی میں زیادہ اشعار نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ کاہی نے خان زماں اور
بہادر خاں کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں۔

خان زمان کی مدح میں کہتا ہے :

باز آمد آنکہ بود دلم بتلای او عمری، سرم براه وفا خاک پای او
بیگانگی ست کاروی از آشنائی خویش ای وای بر کسی کہ شود آشنائی او
گر بر فلک شود مسہ جلوہ گر شبی گرد ہزار جان مقدس فدائی او
بودند یوسف و مسہ بن ہر دو تو امان یوسف نمازدہ مانند مسہ من بجای او

کاشی امید هست کہ آن مہ کند وفا
سلطان عصر، خان زمان خسرو زمین
از روی صدق و از سر اخلاص قدسیان
اور بہادر خاں کی مدح میں کہتا ہے:

بباغ از گل و سرور عطا کہ گوید
بہ ہر جا کہ گویند وصف تو خوبان
بنہی کہ از عشق من قصہ خوانند
گدایان کوئی ترا کہ شمارند
بپیش سگان در دوست کاہی
سپہر کرم خاں اعظم بہادر
بغیر از دعائش ندارم کاری

کاہی پہلے ہندوستان آنا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن جب آیا تو ایسا ہندوستان کا عاشق و ولباختہ
ہوا کہ اسے ہندوستان کی تمام چیزوں سے خوشی ملنے لگی۔ چنانچہ خود کہتا ہے:

کاہیا از جان دعای بادشاہ عصر کن
زانکہ اگرہ از قدمش بہ ز شہر کامل است

بدایونی کاہی کے کلام کاہی کے بارے میں بیان ہے:

”این دو غزل را صوتی خوب بستہ کہ در عالم شہرہ یافتہ در مجالس می خوانند
و زیم سلوک و اہل سلوک بدان آرایش می باید“

مرغ تبارق مجنون پر زدن انگیز کرد
آتش سودائی لیلی بر سرا و تیز کرد

چون ز عکس عارضش آئینہ پر گل شود
گر در آن آئینہ طوطی بنگرد ببلبل شود
بالا اشعار کے علاوہ عبدالقادر بدایونی نے قاسم کاہی کے اور شعر بھی نقل کئے ہیں :
چوں سایہ مہرِ صہب سواران شوی
باشد کہ رفتہ رفتہ بہما مہربان شوی
ای پیرِ عشق صحبت یوسف رخی طلب
نبود عجب کہ چمچو ز لینا جوان شوی
کاہی تو ببلبل چمن آرائی کاہلی
زاغ دزغن کہ ہندوستان شوی

چون تار عنکبوت ز بھر تو شد تنم
در گوشہ خرابہ ازان است مسکنم
حبیب گنج بیاض میں کافی تعداد میں غزلیات منقول ہیں اس میں چند زیر نظر ہیں :

مصور تا بصورت کرد نسبت آن پری رورا	نیمخواہم کہ بر دیوار بینم صورت اورا
من دیوانہ چون مجنون چربا با آہوان کردم	اگر آہوی چشم او نماند چشم آہورا
سگش بیگانہ از من کشت و من آوارہ از کیش	ہنوز آن (۱۰۰۰) غریب بیکس و کورا

چه شد یکبار کاهی را اگر از خاک برداری که از عمار دل خود بر زمین ماندست پهلورا

اگر چه نیست بوصل تو دست رس مارا همین که طالب وصل تویم بس مارا
چنین پیش تو قربان شدن هوس داریم عجب اگر نکشد آخر این هوس مارا
رسید جان بلب و یاد مانکرد سکت گذشت عمر و زرسیده اسپجکس مارا
نمی‌کنسیم تمنائی (۹۰۰۰۰۰) که شاهی کجا چو مرغ بود جانی در قفس مارا
گل بها نتوان چید ازین چمن کاهی که تند باد فنای برد چو خس مارا

ریخت باران بلا بر تن غم بر درما چه بلاها که نیاورد فلک بر سرما
اشک سرخ است که در دیده ما می‌کردد یاز لعل تو خیال نیست بجشم ترما
کمر بان شب، بحریم مگر کوکب اشک جانب کعبه کوی تو شود رهبرما
گر زاه دل ما آئینه است زنگ گرفت روشن آن آئینه را ساز ز خاکسترما
کاهی دلشده را بجز تو لایق باشد ماکه باشیم که وصل تو بود در خورما

آتشین رویت ز خاکستر چو نیلو فرشد یا نقاب از آتش روی تو خاکستر شد
زنگ اگر آئینه خاکستر برد بنود عجب گر ز خاکستر روی تو روشن تر شد
نیست خورشید رخت در زیر خاکستر عیان در کبودی فلک (۹۰۰۰۰۰) انوار شد
تازه خاکستر شده روی تو آتشین پاره دل مرا از آتش عشق تو چون اخگر شد
قاسم کاهی اگر ز نار بندد عجیب نیست زانکه در عشق بتی شناسی کافر شد

چون سایه هم‌ریم به‌رسو روان شوی
 ای پیر عشق صحبت یوسف رخ طلب
 شاید که رفته رفته بما هربان شوی
 ای گل بافتاب جمالش کجا رسی
 بنود عجب که بهیچو زینجا جوان شوی
 زینسانکه خوبی تو شود دم‌بدم فزون
 گرنی‌المثل بر اوج مه‌آسمان شوی
 ترسم که چون پری ز لطافت نهان شوی
 زاع و زغن نه که هندوستان شوی
 کاهی تو بلبل چمن آرائی کابلی

هر صبح روم همچو صبا سوی چمنها
 دیگر چه زندا ف بلندی تقدش سرو
 بر بوی تو بینم رخ گلها و سمنها
 بر لبه خندان دهنت کرده شکر خند
 چون سر ز نشی یافت زمرغان چمنها
 گل نیست بهاران که شهیدان فراق
 در شک شکر لعل ترا هست سخنها
 هر کسی بهوای دل خود همراه یاری
 از دست تو دارند بصد پاره کفنها
 کاهی بیابان فراق و تن تنها

بدن تیر بلا شد دل بی‌اصل ما
 شمع سان تیر تو که دیم علم بر سر خاک
 تو چه دانی که چها میگذر داز دل ما
 رشته جان بر زلف سپاهت بستم
 تا شود بر همه روشن که توئی قاتل ما
 چون بیاد لب جان بخش تو در خاک شوم
 بآمیدی که شود نخل قدت مائل ما
 خاک شد بر سر راهت سر کاهی و هنوز
 بوی جان آید از آن گل که دامد از گل ما
 بگذاری قدم از ناز بر سر منزل ما

خیال لعل تو از دل برون نمی آید
 ز عاشقان مطلب راه درسم اهل صلاح
 برون ز شیشه می لاله گون نمی آید
 شهید عشق تو بنزد کسی که روز جزا
 طریق عقل نه اهل جنون نمی آید
 چو لاله داغ بدل غرق خون نمی آید

بجز خفا و ستم نیست کار و بار فلک و فادہ ز گردوں دون نمی آید
 بیای طبر و اغطا نمیرود کاہی بی فسانہ (۹۰۰۰) نمی آید
 الغرض قاسم کاہی کے کلام کے نمونہ مختلف پارہاں ادبی میں جا بجا نظر آتے ہیں :
 کاہی کے کلام میں فارسی کی بہت سی اشعار بھی پائی جاتی ہیں مثلاً

کاسہ را ساقی نگو بہر میکند " کار نیکو کردن از پر کردن است "
 گذر کرد از دلم پیکان کاہی کہ " دلہا را بدہا هست راہی "
 از یاد لبش بکام ہرگز نشوم " شیرین نشود دہان بکلا گفتن "
 " ہر کمائی کہ بود حسرت زوالی اورا " غیر حسن تو کہ اورا نبود بیع زوال

دلا ہر چند جوئی وصل بھجران بیشتریابی شدیدستی کہ میگویند " بہ جوئی تیر یا بی "
 قاسم کاہی نے " بوستان سعدی " کے جواب میں ایک مثنوی " گل افشان " کہی ہے۔ جس کا مطلع درج ذیل ہے۔
 جہاں آفرین را بجان آفرین بجان آفرین صد جہاں آفرین
 قاسم کاہی کو فن معما اور تاریخ گوئی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

ڈاکٹر ہادی حسن کا بیان ہے کہ

" در ساختن مادہ تاریخ کاہی مہارتی تمام داشت ۔ "

مثلاً افتخار ملا فرخ (۹۵۹) " فرخ دیوانہ " سے۔ وفات شیخ سنگ خارا ۹۶۶ھ میں " دل سنگ خارا " وفات ملا خندان
 کی ۹۶۹ھ " مرد خدا نک " وفات صبوحی شاعر ترکستان کی ۹۷۳ھ میں " شاعر آتا " وفات غزالی ملک الشعراء
 دربار اکبری کی ۹۸۵ھ میں " ملحد وونی رفت ز عالم " کے علاوہ معنوی صوری تاریخ اکبر کے بیڑوں حسن و حسین کی
 ۹۷۲ھ میں نکالی ہے۔

دادہ دوشاہزادہ خدا پادشاہ را
دوسعد اکبر اند ز برج شرف عیان
کاہی سوال کرد ز تاریخ سالِ شان
کین باغ زان دو غنچہ بصد رنگ و بو شدہ
باماہ آفتاب بہم رو برو شدہ
گفتا خرد: نہصد و ہفتاد و دو شدہ

(۹۷۲)

اس کے علاوہ قاسم کاہی نے مہالیوں کی وفات پر بھی قطعہ تاریخ نکالی ہے :

مہالیوں بادشاہ آن آفتابی
بنائے دولتش چوں یافت رفعت
چون خورشید مع جہانتاب از بندہ
جہاں تاریخ شد در چشم مردم
پے تاریخ او کاہی رقم زد
کہ فیض شامل او عام افتاد
اساس عمرش از انجام افتاد
بیایان در نماز شام افتاد
ظل در کار خاص و عام افتاد
مہالیوں پادشاہ از بام افتاد

(۹۷۲)

کامران کی وفات تاریخ اس طرح کہی ہے :

کامران آنکہ پادشاہی را
شد ز کابل بکعبہ و آنجا
گفت تاریخ او چنین کاہی
کس نبود است پھو او در خورد
جان بحق داد و تن بجاک سپرد
پادشاہ کامران بکعبہ بمرد

کاہی ظریفانہ مزاج کا بھی مالک تھا چنانکہ بذکر گوئی او ظریفانہ مزاج کی وجہ سے اپنے معاصرین میں سبقت سے لے گیا۔
بدایونی کا بیان ہے کہ قاسم کاہی کی زندگی میں اس کی موت کی خبر اڑ گئی تھی۔ ملاغزالی نے اس پر یہ
قطعہ تاریخ لکھی ہے۔

۱۔ مجموعہ مقالات۔ ص ۹۷۲

۲۔ تذکرۃ الواقعات۔ جوہر آفتابچی (مترجم معین الحق)۔ ص ۱۷۹

۳۔ منتخب التواریخ۔ ج ۳۔ سوم۔ ص ۱۷۵۔۶

رفت بے چارہ کا ہی از دنیا سال تاریخ او اگر خواہی
 چون بنا چار رفت شد ناچار از جہاں رفت قاسم کا ہی (۹۸۰)
 کا ہی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے انتقاماً غزالی کی تاریخ وفات اس کی زندگی میں کہہ ڈالی۔
 درش غزالی آن سگ ملعون مست و جنب شد سوی جہنم
 کا ہی سال وفاتش بنوشت محمد دونی رفت ز عالم
 اس کے بعد غزالی نے ۹۸۰ھ میں احمد آباد میں وفات پائی تو کا ہی نے بطور تلافی ایک اور تاریخ کہی۔
 بود گنجی غزالی از معنی ، مدفنش خاک پاک سر کج است
 بعدیک سال تاریخش احمد آباد و خاک سر کج است
 قاسم کا ہی نے ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔ چنانچہ فیضی نے اس کی تاریخ وفات کہی ہے۔
 افسوس کہ شد قاسم کا ہی فانی در گلشن دھر گرد پر انشانی
 تاریخ مر و سال وفاتش جستند گفتم: دوئم از ماہ ربیع الثانی (۹۸۸)
 مولانا قاسم بخاری نے کا ہی کا مادہ تاریخ وفات کیا خوب کہا ہے:
 ”رفت ملا قاسم کا ہی (۹۸۸)۔“

موجی بدخشی

قاسم خان بدخشی تخلص موجی تھا، مہایوں بادشاہ کے درباری امراء میں سے تھا۔
نفاس المآثر میں ہے:

”محمد قاسم جان است وی از اہالی بدخشاں در صفر سن ایام طفولیت بشرف
خدمت حضرت فردوس مکانی رسیدہ و حضرت جنت آشیانی را از اوان مساب
زمان نشود نما در ملازمت و بندگی بود۔ در وقت توجہ حضرت ایشان بجانب
عراق از شرف ملازمت مختلف نمودہ و ہرگز از بندگی ایشان دور ہودہ و
فنون شعر را خوب گفتہ، از انجملہ است۔

خمار بادہ غم چند دارد سرگران مسارا
بیا ساقی وار غمہائی عالم وار خان مارا
ساقیاتاکی زدور ان شرح بد حالی کنیم
شیشہ پرکن کہ یکساعت دلی خالی کنیم

موجی نے ایک شہنوی ’یوسف زلیخا‘ کے نام لکھی جو ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ زیر نظر ابیات میں وہ محبوب کے سراپا
اور اس کی زیب و زینت کو بیان کرنا ہے۔

نکرد از لعل تاب آویزہ گوشش کہ بود آویختہ دلہائی مدہوش
نکردہ از کمال لطف دوران ز لؤلوی ترش زیب گریبان

کہ بہر زینت حبیب بکوش
 چو ز خود را بپایش دہد پامال
 بیاض گردش چون شمع کاغذ
 ز بازو سیم را ساعد شکستہ
 از ان گلدستہا می ناز نینش
 کفش برگ گلی آوردہ درشت
 نمودہ دست صفت از تفش
 بردوشش کہ بردہ عقل را ہوش
 چو آمد در بیاض حسن تقدیر
 چکیدہ قطرہ ہای خون ز رویش
 روان افتاد در پایش چو غلغلا
 ز جیش سرزدہ سررشتہ نور
 ز ساعد از سمن گلدستہ بستہ
 سمن بر بود ہر دو آستینش
 برو چون غنچہ زنبق پراگشت
 ہلال و بدر در یکروی ناخن
 گرفتہ خرمن گل را در آغوش
 صفائی سینہ اش صافی لآرشیر

موجی نے 'یوسف زلیخا' کے ایک ثنوی 'یلیٰ مجنوں' کے نام سے بھی لکھی ہے۔
 موجی نے زندگی کی آخری عمر میں درویشی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ ۱۹۷۶ء میں اس نے آگرہ
 میں وفات پائی۔

نفاس المآثر میں ہے:

”در سنہ تسع و ستعین تسعۃ در بلدہ آگرہ مرغ روحش از بن تنگنای
 خس و خیال بقضای بقا انتقال کرد۔“

مولانا شہاب الدین معنائی

مولانا شہاب بابر اور ہمایوں کے دربار سے منسلک تھا۔
خواند میر نے لکھا ہے:

”شہاب الدین احمد معنائی از جملہ فضلاء بادشاہ ہمایوں بودہ۔ فضیلت
جزئی معما فضایل کلی علمی اور اپو شیدہ ... مولانا شہاب معنائی حقیری تخلص
از علم و فضل و شعر نصیبہ وافر داشت۔“

شہاب الدین شعر گوئی خصوصاً معما گوئی میں مہارت رکھتا تھا۔ کلام پاک اور حدیث پر کافی قدرت حاصل تھی۔
تاریخ ادبیات در ایران میں لکھا ہے:

”مولانا شہاب الدین معنائی رسالہ ی در تبیین و توضیح علم معما نظم کردہ
بدیشان (بابر) فرستاد و پادشاہ بعد از مطالعہ این رباعی گفتہ باصلہ لائق بوی
روان ساختہ۔“

نامت زبعم رفتہ بملک عربسیت وز نامہ تو در دل مخزون طربسیت
ھر کس بدر آرد از معما ناجی نام از تو بر آورده معما عجبسیت
شہاب الدین معنائی جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا دربار ہمایوں سے وابستہ رہا ہے۔ جب ہمایوں مسند شاہی پر
جلوہ افروز ہوا تو اس نے اپنی خوشی کا اظہار مدحیہ اشعار میں کیا۔

لے قانون ہمایونی۔ خواند میر۔ ص۔ ۲۳

۲۔ تاریخ ادبیات در ایران ذیح اللہ صفا۔ ص۔ ۴۵۱۔ چانجانہ رنگین۔ تہران

قانون مہایونی میں ہے:

”در مسجد جامع دار الخلافت اگرہ خطبہ از نام ولقب بادشاہ عالی حسب بلند
آوازہ گشت۔ و غلغلہ تہنت و مبارک بادار میاں جان جہانیاں برآمدہ
از دورہ مقصور سپہر در گذشت... ناظم مناظم سخن آرائی مولانا شہاب
الدین معانی فرماید:

کدام دل کہ نہ ازین مرزہ شاد و خورم شد	کہ شاہ کشور جان را جہان مسلم شد
فرشتہ بصفائی پری و صورتِ حور	نہور کرد و شہنشاہ نسل آدم شد
مدار امن و امان خسرو مہایون نام	کہ قامت فلک از بار طاعتش خم شد
بس است، المیان را ہمیں شرف تا حشر	کہ ذات اشرف او بادشاہ عالم شد

مولانا شہاب الدین کو قطعہ تاریخ پر عبور حاصل تھا۔ اس نے مہایون کی سال جلوس کی تاریخ اس طرح نکالی ہے۔

سر خسروان شاہ بابر کہ داشت	دو صد بندہ مانند جمشید و کے
شد آرام گاہش بیہشت، برین	چو طومار عمرش اجل کرد طے
محمد مہایون بجایش نشست	کہ ملکش ز چین باد ناروم درے
جو ہر مسند تار نخیش اے دل بگو	مہایون بود وارث ملک وی

مہایون نے ۱۵۹۷ء میں جہنا کے کنارے ایک بہت خوبصورت محل بنوایا تھا۔ تو مولانا شہاب الدین معانی

نے اس پر قطع تاریخ لکھی ہے۔
خواند میر لکھتا ہے کہ

”تاریخ تعمیر آن قصر دلپذیر از سریر قلم بدیع رقم جناب امیر انظر فانی

مولانا شہاب الدین احمد معانی برین شوال بگوش ہوش صغیر و کبیر و بناد پیر می رسد۔

بفرمان شاہ ہمایوں لقب سلیمان دین پرورد دادرس
بنیافت این خانہ دلکش کہ جز طرف آن نیست جان را ہوس
فزائش مبر از گرد غبار حرمش معرا ز غاشاک و خس
زلالش باب خضر ہمنشین ہوائش بروح القدس ہمنفس
چراغش ز نور قدم مستیز فروغش ز شمع ازل مقتبس
بجر بوسہ دادن بجاک درش ندارند کز فو بیان ملتبس
دروہر کہ رہ یافت باخویش گفت بہشت غلہ ہمیں است و بش

خرد ہر سال نبایش نوشت

ندیدہ چین خانہ ہیکس

ہمایوں نے دین پناہ کے نام سے ایک مقبرہ بنوایا جو ۹۴۰ھ میں مکمل ہوا۔ اس موقع پر بھی مولانا نے تاریخ لکھی ہے۔

داور دوران پناہ ملک و دین خسرو عادل ہمایوں بادشاہ
کرد این شہر معظم را بنا تا کندش اہل دین آرامگاہ
سال تاریخ بنایش نزد عقل هست شہر بادشاہ دین پناہ

(۹۴۰)

ہمایوں کے محترعات میں ایک محل رواں بھی تھا۔ یہ لکڑی کی تین منزلوں کا ایک محل تھا۔ اس کو اس طرح خوبصورتی و دلکشی سے جوڑا گیا تھا کہ کہیں سے اس کا جوڑ نظر نہیں آتا تھا۔ اس پر نقاشی اور زر گوئی کا بھی بہترین کام مرصع تھا۔ اسی محل رواں کی تعریف میں اس نے ذیل قصیدہ کہا۔
ایں ملتج پیکر عالی کہ شہ را منظر است

لے قانون ہمایونی۔ ص ۸۶۔

لے قانون ہمایونی۔ خواند میر۔ ص ۶۶-۶۷۔

هست فانوسی کہ شمعش آفتاب خاور است
 نیست فو قش میل زرین بلکہ سر بیرون زدہ
 شعلہ شمع وی از روزن کہ بر سقفش در است
 نازنین سرویست در ہر کردہ خلعتہای ناز
 سر بلندی یافتہ از تاج زرین پیکر است
 مطرح نور رخ شمعیت این قصر بلند
 کا قتاب و انجمش پروانہ سان گردِ سراسر است
 مطلع ماہ شب افروزیست این برج شرف
 کز طلوعش خلق را ہر شام صبح دیگر است
 قلہ طور است پر نور تجلی فی المثل
 شاہ بہروی در دعا چون موسیٰ پیغمبر است
 مو، دہدیاد از شب معراج شہبانی کہ شاہ
 کردہ آہنگِ عروج ذرۂ این منظر است
 حاملان عرش را ماندہ ستونہایش تمام
 بر فرازش استوای ظلّ نیچون در خور است
 صف زدہ در سایہ اش چگون ملایک فوج فوج
 این چنین قصر خدا را در کدانی کشور است
 هست چون قصر فلک سیرش میسر زان سبب
 نام او قصر رواں کردہ شہ بحر بر است

شہاب الدین معانی کے حالات کے بارے میں مزید معلومات نہیں ملتی البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ عہد ہمایوں کے نامور
 شاعروں میں سے تھا۔

مولانا ضمیری بلگرامی

اصل نام شیخ نظام اور ضمیری تخلص تھا۔ بچپن ہی میں سایہ پداری سے محروم ہو گیا تھا اس لئے اپنے چچا کے زیر سایہ جو اکبر کے ملازمین سے تھا پرورش پائی۔ تحصیل علم کے بعد اس کا رجحان طبع شاعری کی طرف ہوا اور اس فن میں رغبت کی بنا پر کافی شہرت حاصل کی۔

ضمیری، ہمایوں کی دوبارہ ہندوستان میں واپسی کے بعد اس کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ اور اس کے دربار کے اعلیٰ شاعروں میں شمار کیا جانے لگا۔ اس نے بہت سے قصائد اورثنویاں بھی لکھیں ہیں جنہیں اس نے اپنے ممدوح ہمایوں بادشاہ کے نام معنون کیا ہے۔ وہ صاحب دیوان شاعر تھا۔ ضمیری نے ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی۔ نواب مبارک خان نے اس کی تاریخ وفات ”آہ نظام“ سے نکالی ہے۔ تذکرہ نتائج الافکار میں کچھ اشعار نقل میں جو اس کے افکار کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں۔

جز آئینہ در روی تو دیدن کہ تواند
جز شانہ بزلف تو رسیدن کہ تواند
آہنجا کہ صبارا بنود بار ز تنگی
جان بخش کلام تو شنیدن کہ تواند
صدیغ کشیدن ز ہر سو بہ ضمیری
پیوند ہوائی تو بریدن کہ تواند

۱۔ اے مہسٹری آف پرشین لٹریچر اینڈ لٹریچر ایٹ دی منل کورٹ ج۔ دوئم۔ عبدالغنی۔ ص۔ ۱۰۴
۲۔ تذکرہ نتائج الافکار۔ محمد قدرت اللہ گویا موی۔ ص۔ ۴۳۴

مولانا نادری سمرقندی

مولانا نادری سمرقند کارہننے والا تھا۔ ہمایوں کی علم نوازی کی شہرت سن کر ہندوستان آیا۔ ہمایوں کی علم دوستی و سرپرستی کی بنا پر اسی کی غربت امارت میں بدل گئی۔ وہ نہ صرف اپنے زمانے کا مشہور شاعر تھا بلکہ اس کا شمار جید علماء و فضلاء میں بھی ہوتا تھا۔ یہ نہ صرف فارسی زبان و ادب کا عالم تھا بلکہ عربی پر بھی عبور حاصل تھا۔ عبدالقادر بدایونی رقمطراز ہے کہ:

”از نوادر روزگار و فاضل و جامع کامل بود۔“

نادری نے غزل، رباعی قصیدہ اور نظمیں وغیرہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے جس میں اپنی صلاحیتوں اور سہرا آئیوں کا مکمل اظہار کیا ہے۔

مولانا نادری سمرقندی نے ہمایوں کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ جس کی اس کی شریعت نوازی، علم پروری، ریاضی دانی اور سائنس کی رغبت کی داد دی ہے۔

با عیش نشستند حریفان معاصر	المنۃ للہ کہ بجمعیۃ خاطر
در حضرت گل بلب غائب شد حاضر	گلزار تماشا کہ خلق است کہ آنجا
کز خرقہ صد پارہ گل دوختہ سار	عریان نہ خزان بود مگر شاید بستان
سلطان بہار آمدہ با فیل عا کر	بکجاست گل و یاسمین و سنبل و فریمان
بر شاخ درختاں جو خطیبان بنا کر	مرغان صفت شاہ فلک مرتبہ خواہاں
کش مصبت قوی دست و دل از قدرت	خاقان معظم شہ جم قدر ہمایوں
وز بنیش او بیش از باب بعار	از دانش او دانش اصحاب بصیرت

نبی چو حرام است در احکام شریعت
جمع آمدہ بہر ظفر لشکر اسلام
زیر علم فتح بمیدان سعادت
ای بانک جود تو قوام ہمہ اشیاء
اقبال نماید بمراعات اوامر
احساد سپاہش زد لیران عساکر
بادش کرم لم یزلی حافظ و ناصر
تاقیم بدم تیغ تو اعراض و جواهر

احصای کمالات تو کردن نتوانم
باقفل حکیمانہ واقبال تو دارد
جور تو بنوعیت کہ در ساعت بخشش
کاندر ہمہ تنہا شدہ کامل و ماسر
نفس ملکی نسبت اجناس شاہر
ناخواستہ دانی ہمہ حاجات ضمایر

تحفہ سامی میں ہے:

”بہ خوش طبعی و ملای ممتاز بود این مطلع از جملہ اشعار ادست“

وہ اچہ خرامست قدیار را بندہ شوم آن قدو رفتار را

تذکرۃ الشعراء میں ہے:

”بعہد ہمایون شاہ از سمرقند (خراسان) بہذآمدہ مداحی وی میکرد۔“

مولانا نادری سمرقندی نے (۹۴۴ھ) میں وفات پائی میرامانی کابل نے اس کی تاریخ کہی ہے:

واحسر تاکہ نادری نکتہ دان بر رفت آن نادری کہ داد سخن داد در جہان

جستم بر رسم تعمیہ تاریخ فوت او گفتا خرد کہ رفت یکی از سخنوران

۱۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۴۷۳۴

۲۔ زیر نظر قصیدہ کے کچھ اشعار تذکرہ خوشگو میں بندرا بن داس نے (ص۔ ۹۰) پر تحریر کئے ہیں۔

۳۔ تذکرہ تحفہ سامی۔ سام میرزا۔ ص۔ رکن الدین ہمایون فرج (تصحیح و مقدمہ)

۴۔ تذکرہ الشعراء۔ محمد عبدالغنی۔ ص۔ ۳۱۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علیگر ۱۹۱۶ء

۵۔ منتخب التواریخ۔ ج۔ اول۔ ص۔ ۴۷۵

میراویسی

جلال الدین محمد نام اور اویس تخلص تھا۔ دربار ہالیوں کا ممتاز شاعر اور امیر تھا۔
قانون ہالیونی میں ہے:

”اسم گرامش جلال الدین محمد اویس است از امرای کبار دربار ہالیونی
بادشاہ بود۔“

ریاض الشعراء میں ہے:

”میراویسی از امرای ہالیون بادشاہ بودہ بموافقت آن بادشاہ دندان خود را
کنڈہ باعث عزت و اعتبار وی گردید۔“

میراویسی کے اشعار فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ اس کے کلام میں موسیقیت کا عنصر غالب
ہے۔

ہالیوں کی تخت نشینی کے موقع پر جہاں دیگر شعرا نے اس کی مدح میں اشعار کہے وہیں امیراویسی نے بھی
اس کی ستائش میں مدحیہ اشعار کہے ہیں۔
خواند میر کا بیان ہے:

”جناب امارت امجد امیر اویس محمد در تہنیت این جلوس ہالیون فرماید:

۱۔ قانون ہالیونی۔ خواند میر۔ ص ۲۷

۲۔ ریاض الشعراء والہ داغستانی (نسخہ خطی)

۳۔ قانون ہالیونی۔ خواند میر۔ ص ۲۷-۲۹۸

شہا عالم پناہا بادشاہل خسرو اشاہا
 توئی قطب زمان ازست کباد این جہان
 مبارکباد فتح کشور دینی و دنیا
 چہ اسباب جلال است این چہ تربیت نظام است
 در دریائی دین آفتاب طارم دولت
 چراتاب نگاہ او نہاد دیدہ مردم
 جہاں را دیدہ روشن شد و خورشید جمال او
 چو می بینم وجود عالم وابستہ ذاتش
 جب ہمائیوں نے اپنے درباریوں کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کا نام 'اہل دولت، اہل سعادت، اور اہل
 مراد رکھا تو اہل مراد کا نگاہاں امیراویسی کو ہی بنایا تھا۔

قانون ہمائیوں میں ہے کہ:

”... و تعیین مراتب ملازمان آستان آسمان مقداری گمارد و مہمات سرکار
 مراد و امور بیوتات بادشاہ بادیں و دادرا فاضل پناہ۔ معالی دستگاہ۔
 صاحب المراد لایق التقرب والا اعتماد۔ قابل الرعايت والرشاد۔ انیس مجلس
 خامن۔ و مجلس محفل اختصاص۔ جلال الدولۃ والدینا والدین امرالین
 محمد اقدس تعالیٰ بالغز السرمذی سازد۔“

بالا عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے امیراویس بادشاہ ہمائیوں کا محبوب خاص رہا ہے۔

اویسی کا انداز بیان سادہ اور دلکش ہے۔ میر علی شیر نوائی اور عبدالرحیم خانخاناں کے ذریعہ اکثر محافل شعری
 آراستہ ہوتی تھیں میراویس اس میں شریک رہتا تھا۔ ایک بار اسی شعری نشست میں اس نے ایک بلند پایہ قصیدہ

کہا۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

امید وارم چنائم کہ شرمساری من
شور بہ پیش تو عذر گناہکاری، من
میراویں تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ چنانچہ میرزا کامران کی وفات پر اس نے ذیل قطعہ تاریخ لکھی۔
شہ کامران خسرو نامدار کہ در سلطنت سر بکیوان رساند
بجاور شد اندر حرم چار سال بکلی دل از قید عالم رھانند
ز بعد وقوف حج چارمین، با حرام حج جان . بجانان نشانند
چو در خواب ویسی درآمد شبی عنایت نمود و سویی خویش خواند
بگفت از پیر سندات از فوت ما بگور شاہ مرحوم در کہ ماند
ہمایوں نے جب چہار طاق کی تعمیر کروائی اس موقع پر اویسی نے چار طاق سے مطابق ایک قصیدہ کہا۔
بانیش بدر فلک قدرتی ہمایوں طلعتے است
کز قدر اش این بنا بر چرخ دارد افتخار
از فروغ آفتاب عالم آراے رخنش
ہست خرم چون گلستان ارم لیل و نہار
طرفہ گلزاری فراہم آمدہ از چوب خشک
طرفہ تر این کز بتان ماہر رخ آوردہ بار
اے اویس از سخن و فتنش نمی بایدار
بس ہمایوں بہتر کہ سازی بروغائش اختصار

۱۔ منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔ ج اول۔ ص۔ ۳۔ ۵۲

۲۔ قانون ہمایونی۔ خواند میر۔ ص۔ ۵۶۔ ۵۳

سنہ ۹۴ھ میں ہمایوں نے آفتاب کے برج محل میں داخل ہونے کے موقع پر جشن منایا اس وقت دربار کے دوسرے امراء کے ساتھ اولیٰ کو بھی خلعت و نعمت سے نوازا جیسا کہ خواند میر نے لکھا ہے^۱
 ”از امرای ترک انیس مجلس خاص۔ و جلس مخفل اختصاص۔ میراویں محمد کہ
 جمالِ حالش باصناف اوصاف حمیدہ۔ انواعِ اخلاق پسندیدہ مزین و محلیٰ
 است۔“

امیراویں نے خلعت سے سرفراز ہونے کے بعد ہمایوں کی خدمت میں ذیل غزل پیش کی۔
 رخت از روی خوبی۔ آفتاب اوج گردون است
 نہال قامت در گلشن جان۔ سرو موزون است
 مراد رماشتی نسبت مکن با دایمق و مجنون ،
 کز ایشان عشق من از دولت حسن تو افزون است
 باین خوبی کے یلی در ہمہ عالم بکلم گشتہ ۔
 ہمہ از پر تو تاثیر عشق پاک مجنون است
 لب شرین بدشنام رقیبان تا کشاد آن گل
 ازان حسرت دل صد پارہ ام چون غنچہ پُر خون است
 اولیٰ جملہ عالم را نشاط و عشرت شادی
 ازین نوز و زفیروز دل افروز ہمایون است

۱۔ قانون ہمایونی۔ خواند میر۔ ص ۹۶۔

۲۔ قانون ہمایونی خواند میر ص ۱۰۱۔ ۱۰۰۔

وفائی دکن

سلطان اسماعیل عادل شاہ جس کا شاعرانہ تخلص وفائی تھا۔ یہ دکن کے عادل شاہی بادشاہ سلطان یوسف عادل شاہ کا پسر تھا۔

مؤلف مجمع الفصحاء کا بیان ہے:

”نامش اسماعیل عادل شاہ بن یوسف عادل شاہ عثمانی از پادشاہان
عادل شاہیہ دکن است کہ بعد از سلاطین بہمنی سلطنت ہند در رسیدند
خاصہ دکن و پدرش یوسف عادل شاہ نیز بادشاہی مقتدر و صاحب طبعی
موزون بود۔“

وفائی اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۶۹۱ء میں تخت نشین ہوا۔ اور اپنی وفات ۱۷۴۱ء تک حکومت کی۔ وہ ہندوستان
میں ظہیر الدین بابر بادشاہ کا ہم عصر حکمران تھا اور ایک اچھا شاعر بھی تھا۔
رضا قلی خان ہدایت نے اس کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جو زیر نظر ہیں:
ز بھرت آتشی دارم بدل کز برت کینش
نصیحتامی سرد عاقلان بادست پنداری

۱۔ مجمع الفصحاء، رضا قلی خاں ہدایت۔ ۱۲۶۔ مؤسسہ مطبوعاتی امیر کبیر ۱۳۳۹

۲۔ اسٹری آف پرشین لیگنچ اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ۔ ج۔ اول۔ عبدالغنی۔ ص۔ ۸۹

۳۔ مجمع الفصحاء۔ ص۔ ۱۲۷

شبی نگذر دگر فراق تو چون شمع
پراز اشک حسرت کناری ندارم

تا کی آزار اهل دل طلسمی
بیوفائی نهایتی دارد

ت
کتابیا

کتابیات

نسخه هائی خطی

افسانه شامان	شیخ کبیر بن حرز	ردلو گراف نمبر - ۱	بخش تاریخ - علیگره مسلم یونیورسٹی علیگره
بیاض الاشعار	حبیب گنج کلکشن	نسخه نمبر - ۵۰/۹۶	کتابخانه مولانا آزاد - علیگره
تاریخ ابراہیمی	ابراہیم بن جریر	نسخه نمبر ۲۵۹/۶۹	"
تاریخ رشیدی	مرزا حیدر دودغلات	نسخه نمبر ۳۴-۳۸	"
تذکرہ سفینہ خوشگو	بندار بن داس خوشگو	نسخه نمبر ۳۵	"
دیوان مہایون	مہا یون بادشاہ	نسخه نمبر ۱۲۵۹	کتابخانه خدا بخش، پٹنہ
ریاض الادویہ	حکیم محمد یوسف	نسخه نمبر ۵۰۲/۳۴	کتابخانه مولانا آزاد علیگره
ریاض الشعرا	والہ داغستانی	نسخه نمبر ۵۱/۳	"
سیر العارفین	شیخ جمالی دهلوی	نسخه نمبر ۲۳/۱۱	"
طبقات شاہجہانی	محمد صادق	نسخه نمبر ۲۲/۳۶	"
قصاید جمالی	شیخ جمالی کنبوی	نسخه نمبر ۴۹/۳۱	"
گلزار ابرار	غوثی بن شطاری	ردلو گراف نمبر ۱۷۵	بخش تاریخ علیگره مسلم یونیورسٹی علیگره
لوائج جامی	عبدالرحمن جامی	نسخه نمبر ۳۸۲/۳	کتابخانه مولانا آزاد
نفائس المآثر	مرزا علاء الدولہ قزوینی	نسخه نمبر ۹۲/۵	"
نفائس المآثر	مرزا علاء الدولہ قزوینی	نسخه نمبر ۲۳۸۸	کتابخانه رضا رامپور

کتابهای مطبوعه

۱۹۸۷ء	ناہید آفسیٹ پریس ادبی دنیا دہلی	شیخ محمد اکرام	آب کوثر
۱۹۸۹ء	اردو اکادمی دہلی	سر سید احمد خاں	آثار الصنادید
۱۸۸۲ء	نول کشور پریس لکھنؤ	شیخ ابوالفضل	آئین البری
۱۹۳۱ء	بیسپت مشن پریس کلکتہ	حسن شالمو	احسن التواریخ
۱۹۱۴ء	مجتبائی دہلی	شیخ عبدالحی محدث دہلوی	اخبار الاخیار
۳۵۱ء	آئیڈل پرنٹنگ ورکس لاہور	مرزا مقبول بیگ بدخشیانی	ادب نامہ ایران
۱۸۷۷ء	ابن سینا تہران	علی اصغر حکمت	از سیدی تاجانی
۱۹۸۲ء	ایشانک سوسائٹی کلکتہ	شیخ ابوالفضل	اکبر نامہ
	بہار گو آفسیٹ، بنارس	امرت لعل عشرت	ایران صدیوں کے آئینہ میں
۱۳۰۸ھ	چترا پر بھاء پریس بمبئی	بیرم خانخان (ترجمہ فارسی)	ابر نامہ
۱۹۷۳ء	سید صباح الدین عبدالرحمن معارف پریس اعظم گڑھ		بزم تیموریہ
۱۹۵۴ء	سید صباح الدین عبدالرحمن معارف پریس اعظم گڑھ		بزم مملوکیہ
۱۹۷۱ء	مرزا مقبول بیگ بدخشیانی لاہور		تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند
۳۶۲ء	چانجانہ رنگین تہران	ذبح اللہ صفا	تاریخ ادبیات در ایران
۳۴۷ء	چانجانہ، آتشکاہ تہران	احمد گلچین معانی	تاریخ تذکرہ ہائی شعر فارسی

تاریخ حبیب البیتر	خواندمیر	چانجانہ حیدری تہران	۱۳۲۲ھ
تاریخ داؤدی	عبد اللہ تبصیح عبدالرشید	علیگرہ مسلم یونیورسٹی علیگرہ	۱۹۵۳ء
تاریخ روضۃ الصفا	خواندمیر	مرکزی خیام ایران	۱۳۲۹ھ
تاریخ سلطانی	سلطان احمد خاں داؤدی	محمد پریس بمبئی	۱۲۹۸ھ
تاریخ شاہی	احمد یادگار	بنجاری پرنٹنگ پریس کلکتہ	۱۹۸۵ء
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم ہندو شاہ	نول کشور پریس لکھنؤ	۱۸۳۳ء
تذکرۃ الفوائتین	مرزا مہدی شیرازی	بمبئی	۱۳۰۶ھ
تذکرۃ الشعرا	محمد عبدالغنی	انسٹی ٹیوٹ گزٹ علیگرہ	۱۹۱۶ء
تذکرۃ الشعرا	دولت شاہ غلام الدولہ	مطبع بریل - لندن	۱۳۲۹ھ
تذکرۃ الوقعات	جوہر آفتابچی (مترجم اردو معین الحق)	ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی	۱۹۵۰ء
تذکرۃ تحفہ سامی	شام مرزا تبصیح و مقدمہ رکن الدین ہما نفرج	حق چاپ محفوظ	
تذکرہ روز روشن	مولوی محمد مظفر حسین صبا	کتانجانہ رازی تہران	۱۳۲۳ھ
تذکرہ روضۃ سلاطین	فخری ہروی تبصیح و تحشیہ داکٹر خیام پور	چانجانہ دانشگاہ تہران	۱۳۲۵ھ
تذکرہ ریاض العارفین	رضا قلی خان ہدایت	کتاب فروشی محمودی تہران	۱۳۲۳ھ
تذکرۃ علمائے ہند	رحمان علی	نول کشور پریس لکھنؤ	۱۹۱۴ء
تذکرہ مجالس النفائس	علیشہ نوائی تبصیح و اہتمام علی اصغر حکمت	کتانجانہ منیر چہری	۱۳۹۳ھ

۱۹۷۹ء	تحقیقات علوم آسیای میانه و عربی دانشگاہ کراچی	ملاقاطعی ہروی	تذکرہ مجمع الشعرائی جہانگیری
۱۲۳۶ھ		شیرخان لودی	تذکرہ مرآۃ الجنال
۱۲۳۶ھ	دانشگاہ کراچی - کراچی	ملاقاطعی ہروی	تذکرہ مجمع الشعرائی جہانگیری شاہی
۱۳۴۹ھ	کتابخانہ ملی ایران	رحم علی خان ایمان باہمام سید محمد جلالی نائینی، دکتہ امیر حسن عابدی	تذکرہ منتخب اطراف
۱۳۶۳ھ	ایران	ملا علی ابنی فخر الزمانی - وحاشیہ احمد کلچین معانی	تذکرہ میخانہ
۱۹۶۸ء	پٹنہ	قدرت اللہ گوپاموی	تذکرہ نتائج الافکار
۱۹۸۶ء		حسین علی خان عظیم آبادی	تذکرہ نشتر عشق
۱۹۶۳ء	علی اکبر علمی تہران	دکتہ سید علی رضا نقوی	تذکرہ نوسی دہند پاک
۱۹۴۱ء	رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان	بازید بیات اختر راہی	تذکرہ ہمالیہ و اکبر ترجمہ ہای متون فارسی بزبان پاکستان
۱۹۱۸ء	جی۔ اینڈ سنس۔ دہلی	سبحان رائے بھنڈاری	خلاصۃ التوارخ
۱۹۱۰ء	نول کشور پریس لاہور	مولانا محمد حسین آزاد	دربار اکبری
۱۹۹۱ء	ناہمید آفسیٹ پریس نئی دہلی	شیخ محمد اکرام	رود کوثر

- سرہند میں فارسی ادب ڈاکٹر ادریس احمد
 سلاطین دہلی کے مذہبی خلیق احمد نظامی
 رجانات
 سیر المتاخرین مولوی غلام حسین طباطبائی
 الخوار احمد الہ آباد
- شاعران شاعر ابو قاسم حالت
 شرح احوال و آثار عبدالرحیم خان خانان
 علمی ایران مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
 طبقات اکبری نظام الدین احمد نخشب
 ظہیر الدین محمد بابر سید صباح الدین
 عبد الرحمن
- ظہیر الدین محمد بابر ال۔ ایف۔ رش۔ بروک
 ولیمز مترجم ڈاکٹر رفعت بلگرامی
 مورڈن بکس علیگرہ مجلس ترقی ادب لاہور
- فارسی ادب کی تاریخ علی اصغر حکمت
 فارسی زبان و ادب مجموعہ مقالات سید عبد اللہ
- فہرست تاریخ روضۃ خواند میر (مقدمہ دکتر محمد مرکزی خیام ایران
 روضۃ الصفا جواد مشکور)
 فہرست مشترک احمد منزوی
 نسخہ های خطی قاری پاکستان
- مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
- ۱۹۸۸ء
 ۱۹۸۱ء
 ۱۲۳۶
 ۱۹۹۲ء
 ۱۹۷۵ء
 ۱۹۸۶ء
 ۱۹۸۹ء
 ۱۹۷۶ء
 ۱۹۷۷ء
 ۱۳۰۱ ش

۱۹۳۰ء	رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ	خواند میر	قانون ہمایونی
۱۳۵۰ھ	چانچانہ، تھران	جواہر لعل نہرو ترجمہ فارسی	کشف ہند
		عمود تفصیلی	
۱۸۸۸ء	ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	شامہ نواز خان	ماثر الامرا
۱۹۲۴ء	ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ	عبد الباقی نہاوندی	مآثر حمی
۱۹۴۴ء	مرکزی تحقیقات فارسی و پاکستان	جمالی دھلوی (مقدمہ و تصحیح سید حسام الدین راشدی) (راولپنڈی)	مثنوی بہ و ماہ
۱۳۳۶ھ	مطبوعہ امیر کبیر	رضا قلی خان ہدایت	مجمع الصفا
۱۸۹۲ء	خدا بخش لائبریری پٹنہ	سراج الدین خان آرزو	تبع النفاس
۱۹۵۶ء	مرکزی دولتی حیدر آباد	ہادی حسن	مجموعہ مقالات
۱۹۴۸ء	اسرار کریمی پریس الہ آباد	نبی ہادی	مغلوں کے ملک الشعراء
۱۹۵۴ء	سندھی ادبی بورڈ	میر علی شرنوانی با مقدمہ و تصحیح و حواشیہ سید حسام الدین راشدی	مقالات الشعراء
۱۹۲۳ء	رنگین پریس دہلی	شبلی نعمانی	مقالات شبلی
۱۹۹۱ء	عربی فارسی پٹنہ	سید امیر حسن عابدی	مقالات عابدی
۱۹۶۶ء	مجلس ترقی ادب لاہور	حمود شیرانی	مقالات حمود شیرانی
۱۹۶۶ء	نفیس اکیڈمی کراچی	خانی خان نظام الملک	منتخب الالباب
		مترجم فاروقی	
۱۸۶۸ء	کالج پریس کلکتہ	ملا عبد القادر بدایونی	منتخب التواریخ
	شمسیہ حیدر آباد دکن	مارلس بی جی	نظام اکبری

۱۹۸۲ء	مکتبہ جامعہ نئی دہلی	ڈاکٹر سمیع الدین	نقد ادبیات فارسی
۱۳۳۸ھ	اُردو اکادمی دہلی	شبیر الدین احمد	واقعات دارالحکومت
۱۹۶۳ء	ایشیائیک سوسائٹی کلکتہ	امین احمد رازی	ہفت آقا
۱۹۲۹ء	الہ آباد	گلبدن بیگم	ہمایون نامہ
۱۹۸۳ء	اعلیٰ پریس دہلی	سید امیر حسن عابدی	ہندوستان میں فارسی ادب
۱۹۶۳ء	معارف اعظم گڑھ	سید صباح الدین	ہندوستان کے مسلمان
		عبدالرحمن	حکمرانوں کے عہد کے
			تمذنی جلوب
۱۹۰۶ء	ترقی اردو بیورڈ نئی دہلی	نخب الحسن مترجم	ہندوستانی دور وسطیٰ
		مسرور ہاشمی	کے مورخین

ENGLISH BOOKS

A History of India in the time of Babur and Humayun.	William Erskin	London	1854
A History of Persian language and Literature at the Mughal Court.	Mohd. Abdul Gani	Allahabad	1930
An Empire Builder of the Sixteenth century.	L.F. Rushbrook Williams	Delhi	1915-16
Babur Zohiroddin Mohammad memories of Zahir-ed-din Mohammed Babur, emperor of Hindustan.	John Leyden & William Erskin	Oxford University London	1921
Classical Persian Literature.	Ruskin House	London	1958
Dream for Gotten	Waris Kirmani	Aligarh	1984
Empire Akber and the rise of the Mughal.	Colonel-G-B	Oxford University	
History of India.	John. Clark Marshman	London	1867
Humayun Badshah.	Panerji S.K.	Maxwell Co Lucknow	1941

२२२

Humayun in Persia	Sukmar Ray	Calcutta	1948
Memories of Babur Emperor of India First of the Great Mughal	Licat-Colonel F-G-Talbot.	Delhi	1974
Mughal Poetry its Cultural and Historical value.	Hadi Hasan	Madras	1961
Muslim Rule in India	V-D-Mahajan	Delhi	1953
The History of India	Elliot and Dowson	Allahabad	1967
The History of Humayun Humayun Nama	Gul Baden Begam Translated by Princess Rose Body	Delhi	1972
Terikh-e-Rashidi	Doghlat Mirza Mohammad Halder Denison-Ross	Patna Academi	
The Saltanate of Delhi	Sharma L.P.	Delhi	1988
The Unique Diwan of Humayun Badshah	Hadi Hasan		
The Oxford Students History of India.	Vincent Smith	Calcutta	1972



CONTRIBUTION OF BABUR AND HUMAYUN TOWARDS PERSIAN LITERATURE

THESIS

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

PERSIAN

BY

MISS RANA KHURSHEED

Under the Supervision of

PROF. AZARMI DUKHT SAFAVI

**DEPARTMENT OF PERSIAN
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)**

1996